BAIS601DST

تحریکات، ادارے اور مفکرین

Movements, Institutions and Thinkers

بیچلر آف آرٹس (بی۔ اے۔)

(چھٹا سمسٹر)

نظامت فاصلاتی تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

حیدرآباد-32، تلنگانہ-انڈیا

اکائی 1: جمعیت علمائے ہند

اکائی کے اجزا:

1.0 تمہید
1.1 مقاصد
1.2 قیام
1.2.1 اصول وضوابط
1.3 ترک موالات اور جمعیت علماہند
1.4 جمعیۃ کی اجلاس اور اس کے مقاصد
1.4.1 دوسرا اجلاس
1.4.2 تیسرا اجلاس
1.4.3 چوتھا اجلاس
1.4.4 ستیہ گرہ اور جمعیۃ علماء
1.4.5 جمعیت علماء ہند کا نیا انتخاب
1.4.6 ''ادارہ حربیہ'' جمعیۃ کا فعال ادارہ
1.4.7 1942ء کی انقلابی تحریک اور جمعیۃ کا موقف
1.4.8 ما قبل آزادی جمعیۃ کے دو حصے
1.5 جمعیت علماء ہند کے اغراض اور تعمیری پروگرام
1.5.1 اغراض و مقاصد
1.5.2 تعمیری پروگرام
1.5.3 جمعیۃ علماء ہند کی دو شاخیں
1.6 جمعیۃ علماء ہند کے تحت چلائے جانے والے شعبہ

1.7 اکتسابی نتائج

1.8 نمونہ امتحانی سوالات

1.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1.8.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1.8.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1.0 تمہید

برصغیر جنوبی ایشیا میں آزادی کی پہلی تحریک سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل شہید کی زیر قیادت شروع ہوئی، یہ خالصتاً مذہبی تحریک تھی، جس میں علماء نے بھرپور کردار ادا کیا۔ 6 مئی 1831ء کو ان دو بزرگ شخصیتوں کے شہادت سے اس تحریک کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔

اس کے بعد علماء نے 1857ء کی جنگ آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اس جنگ میں ناکامی کے بعد صادق پور کے علماء نے سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کی تحریک جہاد کو جاری رکھا، ان علماء کی جدوجہد بھی 1882ء کے مقدمہ امبالہ کے ساتھ ختم ہو گئی۔ ان ہی علماء میں سے چند ایک نے 1866 میں دیوبند میں ایک دارالعلوم کی بنیاد رکھی جس کا مقصد دینی تعلیم کو عام کرنا اور انگریزوں کی غلامی سے ہندوستان کو آزاد کرانا تھا۔

شیخ الہند مولانا محمود حسن نے پہلی جنگ عظیم کے دوران ہندوستان کی آزادی کا ایک منصوبہ بنایا اور اس مقصد کے حصول کے لیے مولانا عبید اللہ سندھی کو افغانستان بھیجا، لیکن قبل اس کے کہ اس منصوبے پر عمل ہوتا انگریز حکومت کو اس کا علم ہو گیا جس کی وجہ سے مولانا محمود حسن کو مالٹا میں نظر بند کر دیا گیا اور ان کے دوسرے رفقاء کو بھی مختلف قسم کی سزائیں دی گئیں۔

1.1 مقاصد

اس اکائی کے پڑھنے اور مطالعہ کرنے کے بعد طلباء کو معلوم ہو گا کہ ہندوستان کی آزادی اور مسلمانوں کے ایمان کی حفاظت کے لیے جمعیت علماہند کا وجود کیسے ہوا۔

نیز ہندوستان کو آزاد کرانے کے لیے جمعیت علماہند نے کن تحریکات کا ساتھ دیا اور اس کا کیا رول تھا، اسی طرح آپ آزادی سے قبل اس تحریک کی صورتحال نیز آزادی کے بعد کے حالات اور اس تحریک کے تحت چلنے والے مختلف اداروں سے واقف ہوں گے۔

1.2 قیام

ہندوستان میں طاقت کے ذریعہ انقلاب برپا کرنے کی آخری تحریک "تحریک ریشمی رومال" تھی، اس وقت اس کے علاوہ اور کوئی دوسرا طریقہ نہ تھا، چنانچہ مالٹا کی قید سے واپسی کے بعد جب شیخ الہند ہندوستان واپس آئے، اس وقت ملک میں سیاسی بیداری کی ایک تیز لہر چل پڑی تھی اور ہندوستان ایک نئی کروٹ لے رہا تھا۔ جلیان والا باغ میں نہتے عوام نے سینوں پر گولیاں کھا کر اور خاک وخون میں تڑپ کر جان دے دی تھی، اسی وقت ہندوستانی عوام نے محسوس کر لیا تھا کہ اس شکست میں بھی کامیابی کا ایک رخ ہے۔

مسلمانان ہند طاقت کے ذریعہ انقلاب برپا کرنے کے طریقے سے واقف تھے، اس لئے وہ راہ بھی اختیار کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی اور عدم تشدد کی راہ سے بھی واقف تھے، اس لیے اس نے جمعیت علماء ہند کی بنیاد 1919ء میں ڈالی۔ جس کا پہلا اجلاس 28 دسمبر 1919ء کو پنجاب کے مشہور شہر امرتسر میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی کی صدارت میں ہوا۔

خلافت کانفرنس دہلی میں نومبر 1919ء میں منعقد ہوئی، جس کی کاروائیوں سے فارغ ہونے کے بعد کانفرنس میں شریک علماء کی ایک مجلس مشاورت مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے صدارت میں منعقد ہوئی، جس میں یہ فیصلہ ہوا کہ علماء کرام کی ایک مستقل تنظیم بنائی جائے، تاکہ وہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مسلمانوں کی رہنمائی کے ساتھ جنگ آزادی سے متعلق کوششیں جاری رکھ سکے۔

اس مشورہ میں 25 علماء کرام نے شرکت کی تھی۔ جو مندرجہ ذیل ہیں۔

مولانا عبدالباری فرنگی محلی۔ مولانا انیس۔ پیر محمد امام سندھی۔ مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی۔ مولانا قدیم بخش بدایونی۔ مولانا خدا بخش مظفر پوری۔ مولانا محمد اکرم۔ مولانا سید داؤد۔ مولانا سلامت اللہ۔ مولانا اسد اللہ سندھی۔ مولانا خواجہ غلام نظام الدین بدایونی۔ مولانا حافظ سعید دہلوی۔ مولانا تاج محمد۔ مولانا مولا بخش امرتسری۔ مولانا میزان الزماں۔ مولانا سید اسماعیل۔ مولانا آزاد بخش۔ مولانا ابوالوفا ثنا اللہ۔ مولانا سید محمد فاخر۔ مولانا کفایت اللہ۔ مولانا سید کمال الدین۔ مولانا محمد ابراہیم دربھنگہ۔ مولانا عبدالحکیم گیاوی۔ مولانا صادق کراچی۔ اور مولانا عبداللہ۔

مولانا ابوالوفا ثناء اللہ کی تحریک اور مولانا منیر الزماں و دیگر حاضرین کی تائید سے مولانا عبدالباری فرنگی محلی جلسے کے صدر مقرر ہوئے تمام حاضرین جلسہ نے بالاتفاق منظور کیا کہ ایک جمعیت قائم کی جائے، جس کا نام (جمعیت علمائے ہند) رکھا جائے، جو تمام ہندوستان میں کام کرے اور ہر گوشۂ ملک میں اس کے ارکان اور شاخیں ہوں اور مسلمانوں کے فلاح و بہبود کے ذرائع وسائل پر غور کر کے سچی مذہبی خیر خواہی اور ہمدردی کے ساتھ ان کی رہنمائی کرے۔ چنانچہ اسی وقت تمام حاضرین نے جمعیت کی رکنیت منظور کر لی اور اس طرح جمعیت علماء ہند قائم ہو گئی۔

اور اس کے عارضی صدر مولانا کفایت اللہ کو بنایا گیا جبکہ ناظم کے عہدے پر مولانا احمد سعید دہلوی صاحب منتخب ہوئے اس تنظیم کی پہلی باقاعدہ نشست نومبر 1920ء میں دہلی میں ہوئی، جس میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب کو صدر اور مفتی کفایت اللہ

صاحب کو نائب صدر اور مولانا احمد سعید صاحب کو ناظم بنایا گیا۔ شیخ الہند کے انتقال کے بعد چھ ستمبر 1921ء کو مجلس منتظمہ کے جلسے میں تیسرے اجلاس کے انعقاد تک مفتی کفایت اللہ صاحب کو صدر اور نائب کے عہدے پر خدمت انجام دیتے رہے رہنے کے لیے مامور کیا گیا، جبکہ یہ مجلس لکھنؤ میں منعقد ہوئی تھی۔ پھر جمعیت علماء ہند کے مسند صدارت پر سات جون 1960ء تک حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب ہی مامور رہے جو تقریباً 20 سال کے عرصے پر محیط ہے۔

1.2.1 اصول وضوابط

جمعیت کے ابتدائی اصول اور آئین کفایت اللہ دہلوی نے مرتب کئے تھے۔ چنانچہ جمعیت کے امر تسر میں منعقدہ اجلاس عام میں طے پایا تھا کہ ان کو شائع کر کے علماء کی ایک جماعت کے آرا جمع کر کے اس پر اگلے اجلاس میں دوبارہ بحث کی جائے۔

محمود حسن دیوبندی کے زیر صدارت دہلی میں منعقد جمعیت کے دوسرے اجلاس میں اصول وضوابط کی توثیق کی گئی، اور یہ بات طے پائی کہ اس تنظیم کو "جمعیت علماء ہند" کہا جائے گا، اس کا صدر دفتر دہلی میں ہو گا اور اس کی مہر پر الجماعت المرکزیہ العلماء الہند (علمائے ہند کی مرکزی کونسل) لکھا ہوا ہو گا، اس کا مقصد کسی بھی بیرونی یا اجنبی خطرے سے اسلام کا دفاع اور سیاست میں اسلامی اصولوں کے ذریعہ عام لوگوں کی رہنمائی ہو گی۔

1.3 ترک موالات اور جمعیت علماہند

خلافت کانفرنس کا انعقاد 9 جون 1920ء میں الہ آباد کے سرزمین پر ہوا، جس میں متفقہ طور پر ترک موالات کا اصول منظور کیا گیا اور ایک کمیٹی بنائی گئی، جس کے ذمہ یہ کام دیا گیا کہ وہ ترک موالات کے اصول اور پروگرام واضح طور پر مرتب کریں، چنانچہ 22 جون 1920ء کو مسلمانوں نے وائسرائے کو پیغام بھیجا کہ اگر یکم اگست 1920ء تک ترکوں کی شکایات رفع نہیں ہوتی تو تحریک عدم تعاون شروع کر دیا جائے گا۔

30 جون 1920ء کو دوبارہ خلافت کمیٹی کا جلسہ الہ آباد میں منعقد ہوا اور یہ فیصلہ ہوا کہ ایک مہینہ کی نوٹس دے کر ترک موالات کا پروگرام شروع کر دیا جائے۔

یکم اگست کو نوٹس دے دیا گیا اور 31 اگست 1920ء کو تحریک عدم تعاون شروع ہوا، مسلمانوں کے جوش وخروش کا یہ عالم تھا کہ سر پر کفر باندھ کر میدان جہاد میں اتر آئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب انڈین نیشنل کانگرس بھی اتنی آگے تک نہیں پہنچی تھی اور نہ ہی اتنی گرم سیاست کے بارے میں وہ سوچ سکتی تھی، مسلمانوں کی جرأتمندانہ اقدام کو دیکھ کر کانگرس نے کلکتہ کے اجلاس میں نان کو آپریشن کی تجویز منظور کی۔ نومبر 1920ء میں شیخ الہند کے مشورے سے ترک موالات کو فتوی کی شکل میں مرتب کر کے ملک کے 473 معتبر علماء کرام کے دستخطوں سے شائع کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

1.4 جمعیۃ کی اجلاس اور اس کے مقاصد

1.4.1 دوسرا اجلاس

نومبر 1920ء میں جمعیۃ علماء ہند کا دوسرا سالانہ اجلاس دہلی میں منعقد ہوا، اس جلسے میں ترک موالات کے حکم شرعی ہونے کا فیصلہ کیا گیا، نیز حکومت برطانیہ سے کسی بھی طرح کے تعاون کو حرام قرار دیا گیا۔ یہ جلسہ شیخ الہند کی زیر صدارت ہوا جس میں عام مشاہیر علماء کے علاوہ بنگال، سندھ کی سرحدوں سے تقریبا500 علماء شریک ہوئے اور یہ فیصلہ بھی ہوا کہ اس فتوی کو شائع کر دینا چاہیے، جس میں کہا گیا ہے کہ انگریز حکومت کی معاونت کرنا، ملازم رہنا، ملازمت کرانا، فوج میں بھرتی ہونا، بھرتی کرنا سب حرام ہے۔ ترک موالات کی تجویز اور برطانوی حکومت کے ساتھ نصرت کے تمام تعلقات و معاملات کی حرمت کے ساتھ حسب ذیل امور بھی واجب العمل ہوں گے۔

- برطانوی حکومت کے ذریعہ ملے ہوئے خطابات اور عہدے چھوڑے جائیں۔
- کونسلوں کی ممبری سے دستبرداری کا اعلان کیا جائے، نیز امیدواروں کے لیے رائے بھی نہ دی جائے۔
- دین اسلام اور مسلمانوں سے بغض و نفرت رکھنے والوں کو تجارتی نفع نہ پہنچایا جائے۔
- غیر سرکاری اسکولوں اور کالجوں میں سرکاری امداد نہ قبول کی جائے اور سرکاری اداروں سے تعلق قائم نہ کیا جائے۔
- دین سے دشمنی کرنے والوں کی فوج میں ملازمت نہ کی جائے اور نہ ہی کسی قسم کی فوجی امداد پہنچائی جائے۔
- انگریزوں کے ذریعہ چلائے جانے والے عدالتوں میں مقدمات نہ لے جائیں اور نہ ہی وکیل کسی مقدمے کی پیروی کریں۔

مذکورہ بالا تجاویز ناظم جمعیۃ علماء ہند مولانا احمد سعید صاحب نے پیش کی تھی جس کی تائید مولانا مرتضی چاندپوری، مولانا محمد داؤد غزنوی، مولانا عبدالحلیم صدیقی لکھنو اور مولانا ثناءاللہ امرتسری نے کی۔

1.4.2 تیسرا اجلاس

مولانا ابوالکلام آزاد کے زیر صدارت جمعیۃ علماء ہند کا تیسرا سالانہ اجلاس 18 تا20 نومبر 1921ء میں لاہور میں منعقد ہوا، جس میں جمعیۃ نے اپنے سابقہ موقف کی وضاحت کی اور اعادہ کیا اور ایک تجویز کے ذریعہ اپنے سابق فیصلوں کی توثیق کی۔

فیصلہ یہ تھا کہ "یہ اجلاس اعلان کرتا ہے کہ گورنمنٹ نے مولانا شوکت علی، مولانا حسین احمد مدنی، پیر غلام مجدد، ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور مولانا نثار احمد کو خلافت کانفرنس کی 10 جولائی 1921 کی جس تجویز کی بنا پر گرفتار کیا ہے وہ اسلام کی تعلیم اور مسلم احکام میں سے ہے، جو1300 برسوں سے موجود ہیں اس کا ہمیشہ سے اعلان ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہیگا، مسلمان اس سے باز نہیں رہ سکتے"۔

اجلاس میں جو دوسری تجویز منظور کی گئی وہ جمیعت علماء ہند کے موقف کی مزید توضیح تھی جس میں کہا گیا تھا کہ انگریزوں کی فوج اور پولیس کی ملازمت کا حرام ہونا صرف اسی بات پر مبنی نہیں کہ فعلاً مسلمانوں کا قتل بھی اس وقت درپیش ہے، بلکہ مسلم حکومتوں اور آبادیوں

کے قتل یا حقوق کی پامالی کے لیے فوج اور پولس استعمال میں لائے جاتے ہیں۔

1.4.3 چوتھا اجلاس

9۔10 فروری 1922ء کو دہلی میں مفتی کفایت اللہ صاحب صدر جمیعت علما کے زیر صدارت جو جلسہ منعقد ہوا اس میں بھی یہ مقصد کار فرما تھے کہ انگریز حکومت کے خلاف پورے ملک میں ایک ذہنی و فکری انقلاب کس طرح پیدا کیا جائے، چنانچہ اسی جلسہ میں یہ روز لیشن پاس کیا گیا

''یہ اجلاس اعلان کرتا ہے کہ انفرادی سول نافرمانی احکام شریعت کی رو سے جائز ہے، ایسے احکام جو کسی جابر حکومت کی طرف سے مذہبی یا قومی آزادی کے خلاف جاری کیے جائیں ان کو مذہبی وقار اور خود داری قائم رکھنے کے لیے نہ ماننا مستحسن ہے، وہی اجتماعی نافرمانی وعدم شروع کی قید کے ساتھ ملک کے موجودہ حالات کے لحاظ سے ہو سکتا ہے یہ جمیعۃ علماء کے زیر غور ہے''

یہ تجویز حقیقت میں اس فتنہ کے جواب میں پاس کی گئی تھی جو حکومت کے چند پالتوں مولویوں نے اٹھایا تھا کہ ستہ گرہ یا سول نافرمانی کی تحریک شرعی نقطہ نگاہ سے جائز نہیں ہے، تا کہ جمیعت علماء ہند اور خلافت تحریک کے ساتھ کانگرس کی اس تحریک کو کمزور کیا جائے۔

1.4.4 ستیہ گرہ اور جمیعۃ علماء

1922 میں تحریک خلافت کی سرگرمیاں شباب پر تھیں، ہندوؤں اور مسلمانوں میں مثالی اتحاد تھا اس لیے سول نافرمانی کی تحریک شدت اختیار کرتی جارہی تھی، جس طرح علی برادران اور جمیعت علماء ہند کے رہنما، ''تحریک خلافت'' کے روح رواں تھے، اسی طرح گاندھی جی ''تحریک سول نافرمانی'' کی قیادت کر رہے تھے، دونوں تحریکیں ساتھ ساتھ چل رہی تھیں، کیونکہ دونوں کا نشانہ برطانوی سامراج تھا، خلافت تحریک سے سیاسی بیداری عام ہوتی جارہی تھی اور عوام اپنی طاقت پہچاننے لگے تھے، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے تحریک سول نافرمانی میں بڑھ چڑھ کے حصہ لیا۔ انگریزی حکومت سے نفرت اتنی شدید ہو چکی تھی کہ ملک میں ہر طرف شورش برپا تھی، بائیکاٹ اور عدم تعاون نے جس طرح عدالتوں کا بائیکاٹ کیا تھا اسی طرح پولیس اور انتظامیہ سے بھی نفرت اور غصہ عام ہوتا جارہا تھا، لوگ ایسا محسوس کرنے لگے تھے کہ انگریز ہندوستان میں کچھ ہی دنوں کا مہمان ہے اور اس کا نظام درہم برہم ہو کر رہے گا یہی وجہ تھی کہ سول نافرمانی اور عدم تعاون کی تحریک طوفان کی شکل اختیار کرتی جا رہی تھی۔

1.4.5 جمیعت علماء ہند کا نیا انتخاب

15 جنوری 1925 کو مولانا سید سلیمان ندوی کی صدارت میں جمیعت علماء ہند کا نیا انتخاب عمل میں آیا جسمیں مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب جمیعت علماء ہند کے صدر اور مولانا مرتضی حسن چاند پوری اور مولانا نثار احمد خان پوری نائب صدر کے عہدے پر فائز ہوئے جبکہ مولانا

احمد سعید صاحب سحبان الہند ناظم اعلیٰ منتخب ہوئے۔

ان کے علاوہ ورکنگ کمیٹی کے لیے مولانا شبیر احمد عثمانی۔ مولانا ابو المحاسن محمد سجاد بہاری۔ ڈاکٹر سیف الدین امر تسری۔ مسیح الملک حکیم اجمل خان دہلی۔ مولانا حبیب الرحمن عثمانی۔ شیخ الاسلام سید حسین احمد مدنی۔ مولانا سید سلیمان ندوی۔ مولانا سید انور شاہ کشمیری۔ مولانا حسرت موہانی۔ مولانا ابوالکلام آزاد۔ مولانا ظفر علی خان زمیندار لاہور۔ مولانا عبد الحلیم صدیقی۔ مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی۔ مولانا ثناء اللہ امر تسری۔ مولانا داؤد وغزنوی منتخب ہوئے۔

انہیں دنوں حکومت نے ایک حکمنامہ یہ جاری کیا کہ جو شخص حج بیت اللہ کے لئے جانا چاہے اس پر ضروری ہے کہ واپسی کا ٹکٹ بھی اس کے ساتھ ہو، جمعیۃ علماء ہند نے 26 جنوری 1925ء میں ایک جلسہ منعقد کیا اور اس میں مذکورہ حکم نامہ کی نہ صرف مخالفت کی بلکہ یہ کہا کہ مداخلت فی الدین ہے، اس کی اس وقت تک مخالفت کی جائے گی جب تک کہ حکومت اس قانون کو واپس نہ لے لے۔

1.4.6 "ادارہ حربیہ" جمعیۃ کا فعال ادارہ

1930ء میں جمعیت علماء ہند نے تحریک آزادی میں کانگرس سے تعاون کی تجویز کو منظور کر لیا تھا، چنانچہ 1932ء میں کانگرس نے دوبارہ سول نافرمانی تحریک شروع کی تو جمعیۃ علماء ہند کانگریس کا ساتھ اپنے پلیٹ فارم سے دے رہی تھی، جس کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ جمعیۃ کے رضاکار ہفتہ میں دو دن جتھوں کی شکل میں بھیجے جاتے جو بر سر عام قانوں کی خلاف ورزی کرتے اور گرفتار ہوتے۔ پورے ملک میں سول نافرمانی اور خلاف ورزی قانون کے اس پروگرام کو چلانے کے لیے ایک مستقل نظام کی ضرورت تھی کانگرس نے اس مقصد کے لیے ایک جنگی کونسل قائم کر رکھی تھی، جو سارے پروگرام کو چلاتی تھی اسی طرح جمعیۃ علماء ہند نے بھی ادارہ حربیہ کے نام سے ایک جنگی کونسل بنائی تھی، چنانچہ جمعیت علماء ہند نے اس زمانے میں مجلس عامہ، صدر اور سکریٹری وغیرہ کے عہدے اور ذمہ داریاں ختم کر کے ڈکٹیٹر شپ قائم کر دی تھی جو یہ نظام چلاتا تھا اور جب وہ گرفتار ہو جاتا تو اپنے جانشین ڈکٹیٹر کا اعلان کر دیتا تھا، ایسے تمام حضرات کی فہرست خفیہ طور پر تیار ہوتی تھی اور ان کی تربیت بھی علیحدہ ہوتی تھی۔ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب جمعیت کے پہلے ڈکٹیٹر تھے اور وہ جب گرفتار ہوئے تو مولانا حسین احمد مدنی دوسرے ڈکٹیٹر مقرر ہوئے اور ان کی گرفتاری کے بعد تیسرے ڈکٹیٹر مولانا احمد سعید دہلوی مقرر ہوئے تھے مگر وہ قبل ازوقت ہی گرفتار ہو گئے۔

اس جنگی کونسل کے ذمہ دار اعلیٰ مولانا ابو المحاسن محمد سجاد تھے، جمعیۃ علماء ہند کے دفتر واقع بلی ماران ہی کے قریب تنگ گلی میں ایک مکان اس کونسل کے لیے کرائے پر لیا گیا جس میں مولانا ابو المحاسن محمد سجاد قیام پذیر تھے، جس کا علم صرف قاضی اکرام الحق صاحب کو تھا۔ جس کسی کو جنگی کونسل کی ذمہ داران اعلی سے ملنا ہوتا قاضی صاحب ان کو اس مکان تک پہنچادیتے۔ باہر فیلڈ میں کام کرنے، لوگوں کو رضاکاروں میں بھرتی کرنے، سول نافرمانی میں شریک ہونے کے لیے تیار کرنے کی ذمہ داری مولانا حفظ الرحمن صاحب کی تھی، آپ جنگی کونسل کے کمانڈر تھے، آپ کا کام یہ ہوتا تھا کہ ملک میں گھوم پھر کر تحریک کا جائزہ لیں اور اس نظام کو کامیاب بنائیں اور لوگوں کو آمادہ کریں کہ وہ رضاکاروں کی فہرست میں اپنا نام درج کرائیں، اس ذمہ داری کو پورا کرتے ہوئے کچھ ہی دن گزرے تھے کہ آپ کو بھی گرفتار کر لیا

گیا۔ اس تحریک کے نویں ڈکٹیٹر مولانا سید محمد میاں صاحب تھے، جنہیں جامع مسجد دہلی میں تقریر کے بعد گرفتار کیا گیا اور چاندنی چوک کوتوالی میں قید کر دیا گیا۔

1.4.7 1942ء کی انقلابی تحریک اور جمعیۃ کا موقف

1942ء میں تمام تر کوششوں کی بنیاد پر جو نتیجے آنے تھے وہ آئینہ کی طرح صاف نظر آرہے تھے، تمام جماعتوں کا ایک ہی نعرہ تھا کہ ہمیں ملک آزاد چاہیے چنانچہ برطانوی حکومت نے آزادی کا مطالبہ کرنے والی جماعتوں سے بات کرنے کے لیے سر اسٹیفورڈ کرپس کو بھیجا ابھی وہ ہندوستانی لیڈروں سے گفتگو بھی نہیں کر پائے تھے کہ جمعیۃ نے 20۔21۔22۔مارچ 1942ء کو اپنے سالانہ اجلاس میں تجویز منظور کر لی۔

"ہندوستان کی آزادی سے متعلق سر اسٹیفورڈ کرپس برطانوی حکومت کا کوئی بھی نظریہ لائے ہیں، معلوم نہیں وہ نظریہ کیا ہے؟ اس لیے اس کے متعلق اظہار کا موقع نہیں تاہم یہ امر بھی یقینی ہے کہ برطانوی حکومت نے اس کام کا بہترین وقت اپنی ناعاقبت اندیشی اور مغرورانہ بے پرواہی کی وجہ سے ضائع کر دیا ہے پھر بھی اس نازک حالات میں ہندوستانیوں کے فرائض بہت اہم ہیں۔ جمعیت علماء ہند مسلمانان ہند اور مسلم جماعتوں پر زور دیتی ہے کہ اس وقت تمام مسلم جماعتیں اور ادارے اشتراک عمل سے کام لیں اور پورے غور و فکر کے بعد کسی متحدہ فیصلے پر سب متفق ہوں، ظاہر ہے کہ آزادی کی کسی گفتگو کے موقع پر ہندوستان کے تمام مسلمانوں کا فیصلہ وہی ہونا چاہیے جو بلا استثناء تمام مسلمانوں کے لیے مفید ہو اگر مسلم جماعتوں کے مختلف نظریات سامنے آئے تو خطرہ ہے کہ ہم آزادی کی راہ میں کوئی بہتر رول نہ ادا کر سکیں گے اور آزادی ہمارے لیے غلامی سے بدتر ہو جائے"

جمعیۃ نے اپنے موقف کا اعلان کیا کہ اس کا نصب العین مکمل آزادی ہے، اس میں تمام مسلمانان ہند متفق ہیں اور اسی کو ذریعہ نجات سمجھتے ہیں اور یہ بھی واضح کر دیا کہ وطنی آزادی میں مسلمان آزاد ہوں گے، ان کا مذہب آزاد ہو گا، مسلم کلچر اور تہذیب و ثقافت آزاد ہو گی وہ کسی ایسے آئین کو ہرگز قبول نہ کریں گے جس کی بنیاد ایسی آزادی پر نہ رکھی گئی ہو۔

1.4.8 ما قبل آزادی جمعیۃ کے دو حصے

46-1945 کے فیصلہ کن انتخابات میں مسلم لیگ کے حامی علماء نے ایک علیحدہ جماعت جمعیت علماء اسلام بنالی، تاکہ کانگریس سے اشتراک عمل کرنے والی جماعت سے نمبرد آزما ہو سکیں، یہ جماعت 26 تا 29 اکتوبر 1945 میں کلکتہ کے ایک بڑے اجلاس میں وجود میں آئی، مولانا شبیر عثمانی جنہوں نے پہلے سے ہی جمعیت علماء ہند سے علیحدگی اختیار کر رکھی تھی، انہیں جمعیۃ علماء اسلام کا صدر منتخب کیا گیا۔

1.5 جمیعت علماء ہند کے اغراض اور تعمیری پروگرام

1.5.1 اغراض و مقاصد

- اسلام، شعائر اسلام اور مسلمانوں کے ماثر و معابد کی حفاظت۔
- مسلمانوں کے مذہبی، تعلیمی، تمدنی اور شہری حقوق کی تحصیل و حفاظت۔
- ایسے اداروں کا قیام جو مسلمانوں کی تعلیمی، تہذیبی اور معاشرتی زندگی کی ترقی و استحکام کا ذریعہ ہوں۔
- اسلامی تعلیمات کی روشنی میں انڈین یونین کے مختلف فرقوں کے درمیان میل جول پیدا کرنا اور اس کو مضبوط کرنے کی کوشش کرنا۔
- علوم عربیہ و اسلامیہ کا احیا اور زمانہ حال کے مقتضیات کے مطابق نظام تعلیم کا اجرا۔
- تعلیمات اسلامی کی نشر و اشاعت۔
- اسلامی اوقاف کی تنظیم و حفاظت۔

ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے ہندوستان میں جہاں کہیں کوئی پروگرام چل رہا ہے، اس کی حوصلہ افزائی کرنے اور جہاں جہاں ضرورت ہے، وہاں اجتماعی جدوجہد کے لیے کارکنان اور دردمندان ملت کو آواز دینے اور ان کی صلاحیتوں کو ہندوستان کے مختلف طبقات کی خدمت، تنظیم اور ترقی کے لیے جمیعت علماء ہند نے مئی 1972 کے اجلاس عام میں یہ تعمیری پروگرام مرتب کیے تھے۔

1.5.2 تعمیری پروگرام

1. **سماجی حلقے:**

- مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے لوگوں کا مشترکہ اجتماع۔
- نادار طلبہ کو تعلیمی وظائف دینے کا انتظام کرنا۔
- شہری ضروریات کے لیے قوم و ملت کی خدمت کرنا۔
- پسماندہ لوگوں کی خدمت کرنا۔
- یتیم، بیواؤں، مجبور لوگوں اور غریب لڑکیوں کی شادی میں مدد کرنا۔
- فضول رسم و رواج اور اسراف بے جا کی اصلاح کے لیے اجتماعی جدوجہد کرنا۔

2. اقتصادی حلقے

- مسلم فنڈ یا امدادی فنڈ قائم کرنا اور اسے چلانا۔
- کوآپریٹو سوسائٹی کے ذریعے کاروبار وغیرہ کو فروغ دینا۔
- گھریلو دستکاریوں اور چھوٹی صنعتوں کو رواج دینا۔

3. دینی حلقے

- سیرت یا اخلاق یا تاریخ اسلام وغیرہ موضوعات پر اجتماع کرنا۔
- ترجمہ قرآن اور درس حدیث کا اہتمام کرنا اور رواج دینا۔
- مذہبی لٹریچر تیار کرنا اور اس کی نشرواشاعت کا انتظام کرنا۔

4. دارالمطالعہ

- مذہبی اخلاقی اور اصلاحی وعلمی رسالے اور کتابیں چھپوانا۔
- ماحول کے مطابق اصلاحی مقالے مرتب کرانا اور مباحثے کا انتظام کرنا نیز اجتماعی مطالعہ کو مقبول بنانا۔

1.5.3 جمیعۃ علماء ہند کی دو شاخیں

2006ء میں سید اسعد مدنی کے بعد مولانا ارشد مدنی جمیعۃ علماء ہند کے صدر منتخب ہوئے، تاہم 2008ء میں کچھ نا اتفاقی حالات کی وجہ سے یہ تنظیم دو حصوں میں منقسم ہو گئی، ایک جمیعۃ علماء ہند (الف) جو مولانا ارشد مدنی کے زیر صدارت کام کر رہی ہے، اور دوسری جمیعۃ علماء ہند (میم) جو مولانا محمود مدنی کے زیر نگرانی چل رہی ہے۔

صدور کی فہرست

- کفایت اللہ دہلوی نومبر 1920 سے 12 جولائی 1940
- حسین احمد مدنی 13 جولائی 1940 سے پانچ دسمبر 1957
- احمد سعید دہلوی دسمبر 1957 سے چار دسمبر 1959
- سید فخر الدین احمد دسمبر 1959 سے پانچ اپریل 1973
- اسعد مدنی 11 اگست 1973 سے چھ فروری 2006

- ارشد مدنی سات فروری 2006 میں صدر منتخب ہوئے تا حال۔ (جمیعۃ (م) کے صدر ہیں)

1.6 جمیعۃ علماء ہند کے تحت چلائے جانے والے شعبہ

جمیعت علماہند ہندوستان کے اکثر صوبوں میں اپنی ریاستی تنظیمیں قائم کرتی ہے، جو بہت ہی متحرک اور فعال ہوتی ہے، جن کا تعلق مرکزی دفتر نئی دہلی سے براہ راست ہوتا ہے، اسی لیے مرکز ہمہ وقت پورے ملک کے قومی وملی مسائل سے باخبر رہنے کے ساتھ ریاست کے بنیادی مسائل سے واقف ہوتا ہے جو ان علاقوں میں خصوصیت کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔ بہت سے قومی وملی مسائل جن کا تعلق براہ راست مرکزی دفتر سے ہے، جہاں پر ان کاموں کے لیے الگ الگ ذیلی دفاتر ہیں اور ان شعبوں سے متعلق ذمہ داران اس نظام کو باقاعدگی سے چلاتے ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں۔

- امارت شریعہ
- ادارہ مباحث فقہیہ
- شعبہ اصلاح معاشرہ
- اجراء مکاتب دینیہ
- ریلیف فنڈ
- دینی تعلیمی بورڈ
- جمیعت یوتھ کلب
- حلال ٹرسٹ
- جمیعت اوپن اسکول
- لیگل سیل انسٹیٹیوٹ

1. امارت شریعہ

جمیعت علماء ہند کے تحت چلنے والے شعبوں میں یہ ایک متحرک شعبہ ہے جسے 1986ء میں جمیعۃ علماہند نے قائم کر کے امیر الہند کا انتخاب کیا تھا، جس کے پہلے امیر الہند حضرت مولانا ابوالماثر حبیب الرحمن اعظمی نور اللہ مرقدہ تھے، ان کی وفات کے بعد مئی 1992 کو اس جلیل القدر منصب پر حضرت مولانا سید اسعد مدنی، صدر جمیعت علماء ہند کا انتخاب کیا گیا تھا۔ 2006 میں سید اسعد مدنی کی وفات کے بعد مولانا مرغوب الرحمٰن کو امارت شریعہ کا تیسرا "امیر الہند" بنایا گیا، آپ کے انتقال کے بعد 2010 میں اس عہدہ خلیلہ کے لیے باتفاق دانشوران قوم وملت حضرت مولانا قاری عثمان منصورپوری کا انتخاب عمل میں آیا آپ نے اس عہدے پر رہتے ہوئے اس کے کام کو مزید تقویت بخشی اور اسے اپنے فعال و متحرک شخصیت کے ذریعہ کار آمد بنائے رکھا۔ آپ کے اس دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد 2021 میں امارت شرعیہ

ہند کی میٹنگ میں مولانا سید ارشد مدنی صاحب کا نام امیر الہند کے لیے پیش کیا گیا جس پر دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولانا ابوالقاسم نعمانی نے تائید کی اور حاضرین مجلس نے متفقہ طور پر اس تجویز کو منظوری دی اور اس طرح امیر الہند خامس کے طور پر آپ کا انتخاب ہوا۔

2. ادارہ مباحث فقہیہ

1970ء میں ادارہ مباحث فقہیہ کا قیام مولانا محمد میاں صاحب کے زیر نگرانی ہوا جس میں دور جدید میں پیدا ہونے والے ایسے مسائل پر بحث و تحقیق کر کے شرعی حکم متعین کیا جاتا ہے جن مسائل کا قدیم فقہ کی کتابوں میں صراحتاً ذکر نہیں ہے۔ جدید ترین اور عصر حاضر کے پیدا کردہ مسائل پر اس شعبہ نے متعدد سیمینار کیے ہیں۔ چنانچہ 1985ء میں منعقدہ "علماء کانفرنس" بھی اس سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ صدر جمیعت علماء ہند مولانا سید اسعد مدنی کی مسلسل تحریک پر 1990ء میں مجلس عاملہ نے اپنی تجویز کے ذریعہ اس ادارے کی نشاط ثانیہ کی اور جدید مسائل میں اجتماعی غور و فکر کا سلسلہ باقاعدہ طور پر دوبارہ شروع کیا گیا، چنانچہ 8۔9 فروری 1991ء میں ایک سہ روزہ فقہی اجتماع بعنوان "غیر سودی رفاہی ادارے اور سوسائٹیاں،، شیخ الہند ہال دیوبند میں منعقد کیا گیا۔ اسی طرح ایک اور فقہی اجتماع 28۔29 نومبر 1991 کو "اسلامی نظام قضا اور ہندوستان" کے عنوان سے دیوبند کے وسیع و عریض ہال شیخ الہند نے میں منعقد کیا گیا۔ نیز "شیر ز اور ایکسپورٹ،، جیسے دوسرے مسائل پر فتوی اور عمل، غیر اسلامی ممالک میں عقود فاسدہ، کے اہم موضوعات پر فقہی اجتماعات و سیمینار کی کاروائی اور رپورٹوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ اہل علم اور اہل فتوی نے ان میں بڑی دلچسپی سے حصہ لیا اور اپنی قیمتی مقالات پیش کیے ایسے اجتہادی موضوعات پر مجتہدین کی آراء سے استفادے کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

3. شعبہ اصلاح معاشرہ

مسلم معاشرہ کو مغربی معاشرہ سے پاک وصاف رکھنے کے لیے اور معاشرتی اصلاح پر بھرپور توجہ دینے کے لیے جمعیت علماء ہند نے اصلاح معاشرہ کو اپنا ترجیحی ایجنڈ ابنایا چنانچہ 25-26 جنوری 1991 کو مسلمانوں کی معاشی و معاشرتی ابتری پر سنجیدگی سے غور کرنے کے لیے ایک قرارداد منظور کی گئی، جس کا عنوان تھا "معاشرتی اصلاح اور معاشی جدوجہد" اس سلسلے میں 21 اپریل 1991 کو چند عملی اقدام کا فیصلہ کیا گیا جو مندجہ ذیل ہے۔

- حکومت کی فلاحی و ترقیاتی اسکیموں سے مسلمانوں کو باخبر کرنے کے لیے ریاستی، وضلعی سطحوں پر جمیعت علماء ہند کی طرف سے اطلاعاتی مراکز قائم کیے جائیں اور علاقائی زبان میں ان اسکیمات کا ترجمہ کیا جائے اور لوگوں کو ان سے باخبر کیا جائے۔
- معاشرے کی خرابیوں کے خلاف کام کرنے کے لیے اصلاحی کمیٹی تشکیل دی جائیں جن کے تحت ماہانہ اجتماعات منعقد ہوں جن میں عوام و سماج کے ذمہ دار افراد کو شرکت کی دعوت دی جائے۔
- نئی نسل کی اصلاح اور بہتری کے لیے خصوصی جدوجہد کی جائے اور اس کی اہمیت پر خاص زور دیا جائے۔

- ممتاز علماء کرام، دانشوران قوم، مدارس کے اساتذہ اور ائمہ مساجد کو اس مہم میں شریک کرکے اس اصلاحی پروگرام کو ملک گیر پیمانے پر عام کیا جائے۔

اس اصلاح معاشرے سے منسلک لوگوں کی کثیر تعداد جن علاقوں سے تعلق رکھتی ہے وہ ہریانہ، پنجاب، ہماچل پردیش، راجستھان، آندھرا پردیش، تیلنگانہ، تملناڈو، مدھ پردیش، مہاراشٹر، کرناٹک، مغربی بنگال، اتر پردیش وغیرہ ہیں، جہاں پر شعبہ اصلاح معاشرہ کے مرکزی دفتر کی جانب سے علماء کے وفود پہنچتے ہیں اور غلط رسوم ورواج کی نشاندہی کرکے ان سے بچنے کی تاکید کرتے ہیں۔

4. اجراء مکاتب دینیہ

مابعد آزادی سیاسی و سماجی دباؤ کی وجہ سے ان پڑھ دیہاتی مسلمانوں نے دین کو ترک کر دیا تھا ان کو از سر نو اسلام میں لاکر ان کی ابتدائی دینی تعلیم کے لیے مکاتب کا اجرا جمیعت علماء ہند کا ایک مثالی اور اہم ترین کارنامہ ہے۔

5. جمیعت یوتھ کلب

جمیعت علماء ہند کی جانب سے قائم کردہ ایک ادارہ "جمیعت یوتھ کلب" بھی ہے۔ جو جولائی 2018 میں قائم کیا گیا جس کا مقصد نوجوانوں کو مختلف دفاعی ٹکنیکوں کی تربیت فراہم کرنا ہے، اس پلیٹ فارم سے جمیعت ہر سال تقریبا1.25 ملین نوجوان کو تربیت دینے کی امید رکھتی ہے۔

اس تنظیم میں شمولیت کے لیے کچھ شرائط ہیں جن میں نمایاں شرائط یہ ہے کہ وہ فرد مسلمان ہو، عاقل بالغ ہو، نیز جمیعت کے مقاصد اور طریقہ کار سے پورا اتفاق رکھتا ہو، نیز شمولیت حاصل کرنے والوں کو اولاً بھارت اسکاؤٹ اینڈ گائیڈ کی ٹریننگ دی جاتی ہے، بعد ازاں جمیعت یوتھ کلب میں شامل کیا جاتا ہے، اور پھر اس میں سے منتخب افراد کو خدام ملت کا ممبر بنایا جاتا ہے اور یہی افراد جمیعت کے اصل خادم اور والنٹیر قرار پاتے ہیں۔

یوتھ کلب کا 10 سالہ طویل منصوبہ یہ ہے کہ 2028 تک سوا کروڑ نوجوانوں کو اس سے جوڑا جائے گا جس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر سال تقریبا12 لاکھ پچاس ہزار افراد کو ممبر بنایا جائے گا، تاحال یہ مشن جاری ہے اور اس تنظیم سے جڑے بچے اور بچیوں نے ٹریننگ حاصل کرتے ہوئے کئی مقابلوں میں حصہ لے کر انعامات کا نہ صرف حصول کیا بلکہ پوری دنیا میں ملک کا نام روشن کر رہے ہیں۔

6. دینی تعلیمی بورڈ

ہندوستان کی آزادی کے بعد جن مسائل سے مسلمانوں کو دوچار ہونا پڑ رہا تھا ان میں ایک سیکولر تعلیم بھی تھی، حکومت نے اعلان کر دیا تھا کہ وہ کسی کے بھی مذہبی تعلیم کی ذمہ دار نہیں ہے، چنانچہ جمیعت علماہند نے 1954ء میں ممبئی کے اندر ایک دینی تعلیمی کانفرنس منعقد کرکے طے کیا کہ ہمیں اپنے مذہبی تعلیم کا خود انتظام کرنا چاہیے، چنانچہ جمیعت نے دینی تعلیمی اداروں کے قیام اور ان کے نصاب تعلیم کی تیاری کے لیے ایک دینی تعلیمی بورڈ بھی تشکیل دیا۔ بورڈ نے ایک طرف پوری سرگرمی کے ساتھ مکاتب کی تحریک شروع کی اور دوسری

طرف ان کے لیے ایک ایسا نصاب تیار کیا جو پرائمری سطح تک دین و دنیا کے تعلیم پر مشتمل ہے۔

7. حلال ٹرسٹ

جمیعت علما ہند کا ایک معروف شعبہ حلال ٹرسٹ بھی ہے، جو 2009 میں قائم کیا گیا اس ادارے کو "اسلامی ترقیات ملائشیا،، نے 2011 میں گوشت اور گوشت سے بنی مصنوعات اور سلاٹر ہاؤس کو حلال سرٹیفیکیٹ جاری کرنے کے لیے ایک قابل اعتماد اور مستند ادارے کے طور پر تسلیم کیا تھا۔ اس ادارے کے چند مقاصد درج ذیل ہیں۔

- صحت بخش کھانوں کو ترویج دینا اور نقصان دہ مادوں کے استعمال کی آمیزش کی نگرانی کرنا۔
- تمام جاندار مخلوق کے حقوق کے تحفظ کو یقینی بنانا نیز جانوروں کو ظالمانہ سلوک سے بچانا۔
- اس ادارے کا مقصد شرعی طور پر مباح اور صحت بخش غذا کی ترویج ہے۔
- حلال کھانوں اور جانوروں کی مصنوعات اور ان کے مشمولات کی تحقیق کرنے کے بعد ملک اور بیرون ملک کے لیے حلال سرٹیفیکیٹ جاری کرنا۔
- ایسے افراد کو تیار کرنا جو ٹرسٹ کے اصول و ضوابط کے مطابق مصنوعات کی جانچ پرکھ کر سکیں۔
- پوری دنیا میں حلال مصنوعات کے درآمد اور استعمال کو فروغ دینا۔

8. لیگل سیل انسٹی ٹیوٹ

جمیعت علماء ہند لیگل سیل انسٹی ٹیوٹ کو 2007 میں قائم کیا جس کے ذریعہ وہ دہشت گردی یا دیگر الزامات میں بے قصور مسلمانوں کو قانونی لڑائی لڑنے میں مدد فراہم کرنا ہے۔

9. جمیعت اوپن اسکول

فروری 2021 میں اس ادارے کا قیام عمل میں آیا، یہ ادارہ طلبہ کو تربیت یافتہ عملہ فراہم کرتا ہے جس کے ذریعہ وہ "نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اوپن اسکولنگ" NIOS کے تحت پیش کردہ مضامین پڑھا کر مدارس کے طلبہ کو دسویں اور بارویں کا امتحان دلاتا ہے۔ یہ اسکول طلباء کو اعلی معیار اور عصری تعلیم فراہم کرنے کے لیے قائم کیا گیا ہے، اس لیے کہ ہزاروں طلبہ ہر سال مدارس دینیہ سے فارغ ہوتے ہیں، مگر اکثر میں عصری علوم کی کمی رہتی ہے، انہیں عصری علوم فراہم کرنا نیز پیشہ وارانہ کورسز جیسے بی ٹیک، ایم ٹیک، میڈیکل اور انجینئرنگ کے طلبہ کو وظائف فراہم کرنا بھی ہے۔

1.7 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- دارالعلوم دیوبند کے قیام کے بعد باقاعدہ طور پر علماء کرام کی ایک جماعت نے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم کو چھوڑ کر ایک علیحدہ جماعت بنائی، جس میں ہر مکتب فکر کے علماء شامل تھے، جن کا مقصد تھا کہ برطانوی حکومت کے خلاف نہ صرف اپنی قوم کو ابھارا جائے بلکہ اس کوشش میں شامل تحریکات کا بھی ساتھ دیا جائے۔
- نومبر 1919 میں خلافت کانفرنس کا انعقاد دہلی میں ہوا، جس میں شریک علماء کرام نے ایک مجلس مشاورت دہلی میں منعقد کی اسی وقت یہ بات طے پائی کہ جمیعت علماء ہند کو قائم کیا جائے، چنانچہ 19 نومبر 1919 میں یہ تحریک وجود میں آئی۔
- جمیعت علماء ہند کے قیام کا مقصد یہ تھا کہ ہندوستان میں برطانوی حکومت کے خلاف عدم تشدد کی جدوجہد جاری رکھی جائے اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مسلمانوں کی رہنمائی بھی کی جائے۔
- 8 ستمبر 1920 کو جمیعت نے ایک مذہبی اعلامیہ جاری کیا، جسے فتوی ترک موالات کہا جاتا ہے، جس کے ذریعہ برطانوی سامان کا بائیکاٹ کیا گیا تھا، یہ فتوی ابوالمحاسن محمد سجاد نے دیا تھا، جس پر تقریباً 500 علماء کرام کے دستخط تھے۔
- 1922 میں گاندھی جی کی قیادت میں چلنے والی سول نافرمانی تحریک میں جمیعت علماء ہند نے بھی حصہ لیا اور ملک میں انگریزوں کے ذریعہ چلایا جارہے عدالتوں کا بائیکاٹ کیا اور فوج و پولیس اور انتظامیہ سے نفرت کا اظہار کیا۔
- 1930 میں جمیعت علماء ہند نے کانگرس کے تعاون کے لیے ایک ادارہ "ادارہ حربیہ"، کے نام سے قائم کیا جس کا کام یہ تھا کہ ہفتے میں دو دن اس ادارے کے رضاکار کانگرس کے ساتھ جتھوں کی شکل میں بر سر عام قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے گرفتار ہوتے تھے، یہ ادارہ ڈکٹیٹر شپ کے تحت بڑے رازدارانہ طور پر چلایا جارہا تھا۔
- جمیعت علماء ہند نے 1942 میں پورے شدت کے ساتھ تمام جماعتوں کے ساتھ مل کر یہ نعرہ لگایا تھا کہ ہمیں حکومت برطانیہ کے قاصد سے گفتگو نہیں کرنی ہے، بلکہ ہمیں اپنا ملک مکمل طور پر آزاد چاہیے۔
- جمیت کے اغراض و مقصد کے ساتھ اس کے تحت چلنے والے اداروں امارت شرعیہ، ادارہ مباحث فقہیہ، شعبہ اصلاح معاشرہ، اجراء مکاتب دینیہ، جمیعت یوتھ کلب، دینی تعلیمی بورڈ، ریلیف فنڈ، حلال ٹرسٹ، لیگل سیل انسٹی ٹیوٹ، جمیعت اوپین اسکول وغیرہ سے متعلق معلومات اور خدمات سے واقفیت حاصل ہوگی۔

1.8 نمونہ امتحانی سوالات

1.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. جمیعت علماء ہند کا قیام کس سن میں ہوا

(a).1909 (b).1919 (c).1929 (d).1920

2. جمیعت علماء ہند کا پہلا اجلاس کس شہر میں منعقد ہوا

(a).دہلی (b).امرتسر (c).دیوبند (d).غازی آباد

3. جمیعت علماء ہند کے پہلے جلسے کی صدارت کس نے کی؟

(a).عبدالباری فرنگی محلی (b).مولانا ارشد مدنی (c).مولانا حسین احمد مدنی (d).سب غلط

4. جمیعت علماء ہند کے ابتدائی اصول کس نے مرتب کیے

(a).مولانا عبدالباری فرنگی محلی (b).مولانا کفایت اللہ (c).مولانا محمود الحسن (d).مولانا تاج محمد

5. فتویٰ ترک موالات کس نے دیا تھا؟

(a).مولانا عبدالمحاسن محمد سجاد (b).مولانا محمود الحسن (c).مولانا محمد قاسم نانوتو (d).تینوں نے

6. جمیعت علماء ہند کے پہلے صدر کون تھے؟

(a).مولانا محمود حسن (b).مفتی کفایت اللہ (c).مولانا اسد مدنی (d).مولانا حفظ الرحمن

7. جمیعت علماء ہند کا تیسرا سالانہ اجلاس کس سن میں ہوا؟

(a).1919 (b).1920 (c).1921 (d).1922

8. ستیہ گرہ تحریک میں جمیعت علماء ہند شریک ہوئی تھی؟

(a).ہاں (b).نہیں (c).کچھ لوگ شامل ہوئے تھے (d).سب غلط

9. ادارہ حربیہ کس سن میں قائم کیا گیا؟

(a).1925 (b).1935 (c).1945 (d).1930

10. جمیعت یوتھ کلب کب قائم ہوا؟

(a).2016 (b).1916 (c).2018 (d).2014

1.8.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. جمیعت علماہند کے اصول وضوابط مختصراً نوٹ فرمائیں۔
2. جمیعت علماہند کے قیام کے اسباب بیان کریں۔
3. جمیعت یوتھ کلب پر مختصر نوٹ لکھیں۔
4. تحریک ترک موالات میں جمیعت علماہند کی شمولیت کو واضح کریں۔
5. جمیعت علماء ہند کے پروگرام کو مختصرا تحریر کریں۔

1.8.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. جمیعت علماء ہند کے اجلاس کے مقاصد مفصل تحریر کریں۔
2. ادارہ حربیہ کے قیام اور مقاصد پر نوٹ تحریر کریں۔
3. جمیعت علماء ہند کے تحت چلنے والے اداروں کا تعارف کرائیں۔

1.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. جمیعت علماء ہند: اول، دوم، : پروین روزینہ
2. تاریخ جمیعت علماء ہند : اسیر ادروی
3. جمیعت علماء پر ایک تاریخی تبصرہ : حفظ الرحمن واصف دہلوی
4. جمیعت علماء نمبر ہفت روزہ الجمیعیۃ 27 اکتوبر 1955 : محمد سالم جامی۔

اکائی 2: تبلیغی جماعت

اکائی کے اجزا:

2.0 تمہید

2.1 مقاصد

2.2 بانی تبلیغی جماعت: ذاتی احوال اور تبلیغی جماعت کا آغاز

2.2.1 تبلیغی گشتوں کا آغاز

2.2.2 تبلیغی اجتماعات اور جلسے

2.2.3 وفات بانی جماعت

2.3 تبلیغی جماعت کے مقاصد

2.4 تبلیغی جماعت کے چھ اصول

2.4.1 کلمہ طیبہ

2.4.2 نماز

2.4.3 علم وذکر:

2.4.4 اکرام مسلم:

2.4.5 تصحیح نیت:

2.4.6 تبلیغ:

2.5 تبلیغی جماعت کے امیر

2.5.1 مولانا محمد یوسف کاندھلوی (امیر ثانی)

2.5.2 مولانا محمد انعام الحسن کاندھلوی (امیر ثالث)

2.5.3 مولانا محمد اظہار الحسن، مولانا محمد زبیر الحسن، مولانا محمد سعد

2.6 اکتسابی نتائج

2.7 نمونہ امتحانی سوالات
2.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
2.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات
2.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات
2.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

2.0 تمہید

ہندوستان اور عالمی سطح پر جو تحریکات اٹھی ہیں، ان کے خصوصی پس منظر رہے ہیں۔ ہندوستان میں آغاز ہونے والی تحریک 'تبلیغی جماعت' کا بھی ایک خاص پس منظر تھا۔ اس کے پیش نظر یہ بات تھی کہ مسلمانوں کے اندر اسلامی تعلیمات سے متعلق بیداری لائی جائے اور انہیں کتاب وسنت سے جوڑا جائے۔ اس تحریک کا آغاز دہلی اور میوات کے علاقے میں ہوا۔ اس وقت ان علاقوں میں زیادہ بے دینی تھی۔ اس کی تفصیل آپ انشاءاللہ آئندہ صفحات میں پڑھیں گے۔

2.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد مسلمانوں کی ایک اہم تحریک 'تبلیغی جماعت' سے متعلق معلومات فراہم کرنا ہے۔ اس اکائی کے پیش نظر طلبہ کو تبلیغی جماعت کے آغاز وارتقاء سے آگاہ کرانا ہے۔ تبلیغی جماعت کے امیروں کے احوال اور تبلیغی خدمات پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالنا، اس کے کام کرنے کے اصولوں اور مقاصد سے انہیں واقف کرانا اس اکائی کے اہم مقاصد میں شامل ہیں۔

2.2 بانی تبلیغی جماعت: ذاتی احوال اور تبلیغی جماعت کا آغاز

تبلیغی جماعت کے بانی مولانا محمد الیاس بن محمد اسماعیل ہیں۔ مولانا محمد الیاس صاحب کی پیدائش 1303ھ کاندھلہ، صوبہ اترپردیش میں ہوئی اور آپ کا تاریخی نام اختر الیاس رکھا گیا۔ قرآن مجید کا حفظ اور عربی وفارسی کی ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے والد صاحب سے، نیز نانہال کاندھلہ میں حکیم محمد ابراہیم سے حاصل کی۔ پھر 1314ھ کے اختتام یا 1315ھ کے آغاز میں اپنے بڑے بھائی مولانا محمد یحییٰ کے ساتھ مولانا رشید احمد گنگوہی کی خدمت میں گنگوہ تشریف لے گئے، اور آگے کی تعلیم وہاں جاری رکھی۔ 1323ھ میں مولانا گنگوہی کے انتقال کے بعد اپنے بڑے بھائی کی صحبت میں رہے، اور علماء وبزرگان نیز مولانا گنگوہی کے خلفاء سے تربیت وسلوک اور فیض حاصل کرتے رہے۔ بعد ازاں مولانا خلیل احمد سہارنپوری سے آپ نے راہ سلوک کی منزلیں طے کیں۔ 1326ھ میں آپ شیخ الہند مولانا محمود حسن کے درس حدیث میں شریک ہونے کے لئے دیوبند تشریف لے گئے۔ پھر بعد میں اپنے بڑے بھائی مولانا محمد یحییٰ سے بھی حدیث کا دورہ کیا۔

شوال 1328ھ میں مظاہر العلوم سہارنپور میں خدمت تدریس سے وابستہ ہو گئے، جہاں آپ نے متوسط کتابوں کی تدریس انجام دی۔ 6/ذی قعدہ 1330ھ مطابق 17/اکتوبر 1912ء کو اپنے حقیقی ماموں مولانا رؤف الحسن کی صاحبزادی سے آپ کا نکاح ہوا۔ 25/ربیع الاول 1336ھ کو آپ کے سب سے بڑے بھائی مولانا محمد کا انتقال ہو گیا، جو دہلی میں والد صاحب کے قائم کردہ مدرسہ میں خدمات انجام دے رہے تھے۔ میوات اور دہلی کے لوگ ان سے خصوصیت کے ساتھ مستفید ہوتے تھے۔ آپ ان کی تعلیم و تدریس کے ساتھ تربیت و سلوک کی مجلسیں بھی منعقد کرتے تھے۔ ان کے انتقال کے بعد مولانا محمد الیاس صاحب مظاہر العلوم سے دہلی منتقل ہو گئے اور وہیں اپنا کام جاری رکھا۔

اہل میوات کے ساتھ تعلق اور ان کی اصلاح کا کام آپ کے والد صاحب کے زمانہ سے ہی جاری تھا۔ والد صاحب مولانا محمد اسماعیل کے دہلی میں مدرسہ قائم کرنے سے پہلے ہی یہ سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ مدرسہ قائم ہو جانے کے بعد والد صاحب اور آپ کے بڑے بھائی مولانا محمد کا طریقہ کار لوگوں کی اصلاح و تربیت کے سلسلہ میں یہ رہا کہ اپنے مدرسہ میں میوات کے بچوں کو رکھ کر ان کی خوب اچھی تعلیم و تربیت کرتے پھر انہیں ان کے علاقوں میں بھیج دیتے تھے، جہاں وہ لوگوں کی اصلاح و تربیت کا کام انجام دیتے تھے۔ لیکن جب مولانا محمد الیاس ان کی جگہ دہلی آئے تو انہیں اہل میوات کی اصلاح کے لئے والد صاحب اور بڑے بھائی کا یہ عمل کافی نہ لگا۔ انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ میوات میں بھی مدارس اور مکاتب قائم کئے جائیں، تاکہ اصلاح و تبدیلی کی رفتار تیز ہو۔

اس وقت اہل میوات میں دینی جہالت اس قدر تھی کہ ان کے گھروں میں غیر مسلموں کے معبودان (مورتیاں) رکھے ہوتے تھے، وہ غیروں کے ساتھ ان کے مذہبی تہواروں میں شریک ہوتے تھے، حتیٰ کہ ان کے بچوں کے نام بھی غیر مسلموں کے نام پر ہوتے تھے، انہیں نماز، روزہ تو درکنار بسا اوقات کلمہ طیبہ کا بھی پتا نہیں ہوتا تھا۔ لوٹ مار اور ڈاکہ زنی کے وہ عادی تھے۔

ان کی اس صورت حال پر مولانا محمد الیاس کا یہ قوی احساس تھا کہ اگر اس علاقہ میں دینی تعلیم کی اشاعت کی گئی تو وہاں کی جہالت اور بے دینی دور ہو جائے گی۔ چنانچہ انہوں نے دہلی میں والد صاحب کے ذریعہ قائم کردہ مدرسہ کے علاوہ میوات کے علاقہ میں بھی مدارس اور مکاتب قائم کرنے کا منصوبہ بنایا۔ لیکن یہ ایک دشوار گزار عمل تھا، کیونکہ اہل میوات کے نزدیک کاشت کاری اور گلہ بانی سے بڑھ کر کوئی منفعت بخش اور اہم کام نہ تھا، لہٰذا وہ کسی بھی طرح اس بات کے لئے رضامند نہ ہوتے تھے کہ ان کے بچے ان کاموں کو چھوڑ کر کسی دوسرے کام میں مصروف ہوں۔ لیکن مولانا الیاس کی مسلسل کوششوں اور انتھک محنتوں سے ان کا منصوبہ کامیاب ہوا، اور ابتداءاً ایک مکتب قائم کر لیا گیا۔ پھر چند ہی دنوں میں دس مکاتب ان کی نگرانی میں قائم ہو گئے۔ اس کے بعد بہت مختصر مدت میں بڑی تعداد میں مکاتب قائم ہو گئے اور لوگوں کی اصلاح اور دینی تعلیم کی مہم تیز تر ہو گئی۔

لیکن پھر جلد ہی انہیں اس بات کا بھی احساس ہو گیا کہ ان مکاتب سے جو طلباء فارغ ہو رہے ہیں ان کی خاطر خواہ اصلاح اور دینی تربیت نہیں ہو پا رہی ہے۔ اس نتیجہ کی مختلف وجوہات تھیں۔ بڑی وجہ یہ تھی کہ طلباء کے گھر اور محلہ والوں کے نزدیک دین کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی، اور نہ ہی اسے حاصل کرنے کا کوئی شوق و جذبہ تھا۔ چنانچہ طلباء کو گھروں میں دینی تعلیم کے حصول پر کسی قسم کا شوق نہیں دلایا

جاتا تھا۔ وہ فارغ ہو کر آتے تھے تو ان کے علمی مقام کی بنیاد پر نہ ہی ان کی کوئی عزت ہوتی تھی اور نہ ہی ان کی باتوں کی کوئی وقعت تھی۔ یہی وجہ تھی کہ فراغت کے بعد جب وہ اپنے خاندان اور محلہ میں جاتے تھے تو وہ انہی کے رنگ میں رنگ جاتے تھے۔

2.2.1 تبلیغی گشتوں کا آغاز

چنانچہ مولانا نے مدارس و مکاتب کے ساتھ لوگوں کی اصلاح و تربیت کی یہ تدبیر اختیار کی کہ تبلیغی گشت نکالی جائیں، جو لوگوں کے پاس جا جا کر دین کی باتیں بتائیں۔ ان تبلیغی گشتوں کا آغاز 1345ھ مطابق 1926ء میں ہوا۔ لیکن چونکہ لوگ اس طریقہ دعوت و تبلیغ سے نا آشنا تھے، اس لئے جب مبلغین گشت میں ان سے ملتے اور اسلام کے اصول و ارکان بیان کرتے تو انہیں بڑی حیرانی اور تعجب ہوتا تھا، جس کی وجہ سے مبلغین کو بھی اپنی باتیں پیش کرتے ہوئے کچھ پس و پیش ہوتی تھی۔ لیکن پھر جلد ہی قصبہ نوح میں ایک اجتماع ہوا۔ اس اجتماع میں اس علاقے کے بالخصوص میوات کے سربر آوردہ لوگ شریک تھے۔ مولانا نے ان سے مفصل طور پر اپنا طریقہ دعوت بیان فرمایا اور ان سے مطالبہ کیا کہ جماعتیں بنا کر گاؤں اور قصبوں میں گشت کی جائے اور لوگوں کے سامنے اسلام کی بنیادی تعلیمات پیش کی جائیں۔ لوگوں نے آپ کے اس طریقہ دعوت کو پسند تو کیا لیکن آپ کے مطالبہ کو پورا کرنے میں قدرے سستی برتی۔ تقریباً ایک مہینہ کے بعد جماعت تیار ہوئی اور وہ گاؤں بھی طے ہو گیا جہاں جماعت جانی تھی۔ یہ جماعت ایک ہفتہ کے دورہ پر تھی۔ یہ طے کر دیا گیا تھا کہ یہ جماعت اختتام پر جمعہ 'سوہنے' گاؤں، ضلع گوڑ گانوہ میں پڑھے گی۔ اس موقع پر مولانا بھی جمعہ میں موجود تھے۔ وہاں دوبارہ جماعت تیار ہوئی، جو دورہ کرتے ہوئے آئندہ جمعہ تاوڑو پہنچی۔ پھر جماعتیں بنتی گئیں اور میوات کے مختلف علاقوں میں ان کی گشتیں ہوتی رہیں اور اسلام کی بنیادی تعلیمات لوگوں کے سامنے پیش کی جاتی رہیں۔ (سید ابوالحسن علی ندوی، حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت، ص 91-92)

اب تک ان گشتوں کا سلسلہ میوات کے پانچ کوس کے دائرہ میں جاری تھا۔ ان گشتوں سے اگرچہ میوات کے لوگ دینی تعلیمات سے آگاہ ہو رہے تھے، لیکن مولانا کی نظروں میں ان گشتوں سے وہ فائدے حاصل نہیں ہو رہے تھے جن کی آپ توقع رکھتے تھے۔ چنانچہ محرم 1352ھ مطابق اپریل 1933ء سے آپ نے میوات کے کاشتکاروں کو میوات سے باہر دینی مراکز بھیجنے کا فیصلہ کیا، تاکہ وہ اپنے مشاغل سے مکمل طور پر فارغ ہو کر جماعت کی شکل میں نکلیں، اور جو کچھ اب تک سیکھتے رہے ہیں ان کا آپس میں مذاکرہ کریں اور ان پر پابندی کے ساتھ عمل پیرا ہونے کی کوشش کریں۔ اس کے علاوہ دینی مراکز میں اللہ کے نیک اور دیندار بندوں کی زندگیوں اور نشست و برخاست کا قریب سے مشاہدہ کریں، قرآن پڑھیں، مسائل و فضائل معلوم کریں اور ان کے مطابق اپنی زندگی ڈھالنے کی کوشش کریں۔ چنانچہ اس مقصد کے ساتھ میوات کے لوگوں پر مشتمل پہلی جماعت کاندھلہ بھیجی گئی جو خود مولانا محمد الیاس کا وطن تھا، اور علماء کی بڑی تعداد وہاں آباد تھی۔ دوسری جماعت رائے پور (سہارنپور) بھیجی گئی، جو ایک روحانی مرکز تھا، اور جہاں شاہ عبد الرحیم رائے پوریؒ کے جانشین مولانا عبد القادرؒ کی خانقاہ قائم تھی۔

اس کے بعد جماعتیں نکلنے کا سلسلہ چلتا رہا، اور آہستہ آہستہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ میوات کے جن لوگوں کو پانچ کوس کی جماعت میں نکلنا دشوار ہوتا تھا، وہ ملک کے کونے کونے تک اسلامی تعلیمات کی تبلیغ و اشاعت کے لئے جماعتوں اور چلوں میں نکلنے لگے، ایک ایک گھر

سے ایک ہی وقت میں کئی کئی افراد چلوں میں نکلتے تھے۔ مولانا سید محمد ثانی حسنی ان کے تبدیلیٔ احوال کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''چند ہی سال میں میوات کے وسیع علاقہ میں دین اور دینداری کی ایسی اشاعت ہوئی اور اس تاریک خطہ میں ایسی روشنی پھیلی جس کی مثال دور دور نہیں ملتی۔ میواتی جو خود دین سے نا آشنا اور نابلد تھے، دوسرے شہروں اور دور دراز علاقوں میں اپنی سادگی کے ساتھ دین کی اشاعت کا کام کرنے لگے۔ جہاں میلوں اور کوسوں تک مسجد نظر نہیں آتی تھی وہاں گاؤں گاؤں مسجدیں بننے لگیں۔ جہاں دور دور تک کوئی قرآن پڑھنے والا نہ تھا، اب وہاں ایک گھر میں کئی کئی حافظ ایک ایک گاؤں میں کئی کئی عالم ہونے لگے۔ ہندووانہ وضع ولباس سے نفرت پیدا ہونے لگی، اسلامی وشرعی لباس کی وقعت دلوں میں پیدا ہوگئی، شادیوں کے مشرکانہ رسوم کا خاتمہ ہونے لگا۔ جرائم، فسادات اور بد اخلاقیوں کا تناسب کم ہوگیا۔''(سید محمد ثانی حسنی، سوانح حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی.154-155)

اور مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی تحریر فرماتے ہیں:

> ''بعض علاقوں میں گاؤں کے گاؤں ایسے ہیں جہاں ایک بچہ بھی آپ کو بے نمازی نہ ملے گا۔ دیہات کی وہ مسجدیں جہاں یہ لوگ اپنے مویشی باندھتے تھے، آج وہاں پانچوں وقت اذان اور جماعت ہوتی ہے۔ آپ کسی راہ چلتے دیہاتی کو روک کر اس کا امتحان لیں۔ وہ آپ کو صحیح تلفظ کے ساتھ کلمہ سنائے گا۔ اسلام کی تعلیم کا سیدھا سادھا لب لباب، جو ایک بدوی کو معلوم ہونا چاہیے، آپ کے سامنے بیان کرے گا اور آپ کو بتائے گا کہ اسلام کے ارکان کیا ہیں۔ اب آپ وہاں کسی مسلمان مرد عورت یا بچہ کو ہندوانہ لباس میں نہ پائیں گے، نہ اس کے جسم کو بے ستر دیکھیں گے، نہ اس کے گھر کو، نہ اس کے لباس کو نجاستوں میں آلودہ پائیں گے۔ ان کی عادات وخصائل اور ان کے اخلاق میں بھی اس مذہبی تعلیم وتبلیغ کی وجہ سے نمایاں فرق ہوگیا ہے۔ اب وہ متمدن اور مہذب طرز زندگی کی طرف پلٹ رہے ہیں۔ جرائم میں حیرت انگیز کمی ہوگئی ہے۔ لڑائیاں، فسادات اور مقدمات بہت کم ہوگئے ہیں۔ ان کا علاقہ اب ایک پر امن علاقہ ہے جس کا اعتراف خود وہاں کے حکام کر رہے ہیں۔''(سید ابو الاعلیٰ مودودی،''احیاء دین کی جدوجہد کا صحیح طریقہ اور ایک قابل تقلید نمونہ۔ ص23-24)

چونکہ دہلی مرکز رہی ہے، وہاں بستی نظام الدین کی جامع مسجد میں ہر جمعہ کی رات کو اور ہر مہینہ کے آخری چہار شنبہ کو مولانا کا روح پرور اور مؤثر خطاب ہوتا تھا، جس سے بڑی تعداد میں لوگ متاثر ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ ملک کے مختلف حصوں سے آنے والے لوگوں سے مولانا کی ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں۔ ان کی اکثریت مولانا سے متاثر تھی، بلکہ اکثر وبیشتر مولانا کے طریقہ دعوت وتبلیغ پر کام کرنے کے لئے آمادہ ہوتے تھے۔ اس طرح یہ دعوتی وتبلیغی مہم بڑے پیمانے پر پورے ملک میں پھیلی۔ دہلی کی بڑی شخصیتوں میں ڈاکٹر ذاکر حسین خان کا نام خصوصی طور پر قابل ذکر ہے۔ وہ مولانا سے بڑے متاثر تھے۔ ملک کے بڑے بڑے تعلیمی ادارے خصوصاً دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، مظاہر العلوم سہارنپور، دار العلوم دیوبند وغیرہ کا بھی آپ کے ساتھ تعلق رہا ہے۔ وہاں کے فضلاء اور طلباء آپ کے طریقہ دعوت پر اپنے اپنے علاقوں میں اسلام کا پیغام اور بنیادی اسلامی اصول وارکان کو عام کرتے رہے ہیں۔

2.2.2 تبلیغی اجتماعات اور جلسے

اکثر ایسا ہوتا تھا کہ مہینہ میں ایک مرتبہ میوات میں کسی جگہ اور سال میں نوح کے مدرسہ میں ایک تبلیغی جلسہ ہوا کرتا تھا۔ ان جلسوں کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو اسلام کی بنیادی تعلیمات اور اس کے اصول وارکان سے واقف کرایا جائے، اور زیادہ سے زیادہ تعداد میں لوگ تبلیغی جماعتوں میں نکلنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ دراصل ان اجتماعات اور جلسوں میں جس قدر زیادہ لوگ تبلیغی جماعتوں میں جانے کے لئے تیار ہوتے تھے اسی قدر انہیں کامیاب اجتماع اور جلسہ مانا جاتا تھا۔ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ تحریر کرتے ہیں:

> ''ان جلسوں میں تقریریں اور مواعظ بالکل ضمنی تھے، اصل مقصود اور اصل کوشش نئی جماعتیں بنانے اور ان کو باہر نکالنے کی ہوا کرتی تھی، اور یہی جلسہ کی کامیابی کا معیار تھا کہ کتنی جماعتیں اپنے علاقے سے باہر جانے اور یوپی کے گشت کے لئے آمادہ ہوئیں، اور کتنے آدمیوں نے کتنا وقت دیا؟''۔(ندوی، حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت، 140)

اسی نوعیت کا ایک جلسہ 8، 9، 10 ذی قعدہ 1360ھ مطابق 28، 29، 30 نومبر 1941ء میں قصبہ نوح میں ہوا تھا۔ یہ اجتماع اپنی نوعیت کا بڑا اہم اجتماع تھا۔ اس میں شرکاء کی تعداد کا اندازہ 25 ہزار لگایا گیا ہے۔ اس کی اہمیت اس اعتبار سے قابل قدر ہے کہ اس میں گاؤں اور قصبوں کے کاشتکار، تاجر، مدارس کے علماء وفضلاء، کالجز کے طلباء اور عصری علوم کے حاملین نے بڑی تعداد میں شرکت کی تھی، اور انہوں نے باہم مل کر کام کرنے کا عزم کیا تھا۔ یہاں سے جماعتیں بنابنا کر مختلف علاقوں میں پھیل گئے تھے اور اسلام کے پیغام کو لوگوں تک پہنچانے میں بھرپور کوششیں کی تھیں۔ جس کے بعد سے تبلیغی جماعت کے چرچے ہر چہار جانب ہونے لگے تھے۔

1356ھ میں آپ حج کے لئے تشریف لے گئے۔ وہاں بھی آپ نے اپنے رفقاء اور احباب کے ساتھ لوگوں میں تبلیغی مشن کو جاری رکھا۔ مختلف مواقع پر آپ نے عوام سے خطابات کئے، لوگ کافی متاثر ہوئے، اور اس طرز پر کام کرنے کے لئے آمادہ ہوئے۔ آپ نے مکۃ المکرمہ کے سلطان سے بھی ملاقات کی، ان کے سامنے اپنی بات پیش کی انہوں نے تحسین فرمائی اور حوصلہ افزائی کی۔ اس کے علاوہ مدینہ منورہ کے امیر، اور مختلف دیگر امراء وحکام، تجار اور پیشہ وروں سے بھی ملاقاتیں ہوتی رہیں، سبھوں نے اس کام کی تائید و تحسین کی، اور اپنے علاقوں میں اس طرز پر کام کرنے کا یقین دلایا۔

2.2.3 وفات بانی جماعت

مولانا محمد الیاس شروع ہی سے کافی کمزور تھے۔ پھر جب تبلیغی مہم کا آغاز ہوا تو اسی میں دن رات لگے رہے، اسی کی فکر ہر وقت دامن گیر رہتی، جس کی وجہ سے آپ کی صحت مزید خراب ہوتی چلی گئی۔ آخری عمر میں آپ کو پیچش کی شکایت ہوگئی تھی، جس سے کمزوری اس قدر بڑھی کہ آپ صاحب فراش ہوگئے۔ دو آدمیوں کے سہارے سے نماز کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ بالآخر مرکز حضرت نظام الدین میں 11/رجب 1363ھ مطابق 1/جولائی 1944ء کو آپ مالک حقیقی سے جاملے۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

2.3 تبلیغی جماعت کے مقاصد

ہندوستان میں جو تحریکات اٹھیں، ان کے مقاصد مختلف تھے۔ تبلیغی جماعت کا آغاز جس خاص پس منظر میں ہوا اس کا ابتدائی مقصد یہ تھا کہ جو لوگ دین سے بالکل ناواقف ہیں، اسلام کی بنیادی تعلیمات اور اس کے عقائد و نظریات سے بے بہرہ ہیں، انہیں کسی طرح ان تعلیمات سے نہ صرف آگاہ کر دیا جائے بلکہ ان کے دلوں میں ان پر عمل پیرا ہونے کا داعیہ پیدا کر دیا جائے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے انہوں نے مساجد کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ جماعتوں کی شکل میں دوسرے علاقوں کے اسفار اور گشتوں کے پیش نظر بھی یہی مقصد تھا کہ وہ اپنی تجارت وزراعت اور دیگر مصروفیتوں سے کچھ وقت اپنے لئے فارغ کریں اور ایک خاص فضا میں رہیں، اور جو کچھ پہلے سیکھتے رہے ہیں ان کا اپنے ساتھیوں کے ساتھ مذاکرہ کریں اور ان پر عمل پیرا ہو جانے کی کوشش کریں، عبادات واذکار میں وقت گذاریں، اور تربیت یافتہ ہو کر گھر واپس جائیں۔ پھر اسی مقصد کے ساتھ ان کی ابتدائی جماعتیں ایسے مقامات کی جانب روانہ ہوئیں جو علماء، صلحاء اور دینداروں کے مراکز تھے، تاکہ انہیں اسلامی تعلیمات کے عملی نمونوں کا مشاہدہ ہو، وہ ان کی صحبتوں میں رہیں، اور نتیجتاً ان کے دلوں میں ان تعلیمات پر عمل کا داعیہ پیدا ہو۔ اس کے ساتھ ہی ان اسفار اور گشتوں کا ایک مقصد یہ بھی ہوتا تھا کہ جماعت کے امیر کی نگرانی میں اسلام کی ان بنیادی تعلیمات کو عوام تک پہنچائیں، انہیں ان تعلیمات کے مطابق زندگی اختیار کرنے کی تلقین کریں اور انہیں مسجدوں تک لانے کی کوشش کریں۔

البتہ یہ تبلیغی جماعت کے قیام کا ابتدائی مقصد تھا، جیسا کہ عرض کیا گیا۔ اس کے قیام کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ اسلام کے پورے نظام حیات کو ساری قوم پر برپا کر دیا جائے، اور اس کے مطابق امت مسلمہ اپنی زندگی گذارے۔ تمام اوامر ونواہی اور احکام ومسائل میں محض اللہ اور اس کے رسول کے احکام کو پیش نظر رکھا جائے۔ اس جماعت کے بانی مولانا محمد الیاس نے ایک موقع پر فرمایا تھا:

> "ہماری اس تحریک کا اصل مقصد ہے مسلمانوں کو 'جمیع ما جاء به النبي ﷺ' سکھانا، (یعنی اسلام کے پورے علمی وعملی نظام سے امت کو وابستہ کر دینا) یہ تو ہے ہمارا اصل مقصد۔ رہی قافلوں کی یہ چلت پھرت اور تبلیغی گشت، سو یہ اُس مقصد کے لئے ابتدائی ذریعہ ہے، اور کلمہ ونماز کی تلقین وتعلیم گویا ہمارے پورے نصاب کی 'الف، ب، ت' ہے۔" (محمد الیاس، ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ، مرتبہ محمد منظور نعمانی (لکھنؤ، کتب خانہ الفرقان، بارششم)، 31)

پھر ایک دوسری جگہ بانی جماعت اپنے مقصد کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> "میں سچ کہتا ہوں کہ ابھی تک آلی (اصلی) کام شروع نہیں ہوا، جس دن کام شروع ہو جائے گا (یعنی زندگی کے تمام شعبوں میں پورا دین آجائے گا) تو مسلمان سات سو برس پہلے کی حالت کی طرف لوٹ جائیں گے، اور اگر کام شروع نہ ہوا بلکہ اسی حالت پر رہا، جس پر اب تک ہے اور لوگوں نے اس کو منجملہ تحریکات کے ایک تحریک سمجھ لیا ہے، اور کام کرنے والے اس راہ میں بچل گئے (یعنی جمود کا شکار ہو گئے اور اصل مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش نہ کی) تو جو فتنے صدیوں میں آتے وہ مہینوں میں آجائیں گے۔ اس لئے اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔" (محمد الیاس، ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ، 42۔)

البتہ علماء کی جماعتوں اور گشتوں کا بنیادی مقصد شروع ہی سے یہ رہا کہ وہ عوام میں جائیں اور اسلام کے بنیادی ارکان واصول سے انہیں آگاہ کریں، انہیں ان پر عمل کرنے کی ترغیب دلائیں، ان کے سامنے عملی نمونے پیش کریں اور انہیں مسجدوں سے جوڑیں۔

تبلیغی جماعت غیر مسلموں میں تبلیغ کی قائل نہیں ہے۔ ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ جب تک ہم اسلامی تعلیمات اور اسوۂ حسنہ سے خود کو آراستہ نہیں کرلیں گے، اسلام کی اشاعت نہیں ہوگی۔ پھر جب لوگ اجتماعی طور پر اسلامی تعلیمات اور اخلاق حسنہ سے خود کو مزین کرلیں گے تو نہ صرف اس سے گردوپیش کے لوگ متاثر ہوکر حلقہ بگوش اسلام ہوں گے بلکہ اس سے ہمارے دنیاوی حالات بھی بدلیں گے اور ہمارے حق میں بہتر ہوں گے۔ (عبد الباری، آزاد ہندوستان میں مسلم تنظیمیں: ایک جائزہ (نئی دہلی: انسٹی ٹیوٹ آف آبجکٹیو اسٹڈیز، 2001ء)، 141-142)

2.4 تبلیغی جماعت کے چھ اصول

تبلیغی جماعت کے پیش نظر جو مقاصد ہیں انہیں حاصل کرنے کے لئے بانی جماعت نے چھ اصول مرتب کئے ہیں۔ یہ ان کے نزدیک کتاب وسنت سے ماخوذ ہیں اور ان کا نچوڑ ہیں۔ ان اصولوں میں وہ سارے امور شامل ہیں جن پر عمل کرنے سے ایک انسان کی زندگی میں بتدریج اسلامی تعلیمات مکمل طور پر داخل ہو جاتی ہیں، اور اس راستے میں جو بھی پریشانیاں اور مشکلات پیش آتی ہیں ان سے نبرد آزما ہونے کے لئے وہ اسے تیار کر دیتی ہیں۔ اس لئے تبلیغی جماعت میں نہایت ہی سختی اور پابندی سے ان پر عمل کرایا جاتا ہے۔ بانی جماعت ان کی اہمیت کی وضاحت کرتے ہوئے ایک موقع پر فرماتے ہیں:

> ”دوستو! اس تبلیغ میں اصولوں کی پابندی نہایت ضروری ہے۔ اگر کسی اصول میں ذرا بھی کوتاہی کروگے تو خدا کا وہ عذاب جو شاید بدیر آئے فوراً ہی تمہارے سر پر آموجود ہوگا۔ اس تحریک کی تاریخ میں دو ایسے واقعات پیش آئے جب یہ تحریک ظاہراً اپنے بام ترقی پر پہنچ کر اصول کی غیر جانبداری ہی کی وجہ سے پھر نیچے گری۔ پس بھائیو! چھ اصولوں کی سختی سے پابندی کرو۔“ (ندوی، حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت، 168)

اسی طرح تبلیغی جماعت اور بانی جماعت سے دیرینہ تعلق رکھنے والے مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ ایک مقام پر تبلیغی جماعت کی مختلف خصوصیات ایثار وقربانی کا جذبہ، رضائے الٰہی کی طلب، اسلام اور مسلمانوں کا احترام، فرائض کی ادائیگی کا اہتمام، یاد الٰہی اور ذکر خداوندی کی مشغولیت وغیرہ کا تذکرہ کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

> ”جماعت کی یہ خصوصیت اور امتیاز، داعی اول کے اخلاص......... کے بعد ان اصول وضوابط کا بھی نتیجہ ہے جو شروع سے اس کے داعی اول (حضرت مولانا الیاس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ) نے اس کے لئے ضروری قرار دیئے اور جن کی ہمیشہ تلقین وتبلیغ کی گئی۔ وہ کلمہ طیبہ کے معانی وتقاضاؤں پر غور، فرائض وعبادات کے فضائل کا علم، علم وذکر کی فضیلت کا استحضار، ذکر خداوندی میں مشغولیت، اکرام مسلم اور مسلمان کے حق کی شناسائی وادائیگی، ہر عمل میں تصحیح نیت واخلاص، ترک مالایعنی، اللہ کے راستہ میں نکلنے اور سفر کرنے کے فضائل وترغیبات کا استحضار اور شوق، یہ وہ عناصر اور خصائص تھے جنہوں نے

اس دعوت کو ایک سیاسی، مادی تحریک اور استحصال فوائد، حصول جاہ و منصب کا ذریعہ بننے سے محفوظ فرما دیا اور وہ ایک خالص دینی دعوت اور حصول رضائے الٰہی کا ذریعہ رہی۔

یہ اصول و عناصر جو اس دعوت و جماعت کے لئے ضروری قرار دیئے گئے، کتاب و سنت سے ماخوذ ہیں، اور وہ رضائے الٰہی کے حصول و دین کی حفاظت کے لئے ایک پاسبان و محافظ کا درجہ رکھتے ہیں۔ ان سب کے مآخذ کتاب الٰہی اور سنت و احادیث نبوی ہیں۔"

چنانچہ ان چھ اصولوں کی اسی اہمیت اور ضرورت کے پیش نظر بانی جماعت کے صاحبزادہ اور امیر جماعت ثانی مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ نے احادیث نبویہ ﷺ پر مشتمل ایک پوری کتاب "منتخب احادیث" کے نام سے تالیف کر دی، جو تبلیغی جماعت کے انہی چھ اصولوں کے مرکزی عناوین کے تحت بیان ہوئی ہیں۔ وہ چھ اصول حسب ذیل ہیں:

2.4.1 کلمہ طیبہ

کلمہ طیبہ یعنی "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ" میں کئی باتیں مضمر ہیں۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ کلمہ طیبہ ہر ایک کو بہترین تجوید کے ساتھ یاد کرایا جائے۔ پھر کلمہ طیبہ کو محض زبانی پڑھ لینے پر اکتفاء نہ کیا جائے، بلکہ اس کا معنیٰ بھی خوب اچھی طرح سمجھ لیا جائے، کیونکہ اسی کے ذریعہ سے اس کا رابطہ دل کے ساتھ استوار ہو گا، اور دل اس کا اثر قبول کرے گا، پھر جسم دل کی آمادگی پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو گا۔ تبلیغی جماعت کے اس اصل کا مطلب یہ ہے کہ یہ تمام اسلامی عقائد پر متضمن ہے۔ لہٰذا اس کا مقصد یہ ہے کہ جب کوئی شخص اسے پڑھے تو اس کا معنیٰ و مفہوم کو سمجھتے ہوئے اللہ کی وحدانیت کے ساتھ تمام اسلامی عقائد پر ایمان لائے، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ انسان رسول خدا محمد ﷺ کی رسالت پر بھی ایمان لائے گا، جو کہ کلمہ طیبہ کا لازمی جزء ہے۔ اور آپ ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی سنتوں کو اپنی پوری زندگی میں اتارا جائے، اور اسے اپنا ضابطہ حیات بنا لیا جائے۔

2.4.2 نماز

نماز پر بطور ایک اصل تبلیغی جماعت نے اس لئے زور دیا ہے کہ اس کے اثرات انسان کی پوری زندگی پر محتوی ہیں۔ اس کے اثر سے جہاں انسان گناہ کے کام کرنے سے رک جاتا ہے (سورہ عنکبوت.45)، وہیں اللہ کے دیگر احکام کی ادائیگی کی جانب دلی آمادگی بھی پیدا ہوتی ہے۔ پھر کلمہ طیبہ کے اقرار کے بعد انسان سے جس کام کے کرنے کا مطالبہ سب سے پہلے ہے، وہ یہی نماز ہے۔ لہٰذا ایک کلمہ توحید کے مقر شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ نماز کی ہر اعتبار سے درستگی اور اصلاح کی کوشش کرے۔ ظاہری اعتبار سے بھی اور باطنی بنیادوں پر بھی۔ ظاہری اعتبار سے اپنی نماز درست کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نماز کے اندر جو چیزیں پڑھی جاتی ہیں مثلاً قرآن شریف، ثناء، تحیات، درود شریف، اور دعائے قنوت، ان کو خوب اچھی طرح درست کر لے، پھر نماز کی شرائط و ارکان کی ادائیگی مکمل طور پر تو کرے ہی، ساتھ ہی سنن و مستحبات کی بھی اپنی نمازوں میں خوب پابندی کرے۔ اور باطنی طور پر اصلاح کا مطلب یہ ہے کہ جب نماز کے لئے نمازی کھڑا ہو تو کمال خشوع و خضوع کے ساتھ اس کی ادائیگی کرے، پورے طور پر اس کی توجہ اللہ تعالیٰ کی جانب ہو، اور وہ ہر طرح کے خیالات اور تفکرات سے خالی ہو۔

2.4.3 علم و ذکر:

تبلیغی جماعت کا تیسرا اصل یہ ہے کہ حصول علم اور ذکر اللہ کے لئے صبح اور شام میں کچھ وقت فارغ کیا جائے۔ بانی جماعت نے حصول علم کے باب میں عام لوگوں کے لئے اور اہل علم کے لئے الگ الگ نصاب بتایا ہے۔ عوام کے لئے جو نصاب مقرر کیا ہے وہ ہے فضائل نماز (شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ)، فضائل قرآن (شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ)، حکایات صحابہ (شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ)، فضائل ذکر (شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ)، جزاء الاعمال (مولانا اشرف علی تھانویؒ)، اگر قرآن پڑھنا نہ جانتا ہو تو اس کی تعلیم حاصل کرنا ضروری ہے۔ پھر اگر کوئی شخص صاحب علم ہو تو اس کے لئے کتاب الاعمال، کتاب العلم والاعتقادات یا کتاب السنۃ یا کتاب الجہاد، کتاب المغازی، کتاب الفتن، کتاب الرقاق، کتاب الامر بالمعروف وغیرہ کا مطالعہ کرتے رہنا ضروری ہے۔

بانی جماعت نے عمومی ذکر کے طور پر ہر شخص کے لئے جو نصاب مقرر کیا ہے ان میں کلمہ تمجید کی ایک تسبیح صبح میں اور ایک تسبیح شام میں، اسی طرح درود و استغفار کی دو دو تسبیحات صبح و شام میں، اور قرآن کریم کی تلاوت ذکر میں شامل ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص کسی شیخ کے ہاتھوں بیعت ہو تو اس کے کہے کے مطابق ذکر کا اہتمام کرے۔

2.4.4 اکرام مسلم:

تبلیغی جماعت کی اس اصل کا تعلق حقوق العباد اور آداب و اخلاق سے ہے۔ انسان سماج میں رہتا ہے، جس کی وجہ سے لوگوں پر ایک دوسرے کے حقوق اور ذمہ داریاں ہیں۔ ان کی ادائیگی لازمی اور ضروری ہے۔ اسی طرح بڑوں کا احترام و توقیر، چھوٹوں سے شفقت و محبت کا تعلق رکھنا بھی اس ضمن میں شامل ہے۔ اس اصل کی اہمیت اس اعتبار سے بھی ہے کہ جب کوئی شخص حقوق العباد کی ادائیگی کرتا ہے، اور اچھے اخلاق و کردار کا حامل ہوتا ہے، تو اس سے دین اسلام کی اشاعت ہوتی ہے۔ پھر مستقل طور پر ان اوصاف سے متصف ہونے اور حقوق و فرائض کی ادائیگی کا حکم بھی دیا گیا ہے۔ بانی جماعت اس باب میں فرماتے ہیں:

”اس کا خلاصہ ادائیگی حقوق ہے۔ ہر شخص کے ذمہ کچھ حقوق ہیں۔ ایک عمومی: ہر شخص کے ذمہ ہر مسلم کا نفس اسلام کی وجہ سے حق ہے۔ دوم خصوصی: خصوصیت کے اعتبار سے۔ مثلاً چھوٹا ہونا، اس کے حقوق خصوصی مثلاً شفقت، بڑا ہونا اس کا اس کی توقیر ہے اور قرابت کے حقوق ہیں۔ ہر ذی حق کے حق کو ادا کرنا۔ ان حقوق کی ادائیگی کو اشاعت دین کا وسیلہ بنایا جائے۔ مقصود نہ بنایا جائے۔“ (افتخار فریدی، ارشادات و مکتوبات بانی تبلیغ حضرت مولانا شاہ الیاس، 109)

2.4.5 تصحیح نیت:

کتاب و سنت میں نیت کی درستگی کی بڑی تعلیم دی گئی ہے۔ ان تعلیمات کا حاصل یہ ہے کہ کوئی بھی دینی کام، خواہ وہ کتنا ہی بڑا ہو اگر اس میں اللہ کی رضا کی نیت نہ ہو، لوگوں کو دکھانے کے لئے یا اپنی شہرت وغیرہ کے لئے ہو تو اس بڑے کام کے ذریعہ سے آخرت میں اسے کچھ بھی حاصل نہ ہو سکے گا۔ تبلیغی جماعت میں اسے بطور ایک اصل اپنے اصول میں رکھتے ہوئے یہ تعلیم دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ وہ جو بھی نیک عمل کرتے ہیں، خواہ وہ مستقل طور پر نماز، روزے اور دیگر عبادات ہوں یا اذکار اور تسبیحات، اگر ان میں نیت خالص نہ ہوئی تو یہ

سارے نیک اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ پھر اپنے دلوں میں نیتوں کی تصحیح کرنے کے مختلف طریقے بھی بتائے گئے ہیں، مثلاً یہ نیت کی جائے کہ میں یہ کام اللہ کی رضا کے لئے کر رہا ہوں، یا جنت حاصل کرنے کے لئے، یا آخرت کے خوف سے، یا جہنم سے بچنے کے لئے، یا محض اللہ کا حکم سمجھ کر عمل کر رہا ہوں۔ یہ سب اخلاص کے دائرہ میں داخل ہیں۔ اسی طرح نیک اعمال پر اللہ اور اس کے رسول نے جو وعدے اور بشارتیں دی ہیں ان کے شوق میں، یا برے اعمال پر جو وعیدیں سنائی گئی ہیں ان سے بچنے کے لئے جو بھی عمل کئے جائیں گے وہ بھی اخلاص نیت میں شامل ہوں گے۔ مولانا محمد الیاسؒ فرماتے ہیں:

"ان سب کاموں کو محض رضائے الٰہی خداوندی کے لئے کرنا اور اپنی اصلاح کے لئے کرنا۔ نظر کا کسی غیر کی طرف نہ جانا۔ اثر و نتیجہ کی طرف بھی ملتفت نہ ہونا۔"(ایضاً۔)

2.4.6 تبلیغ:

یہ تبلیغی جماعت کی چھٹی اصل ہے۔ اس اصل کے تحت اس پر بہت زور دیا جاتا ہے کہ ہر شخص اسلامی تعلیمات اور اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچانے کے لئے اپنا کچھ وقت فارغ کرے، اور لوگوں سے ملاقاتیں کرے، جماعت کی شکل میں دوسرے علاقوں کا سفر کرے۔ ان تبلیغی اسفار اور جماعتوں کی مدّت تین دن، چالیس دن، چار ماہ اور ایک سال تک ہو سکتی ہے۔ یہ افراد اس دوران علاقے کی مسجد میں قیام کرتے ہیں۔

2.5 تبلیغی جماعت کے امیر

تبلیغی جماعت کا جب آغاز ہوا تھا تو عملی طور پر اس کے پہلے امیر مولانا محمد الیاس صاحب ہی تھے۔ ان کے تفصیلی حالات آپ اوپر پڑھ چکے ہیں۔ ان کے بعد تبلیغی جماعت کے جو دیگر امیر ہوئے ان کے حالات پر اختصار کے ساتھ ذیل میں روشنی ڈالی جا رہی ہے۔

2.5.1 مولانا محمد یوسف کاندھلوی (امیر ثانی)

آپ کی پیدائش 25/ جمادی الاولیٰ 1335ھ مطابق 20/ مارچ 1917ء کو ہوئی تھی۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ دس سال کی عمر تک قرآن کریم حفظ کر لیا تھا۔ صرف کی تقریباً ساری کتابیں والد صاحب سے پڑھیں۔ مولانا مقبول حسن گنگوہی سے فقہ پڑھی۔ 1351ھ میں مظاہر العلوم سہارنپور تشریف لے گئے اور ہدایہ و میبذی وغیرہ وہاں پڑھیں۔ محض ایک سال کے اندر ہی آپ والد صاحب کے پاس لوٹ آئے اور ان سے مشکوٰۃ و جلالین کا درس لیا۔ پھر دوبارہ 1354ھ میں مظاہر العلوم سہارنپور گئے، ابھی صحاح ستہ کا کچھ حصہ ہی پڑھا تھا کہ والد صاحب کی خرابیٔ صحت کی وجہ سے واپس ان کے پاس لوٹ آئے، اور صحاح کا بقیہ حصہ اپنے والد صاحب سے پڑھا۔ آپ کو تصنیف و تالیف سے بھی خاص شغف تھا، چنانچہ آپ نے شرح معانی الآثار (مؤلفہ امام طحاوی) کی شرح "امانی الاحبار" کے نام سے ایک جلد میں عربی زبان میں لکھی ہے، دوسری کتاب "حیاۃ الصحابہ" اردو زبان میں تین جلدوں پر مشتمل ہے، جن میں سے ہر ایک اوسطاً 850 صفحات پر محتوی ہے۔ یہ دونوں کتابیں آپ کی علمی یادگار ہیں۔

مولانا محمد یوسف جماعت کے کاموں میں شروع ہی سے والد صاحب کے ساتھ وابستہ رہے تھے۔ اس لئے انہیں جماعت کے کاموں میں والد صاحب کے طریقہ کار سے خوب آگاہی تھی، والد صاحب کی غیر موجودگی میں آپ ہی اس کی ساری سرگرمیوں کی نگرانی کرتے تھے، اور والد صاحب کے منشاء کے مطابق جماعت کے کاموں کو آگے بڑھاتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ بانی جماعت نے انتقال سے چند دنوں پہلے ہی اجازت و خلافت عطا فرمادی تھی، پھر 1363ھ / 1944ء میں جب آپ کے والد صاحب کا انتقال ہوا تو لوگوں نے اتفاق رائے سے آپ کو اپنا امیر منتخب کر لیا تھا۔ آپ اپنی وفات (1384ھ / 1965ء) تک امیر جماعت کے طور پر خدمات انجام دیتے رہے تھے۔

2.5.2 مولانا محمد انعام الحسن کاندھلوی (امیر ثالث)

آپ کی پیدائش کاندھلہ میں 18/ جمادی الاولیٰ 1336ھ مطابق 20/ فروری 1918ء کو ہوئی۔ حفظ قرآن اپنے وطن میں حافظ منگتو کی نگرانی میں کیا، پھر اپنے نانا سے بوستاں تک کی تعلیم پائی، بعد ازاں ابتدائی عربی کی تعلیم مدرسہ کاشف العلوم، نظام الدین، دہلی میں بانی جماعت مولانا محمد الیاس سے حاصل کی۔ 1351ھ میں مظاہر العلوم سہارنپور گئے۔ محض ایک سال کے اندر ہی مولانا محمد یوسف (امیر ثانی) کے ساتھ نظام الدین، دہلی لوٹ آئے اور مولانا الیاس سے مشکوٰۃ و جلالین پڑھیں۔ پھر 1354ھ میں مظاہر العلوم سہارنپور کا دوبارہ سفر ہوا، لیکن اس بار بھی صحاح ستہ کی تعلیم ادھوری رہی اور نظام الدین آکر انہیں مولانا محمد الیاس سے مکمل کیا۔

چونکہ بچپن ہی سے آپ کی رفاقت مولانا محمد یوسف کے ساتھ رہی تھی۔ تبلیغی کاموں میں بھی ان کے ساتھ تھے، اور برابر کا تجربہ بھی تھا۔ اس لئے اہل تبلیغ کے نزدیک مولانا محمد یوسف کے بعد سب سے مستند اور قابل اعتبار شخص مولانا محمد انعام الحسن ہی تھے۔ چنانچہ 1965ء میں جب مولانا محمد یوسف کی وفات ہوئی تو آپ کو امیر جماعت کے طور پر منتخب کیا گیا۔ آپ تاحیات اس منصب کی ذمہ داریاں انجام دیتے رہے۔ آپ کی وفات 10/ محرم 1416ھ مطابق 10/ جون 1995ء کو ہوئی۔

2.5.3 مولانا محمد اظہار الحسن، مولانا محمد زبیر الحسن، مولانا محمد سعد

مولانا محمد انعام الحسن کاندھلوی کی وفات سے قبل 1990ء میں ایک دس رکنی مجلس شوریٰ تشکیل دی گئی تھی جو دنیا بھر میں پھیلے تبلیغی جماعت کے کاموں کو باہمی مشورے سے انجام دیتی تھی۔ پھر جب جماعت کے تیسرے امیر مولانا انعام الحسن کا انتقال ہوا تو اسی مجلس شوریٰ نے اپنی ہی مجلس کے تین افراد پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی جو امیر جماعت کے قائم مقام ہو، اور مرکز نظام الدین کے ساتھ ہندوستان بھر میں تبلیغی جماعت کے انتظامی امور کو باہمی مشورے سے انجام دے۔ یہ کمیٹی جن تین افراد پر مشتمل تھی ان میں مولانا محمد اظہار الحسن، مولانا محمد زبیر الحسن، اور مولانا محمد سعد تھے۔ لیکن محض ایک سال کے بعد ہی 13/ اگست 1996ء کو مولانا محمد اظہار الحسن کی وفات ہو گئی۔ پھر 18/ مارچ 2014ء کو مولانا محمد زبیر الحسن کا بھی انتقال ہو گیا۔ اس دوران مجلس شوریٰ کے دیگر اراکین بھی یکے بعد دیگرے فوت ہوتے گئے۔ آخری رکن حاجی محمد عبد الوہاب کی وفات 18/ نومبر 2018ء کو ہو گئی۔ اس وقت مجلس شوریٰ کے اراکین میں سے صرف مولانا محمد سعد کاندھلوی باحیات ہیں۔

2.6 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- تبلیغی جماعت کا آغاز 1345ھ مطابق 1926ء میں میوات اور دہلی کے نواح میں ہوا تھا۔ اس کے بانی مولانا محمد الیاس کاندھلوی ہیں۔
- تبلیغی جماعت کے قیام کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ اسلام کے پورے نظام حیات کو ساری قوم پر برپا کر دیا جائے، اور اس کے مطابق امت مسلمہ اپنی زندگی گذارے۔
- تبلیغی جماعت کے کام کرنے کے چھ اصول ہیں جنہیں خود بانی جماعت نے مرتب کئے ہیں۔ وہ چھ اصول یہ ہیں: کلمہ طیبہ، نماز، علم وذکر، اکرام مسلم، تصحیح نیت، تبلیغ۔
- اس کے اولین امیر، بانی جماعت مولانا محمد الیاس تھے۔ پھر مولانا محمد یوسف کاندھلوی، مولانا محمد انعام الحسن کاندھلوی بالترتیب امیر ہوئے۔ بعد ازاں امیر کے طور پر شورائی نظام کو بروئے کار لایا گیا، اور اس کے لئے مولانا محمد انعام الحسن کے دور میں تشکیل دی گئی دس افراد پر مشتمل مجلس شوریٰ میں سے تین افراد کو مقرر کیا گیا، جن میں مولانا محمد اظہار الحسن، مولانا محمد زبیر الحسن اور مولانا محمد سعد شامل تھے۔

2.7 نمونہ امتحانی سوالات

2.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. بانی تبلیغ جماعت کا تاریخی نام کیا تھا؟

(a). محمد الیاس　　(b). اختر الیاس　　(c). احمد الیاس　　(d). الیاس اختر

2. تبلیغی جماعت کا آغاز کس علاقہ سے ہوا؟

(a). نوح　　(b). میوات　　(c). لکھنؤ　　(d). مئو

3. تبلیغ کی پہلی جماعت کب نکلی تھی؟

(a). 1933ء　　(b). 1920ء　　(c). 1926ء　　(d). 1940ء

4. تبلیغی جماعت کے سالانہ اجتماعات کہاں ہوا کرتے تھے؟

(a). نوح　　(b). میوات　　(c). لکھنؤ　　(d). دہلی

5. درج ذیل میں سے تبلیغی جماعت کے اصولوں میں کیا شامل نہیں ہے؟

(a). نماز (b). اکرام مسلم (c). تبلیغ ودعوت (d). مشورہ

6. امیر ثالث مولانا انعام الحسن کاندھلوی کی امارت کا دورانیہ کیا تھا؟

(a). 1970-1997ء (b). 1960-1992ء (c). 1965-1995ء (d). سب غلط

7. درج ذیل تبلیغی جماعت کے امیروں کی کون سی ترتیب درست ہے؟

(a). محمد الیاس، محمد انعام الحسن، محمد یوسف (b). محمد یوسف، محمد الیاس، محمد انعام الحسن

(c). محمد الیاس، محمد یوسف، محمد انعام الحسن (d). سب غلط

8. 1995ء میں تشکیل دی گئی سہ رکنی مجلس شوریٰ میں مولانا محمد اظہار الحسن اور مولانا محمد زبیر الحسن کے ساتھ تیسرے فرد کون تھے؟

(a). مولانا محمد سعد (b). مولانا محمد عمر پالن پوری (c). حاجی محمد عبد الوہاب (d). مفتی زین العابدین

9. عوام کے علم کے نصاب میں کیا داخل نہیں ہے؟

(a). فضائل نماز (b). حکایات صحابہ (c). قرآن کریم (d). کتاب الفتن کا مطالعہ

10. تبلیغی جماعت کے کل اصول کتنے ہیں؟

(a). آٹھ (b). چھ (c). پانچ (d). دس

2.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. تبلیغی جماعت کے آغاز وارتقاء پر گفتگو کیجیے۔
2. تبلیغی جماعت کے مقاصد پر روشنی ڈالیے۔
3. تبلیغی جماعت کے اصولوں میں سے کسی تین پر تعارفی نوٹ تحریر کیجیے۔
4. تبلیغی جماعت کے اجتماعات اور جلسوں کا جائزہ لیجیے۔
5. تبلیغی جماعت سے پہلے میوات کے دینی حالات کیا تھے؟ بیان کیجیے۔

2.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. بانی تبلیغی جماعت کے تفصیلی حالات قلم بند کیجیے۔
2. تبلیغی جماعت کے اصولوں پر ایک جامع مضمون لکھیے۔
3. تبلیغی جماعت کے امیروں پر ایک تجزیاتی نوٹ درج کیجیے۔

2.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

.1	حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت	:	مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ
.2	ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ	:	مولانا محمد منظور نعمانیؒ
.3	مکاتیب حضرت مولانا محمد الیاسؒ	:	مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ
.4	ارشادات و مکتوبات بانی تبلیغ حضرت مولانا شاہ محمد الیاسؒ صاحب	:	افتخار فریدی
.5	سوانح حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ	:	سید محمد ثانی حسنی

اکائی 3: جماعت اسلامی ہند

اکائی کے اجزا:

3.0 تمہید

3.1 مقاصد

3.2 جماعت اسلامی کا قیام اور اس کا تاریخی پس منظر

3.2.1 آزادی کے بعد جماعت اسلامی

3.3 بانی جماعت

3.4 جماعت اسلامی ہند

3.4.1 جماعت اسلامی ہند کا نصب العین

3.4.2 طریق کار

3.4.3 نظم جماعت

3.4.4 جماعت اسلامی ہند کی تعلیمی خدمات

3.4.5 جماعت اسلامی ہند کی رفاہی خدمات

3.4.6 ملکی وملی مسائل میں جماعت اسلامی ہند کا موقف

3.5 کلیدی الفاظ

3.6 اکتسابی نتائج

3.7 نمونہ امتحانی سوالات

3.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

3.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

3.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

3.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

3.0 تمہید

بیسوی صدی کی شروعات میں مختلف تحریکیں منظر عام پر آئیں۔ جس میں سیاسی، علمی، دعوتی، فکری اور نظریاتی تحریکات شامل ہیں۔ جماعت اسلامی بھی اپنی اصل کے اعتبار سے نظریاتی، فکری اور تہذیبی تحریک ہے۔ اس دور میں جب کہ مغربی فکر وفلسفہ اور تہذیب وتمدن کا ہر سو غلبہ تھا۔ امت مسلمہ میں بھی کچھ ایسے لوگ منظر عام پر آئے جنہوں نے اسلامی تہذیب کی سچائی کو فکر و عمل کے ساتھ زمانے کے سامنے پیش کیا اور اسلامی فکر کو مرتب کرنے میں اپنا مثبت کردار ادا کیا۔ ان تحریکوں نے امت کے اندر دینی بیداری اور اسلامی سوجھ بوجھ پیدا کی اور بحیثیت امت ان تحریکوں کے قائدوں نے اسلام اور اسلامی سماج میں ایک نئی روح پھونکنے کی کوشش کی۔ انہی تحریکات میں ایک نام جماعت اسلامی کا ہے۔ جس کو سید ابوالاعلیٰ مودودی نے 1941ء میں قائم کیا۔ اس تحریک کا ماننا ہے کہ قرآن وسنت کی تعلیمات زندگی کے ہر گوشے میں عملی طور پر نافذ ہو اور پوری زندگی اسی کی رہنمائی کے مطابق گزاری جائے۔

3.1 مقاصد

اس اکائی میں آپ جماعت اسلامی کے بارے میں تفصیل سے جانیں گے کہ اس کا تاریخی پس منظر کیا تھا اور اس جماعت کے بانی نے کیا خدمات انجام دی، اس جماعت کا نصب العین اور طریق کار کیا ہے؟ آزادی کے بعد جماعت اسلامی ہند کے کون لوگ امیر ہوئے۔ اس کے علاوہ جماعت اسلامی کی تعلیمی ورفاہی خدمات کے بارے میں آگاہی حاصل ہوگی۔

3.2 جماعت اسلامی کا قیام اور اس کا تاریخی پس منظر

بیسویں صدی میں برصغیر کی شخصیتوں کا احاطہ کریں تو بے شمار شخصیتوں نے اپنے کارناموں سے اسلامی سماج کو متاثر کیا۔ انہی شخصیتوں میں ایک نام سید ابوالاعلیٰ مودودی کا ہے جنہوں نے اسلامی، سماجی اور تربیتی پہلو سے امت مسلمہ کی خدمت کی۔ سید مودودی نے اپنے اطراف کا جائزہ لیا تو انہیں ہندوستان کی صورت حال بڑی تشویشناک دکھائی دی۔ آپ نے ترک قومیت اور عرب قومیت کا نظارہ اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ خود ہندوستان کے اندر مسلمان اور ہندوؤں کے درمیان کھینچاتانی جاری تھی اور انگریزوں کے خلاف مخالفت بھی چل رہی تھی۔ مولانا کو اللہ نے بے شمار صلاحیتوں سے نوازا تھا، آپ نے ان صلاحیتوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی تحریر وتقریر کے ذریعہ لوگوں کے دلوں میں اپنی جگہ بنائی۔ آپ نے اپنی تحریروں سے ذہن سازی کی اور اپنے افکار و نظریات کو مجلات کے توسط سے فروغ دیا۔ آپ نے صحافت کو اپنا میدان بنایا اور اپنی صلاحیت کے بقدر باطل پروپیگنڈوں کے خلاف قلمی کوششیں شروع کیں۔ چنانچہ 1933 میں ترجمان القرآن کی ادارت سنبھالی اور ترجمان القرآن کے ذریعہ آپ نے مغربی مفکرین کے اسلام وعقائد پر اعتراضات کا علمی انداز میں جواب دیا۔ سرمایہ داری اور اشتراکیت کی صحیح تصویر سے روشناس کرایا اور علی الاعلان اس بات کا پرچم بلند کیا کہ تمام مسائل کا حل اسلامی تعلیمات میں پنہاں ہے۔ آپ نے اس بات پر بھی زور دیا کہ اسلام اوراس کی تعلیمات پر عمل کرنے والے قولی و عملی نمونہ دوسروں کے سامنے پیش کریں۔ حالات کتنے بھی ناموافق رہے ہوں لیکن سید مودودی نے اپنے مقاصد کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھا اور اپنے مضامین کے ذریعہ ہندوستان

کے سیاسی مستقبل کے بارے میں گفتگو کرتے رہے۔ آپ نے ترجمان القرآن میں ہی مسلم لیگ پر تنقید کی کیوں کہ ان کے مقاصد کا بھی اسلامی تعلیمات سے خاطر خواہ تعلق نہیں تھا۔ آپ نے اس بات کی کوشش کی کہ لوگ اسلامی تعلیمات کی طرف رجوع کریں، اس پر عمل پیرا ہوں اور دوسروں کو اس سے واقف کرائیں۔ ایک ایمان والے شخص کے لیے یہ موزوں نہیں کہ وہ انگریزوں سے تو آزاد ہو جائے لیکن انسانی غلامی میں جکڑا رہے بلکہ اللہ کی غلامی قبول کرے۔ غرض آپ کی تحریروں سے اندرون وبیرون ملک کے علماو صلحا اور مفکرین کافی متاثر ہوئے۔

اصلاحی سرگرمیوں کو جاری رکھتے ہوئے سید ابوالاعلیٰ مودودی کو اس بات کا احساس ہوا کہ ایک جماعت کی تشکیل لازمی ہے۔ اپنی تحریروں کے ذریعہ جماعت کی تشکیل دینے کا راستہ آپ ہموار کر چکے تھے۔ اس سلسلے میں ان کے دوست واحباب اور برصغیر کے علماو مفکرین بھی کافی عرصے سے اصرار کر رہے تھے کہ وہ باقاعدہ طور پر ایک جماعت بنائیں۔ سید مودودی نے بھی محسوس کیا کہ اقامت دین کی کوشش اجتماعی طور پر شروع کی جاسکتی ہے کیوں کہ باطل نظریات وعقائد پر تنقید کے بعد تعمیری کام کی سعی کی جاسکتی ہے۔ مولانا نے ''دیوانوں کی ضرورت'' کے عنوان سے مسلمانوں کو پکارا۔ ملک کے 75 لوگوں نے 25/اگست 1941ء کو محلہ اسلامیہ پارک لاہور میں اکٹھا ہوئے اور جماعت اسلامی کی بنیاد ڈالی۔ باہمی صلاح ومشورے کے بعد سید ابوالاعلیٰ مودودی کو اس جماعت کا امیر منتخب کیا گیا۔ جماعت کے قائم ہونے کے بعد ایک تحریری دستور منظور ہوا اور دستور کے بموجب شوریٰ کا انتخاب عمل میں آیا اور شوریٰ کے اجلاس میں جماعت کے لائحہ عمل پر غوروخوص اور بحث مذاکرے کے بعد جماعت کے کاموں کو متعدد شعبوں کے تحت منظم کیا گیا۔ مثلاً شعبہ علمی وتعلیمی، شعبہ نشرواشاعت، شعبہ تنظیم جماعت، شعبہ مالیات، شعبہ دعوت وتبلیغ وغیرہ۔ جماعت اسلامی اپنے ارکان کی اخلاقی وروحانی تربیت پر کافی زور دیتی ہے۔ مختصر یہ کہ جماعت زندگی کے ہر حصے میں پورے طور پر انقلاب چاہتی ہے۔

''جماعت اسلامی اپنے ارکان کی اخلاقی وروحانی تربیت پر خاص طور پر زور دیتی ہے۔ جماعت کا مرکز تربیتی نصاب تجویز کرتا ہے اور ملک بھر میں حلقہ دار اور سیاسی طور پر تربیتی کیمپ منعقد ہوتے ہیں۔ اس تربیتی نصاب میں قرآن وحدیث کے مطالعے پر اور انہیں جدید دور کی ضروریات پر منطبق کرنے پر سب سے زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ امیر جماعت کا انتخاب پانچ سال بعد باقاعدگی سے ہوتا ہے۔ انتخاب میں کوئی امیدوار نہیں ہوتا۔ بلکہ درحقیقت کسی شخص کی طرف سے اقتدار کی خواہش کا ذرا سا اظہار بھی اس کو مکمل طور پر نااہل قرار دیتا ہے''

3.2.1 آزادی کے بعد جماعت اسلامی

جس مقاصد کے تحت جماعت اسلامی روبہ عمل میں آئی وہ منزل کی طرف رواں دواں تھی کہ تاریخ نے ایسا دردناک انمٹ نقوش چھوڑے کہ ہندوستان دوملکوں میں تقسیم گیا جس کا نام پاکستان رکھا گیا۔ جس کی وجہ سے جماعت اسلامی بھی دو حصوں میں بٹ گئی۔ حالات اتنے پیچیدہ ہوگئے کہ جماعت اسلامی کا نظام ایک ملک دونوں جگہ کے نظام کو سنبھال لے یہ ممکن نہ تھا۔ ملک کا بٹوارہ ہونے کے بعد دونوں ملکوں کی جماعت نے از سر نو اپنا جائزہ لیا اور دونوں جگہ کے لوگوں نے امیروں کا انتخاب کیا۔

جماعت اسلامی ہند اور جماعت اسلامی پاکستان۔ جماعت اسلامی ہند نے اپنا راستہ الگ کر لیا اور جماعت کے لوگوں نے اتفاق رائے

سے الہ آباد کے اجتماع میں 1948ء کو مولانا ابواللیث اصلاحی کو جماعت اسلامی ہند کا امیر منتخب کیا۔ شروع میں کچھ دنوں کے لیے جماعت کا مرکز سرائے میر (اعظم گڈھ) رہا کیوں کہ مولانا ابواللیث ندوی مدرسۃ الاصلاح سرائے میر میں تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے۔ 1948ء کے آخر میں جماعت کا مرکز سرائے میر سے ملیح آباد (لکھنو) میں قائم کیا گیا۔ پھر 1949ء میں اس مرکز کو رام پور منتقل کر دیا گیا۔ 1960ء میں جماعت کے مرکز کو دہلی کی حیثیت کو مد نظر رکھتے ہوئے یہاں پر منتقل کر دیا گیا۔ 1991ء میں اس مرکز کو جامعہ ابوالفضل انکلیو اوکھلا میں شفٹ کر دیا گیا۔

3.3 بانی جماعت

سید ابوالاعلیٰ مودودی 25 ستمبر 1903 کو اورنگ آباد (مہاراشٹر) میں پیدا ہوئے۔ سادات گھرانے سے آپ کا تعلق تھا۔ خواجہ قطب الدین مودودی (و:527ھ) معتبر بزرگ شمار کیے جاتے تھے۔ آپ کا خاندان چشت سے برصغیر میں پندرہویں صدی عیسوی میں آیا۔ آپ کے خاندان کا مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر (و:1898) کے دربار سے گہرا تعلق تھا۔ آپ کے والد سید احمد حسن جنہوں نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے F.A کی تعلیم مکمل کی اور الہ آباد سے وکالت کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد وکالت کو معاش کا ذریعہ بنایا۔ آخر میں اورنگ آباد کو جائے سکونت بنایا اور یہیں پر وکالت کی۔ لیکن بعد میں دین کا رجحان بڑھنے کی وجہ سے وکالت کے پیشے کو ترک کر دیا اور اپنے آبائی وطن دہلی منتقل ہو گیے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی۔ اس کے بعد آپ کا مدرسہ فرقانیہ اورنگ آباد میں داخلہ ہوا جہاں عربی و انگریزی زبانوں پر دسترس حاصل کیا۔ پڑھائی کے دوران آپ نے تحریری و تقریری مقابلوں میں بھی حصہ لیا۔ پندرہ سال کی عمر میں اپنی صحافتی زندگی کا آغاز کیا۔ انجمن نظر بندان اسلام کی طرف نکلنے والا اخبار "تاج" کی ادارت سنبھالی۔ سرکاری پالیسی کے خلاف ہونے کی وجہ سے یہ اخبار بہت زیادہ دنوں تک جاری نہ رہ سکا اور بند ہو گیا۔ 1920ء میں یہ اخبار دوبارہ شروع ہوا اور سید مودودی کو مدیر بنایا گیا لیکن کچھ مہینے بعد دوبارہ پابندی عائد کر دی گئی۔ اس کے بعد جمعیۃ علماء کے ترجمان "المسلم" (1921-1922) اخبار کے مدیر ہوئے۔ "المسلم" بند ہو گیا تو "الجمعیت" (1925-1928) کے مدیر بنائے گیے۔ شدھی تحریک کی پوری سازش اور اس کے خلاف مسلمانوں کے رد عمل کی وجہ سے غیر مسلم حضرات نے یہ مہم چھیڑ دی کہ قرآن اور اس کی تعلیمات امن اور سلامتی کے خلاف ہے۔ مولانا محمد علی جوہر کی جامع مسجد کی تقریر کو سن کر سید مودودی نے جہاد کے فریضہ پر کتاب لکھنے کا فیصلہ کیا اور نظریہ جہاد کے خلاف جو ہنگامہ اٹھا تھا اس پر "الجہاد فی الاسلام" تحریر کی۔ الجمعیت سے استعفیٰ دینے کے بعد آپ حیدر آباد منتقل ہو گیے اور تصنیفی و تالیفی کام میں مشغول ہو گیے۔ رسالہ ترجمان القرآن جس کو ابو محمد مصلح نے شروع کیا تھا ان سے مالکانہ حقوق 1933ء میں حاصل کر کے اس کے مدیر ہو گیے اور اس ذمہ داری کو آپ نے آخری وقت تک ادا کیا۔ یہ رسالہ مسلمانوں اور تحریک کے لیے مشعل راہ ثابت ہوا۔ برصغیر اور عالم اسلام اس سے فیض یاب ہوتا رہا۔

مارچ 1938ء میں علامہ اقبال کی خواہش پر آپ حیدر آباد سے پٹھان کوٹ منتقل ہو گیے، اسلامیہ کالج لاہور کی پروفیسری اعزازی

طور پر قبول کی۔1940ء میں آپ نے اعزازی پروفیسری چھوڑ دی کیوں کہ کالج انتظامیہ سرکار سے خوفزدہ تھا اور آپ نے تذبذب کو دیکھتے ہوئے الوادع کہہ دیا۔ اگلے سال 1941ء میں جماعت اسلامی کی بنیاد ڈالی۔ فروردی 1942ء سے تفہیم القرآن لکھنا شروع کیا جو رسالہ ترجمان القرآن میں قسط وار شائع ہوتا رہا۔ جون 1942ء میں ہی پٹھانکوٹ کے قریب جمال پور میں جماعت اسلامی کا مرکز دارالاسلام کے نام سے قائم کیا۔

مولانا مودودی زندگی بھر دین کے غلبے کے لیے کوشاں رہے اور اس کے لیے مختلف کوششیں کیں۔ آپ نے کئی اہم موضوعات پر قلم کو جنبش دی اور قرآن، حدیث فقہ، دعوت و تبلیغ، تاریخ وافکار، عبادات و قوانین، معاشی و معاشرت، سیاست و سیادت وغیرہ اہم عنوانات پر آپ نے کتابیں تصنیف کیں۔ آپ کی مشہور کتابوں کے تراجم دنیا کی مختلف زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ آپ کی کتاب "دینیات" کا ترجمہ تقریباً 36 زبانوں میں ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے خلافت وملوکیت، پردہ، سرورعالم، الجہاد فی الاسلام، مسئلہ قومیت اور مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش وغیرہ جیسے موضوعات پر قابل قدر تحریری سرمایہ چھوڑا۔ تقاریر، مکتوبات، استفسارات، تراجم اور صحافت کے ذریعہ اردو زبان کو جدید علم کلام سے مالا مال کیا۔ مولانا مودودی کی تحریروں کو عربی، انگریزی، ترکی، فارسی، ہندی، جرمن، تمل اور بنگالی وغیرہ زبانوں میں منتقل کیا جا چکا ہے۔

3.4 جماعت اسلامی ہند

مولانا ابواللیث اصلاحی کے امیر بننے کے بعد ملک کو کئی حلقوں میں بانٹا گیا اور ہر حلقہ میں ایک قیم مقرر کیا گیا جس کے ذمہ اپنے حلقہ میں جماعت کے کام کو آگے بڑھانا تھا۔ ہندوستان پاکستان کے بٹوارے کے بعد جماعت اسلامی ہند کے پاس صرف مولانا مودودی کا دستاویزی اثاثہ موجود تھا، اس کے علاوہ جماعت کو نئے سرے سے اپنے مرکز، نصب العین، سرگرمیاں اور مقاصد کو پروان چڑھانا تھا۔ ہندوستان کے اس وقت کے تناظر میں دیکھا جائے تو یہ راہ کانٹوں بھری نظر آتی ہے، جماعت کا کام بالکل ابتدا سے شروع ہوا، 1948ء کی فرقہ وارانہ فضا میں جب جماعت پر مسلمان اور غیر مسلم دونوں طرف سے الزام کی بوچھار لگ رہی تھی تو مولانا ابواللیث ندوی نے صبر و تحمل کے ساتھ سب کچھ برداشت کرتے ہوئے جماعت کے کارواں کو آگے بڑھاتے رہے۔ مولانا لگاتار 24 سال تک 1948 تا 1972 جماعت کے امیر رہے، اکتوبر 1981 سے لے کر 1990 تک پھر جماعت کی امارت آپ کے کندھوں پر آگئی۔ اس کے بعد مولانا نے معذرت کرلی۔ تقریباً 34 سال تک آپ جماعت کے امیر رہے اس دوران آپ نے جماعت کو ہر جہت سے قوت فراہم کی۔ مولانا نے ایک طرف ملی اتحاد واتفاق کے لیے ہر طرح کی کوشش کی تو دوسری طرف ملکی سالمیت اور قومی یکجہتی کو فروغ دینے کے لیے بھی ممکنہ وسائل کا استعمال کیا۔ جماعت نے فسادات، قحط اور سیلاب کے نازک مواقع پر خلق خدا کی راحت کے لیے جو قابل قدر انجام دی ہے اور آج تک رفاہی کام میں جو کوششیں کر رہی ہے وہ اس کو دوسری جماعتوں سے ممتاز کرتی ہیں۔ مولانا کو اپنی زندگی میں کئی بار جیل کی بامشقت صعوبتیں بھی برداشت کرنی پڑیں لیکن مولانا کے ارادے کے سامنے ساری مشکلات ہیچ تھیں۔ مولانا کی وفات 5/ دسمبر 1990ء کو ہوئی۔ اس جماعت کے دوسرے امیر محمد یوسف صاحب منتخب کیے گیے۔ 1972-1981ء تک یعنی دو میقات تک اس عہدے پر فائز رہے۔ اس جماعت کے تیسرے امیر محمد سراج الحسن جن کو

1990ء میں جماعت اسلامی ہند کی امارت سونپی گئی اور 2003ء تک آپ نے بخوبی اس فرض کو نبھایا۔ چوتھے امیر ڈاکٹر عبدالحق انصاری صاحب منتخب ہوئے۔ آپ نے 2003ء تا 2007ء تک اس ذمہ داری کو ادا کیا۔ پانچویں امیر مولانا سید جلال الدین عمری 2007ء تا 2019ء تک اپنی خدمات انجام دی۔ 2019ء تا حال چھٹے امیر کی حیثیت سے سید سعادت اللہ حسینی ہیں۔ جماعت اسلامی ہند طلبہ کی تنظیم کے لیے ایس۔ آئی۔ او (اسٹوڈنٹس اسلامک آرگنائزیشن آف انڈیا 1982ء میں قائم کی گئی) اور طالبات کے لیے جی۔ آئی۔ او (گرلس اسلامک آرگنائزیشن آف انڈیا 1984ء میں قائم کی گئی) کی سرپرستی کرتی ہے۔

جماعت اسلامی ہند نے آزادی کے بعد اپنے دستور میں مختلف تبدیلیاں کیں۔ میری زیر نظر اپریل 2011ء تک ترمیم شدہ دستور جماعت اسلامی ہند ہے۔ اس میں کل 75 دفعات کا ذکر ہے اور یہ دستور پانچ حصوں پر مشتمل ہے۔

حصہ اول: عقیدہ، نصب العین اور طریق کار

حصہ دوم: جماعت کی رکنیت

حصہ سوم: نظام جماعت

حصہ چہارم: مالیات

حصہ پنجم: متفرقات

3.4.1 جماعت اسلامی ہند کا نصب العین

جماعت اسلامی کا نصب العین اقامت دین ہے، جس کا حقیقی محرک صرف رضائے الٰہی اور فلاح آخرت کا حصول ہے۔

اس دفعہ کی تشریح میں اقامت دین سے کیا مراد ہے۔ دستور میں اس کی ترجمانی موجود ہے ملاحظہ کریں:

اقامت دین میں لفظ "دین" سے مراد وہ دین حق ہے جسے اللہ رب العالمین اپنے تمام انبیاء کے ذریعے مختلف زمانوں اور ملکوں میں بھیجتا رہا ہے اور جسے آخری اور مکمل صورت میں تمام انسانوں کی ہدایت کے لیے اپنے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے نازل فرمایا اور جو اب دنیا میں ایک ہی مستند، محفوظ اور عند اللہ مقبول دین ہے اور جس کا نام "اسلام" ہے۔ یہ دین انسان کے ظاہر و باطن اور اس کی زندگی کے تمام انفرادی و اجتماعی گوشوں کو محیط ہے۔ عقائد، عبادات اور اخلاق سے لے کر معیشت، معاشرت اور سیاست تک انسانی زندگی کا کوئی شعبہ بھی ایسا نہیں ہے جو اس کے دائرے سے خارج ہو۔ (دستور جماعت اسلامی ہند، دفعہ 4، ص 7)

3.4.2 طریق کار

اپنے مقاصد کی حصولیابی کے لیے جماعت اسلامی ہند کا طریق کار حسب ذیل ہو گا۔

1. قرآن و سنت جماعت کی اساس کار ہوں گی۔ دوسری ساری چیزیں ثانوی حیثیت سے صرف اسی حد تک پیش نظر رکھی جائیں گی، جس حد تک قرآن و سنت کی رو سے ان کی گنجائش ہو۔

2. جماعت اپنے تمام کاموں میں اخلاقی حدود کی پابند ہوگی اور کبھی ایسے ذرائع اور طریقے استعمال نہ کرے گی، جو صداقت و دیانت کے خلاف ہوں یا جن سے فرقہ وارانہ منافرت، طبقاتی کشمکش اور فساد فی الارض رونما ہو۔

3. جماعت اپنے نصب العین کے حصول کے لیے تعمیری اور پرامن طریقے اختیار کرے گی۔ یعنی وہ تبلیغ و تلقین اور اشاعت افکار کے ذریعے ذہنوں اور سیرتوں کی اصلاح کرے گی اور اس طرح ملک کی اجتماعی زندگی میں مطلوبہ صالح انقلاب لانے کے لیے رائے عامہ کی تربیت کرے گی۔ (دستور جماعت اسلامی، ص8)

3.4.3 نظم جماعت

جماعت اسلامی ہند کا نظام شورائیت پر مبنی ہے اور تمام کام باہم صلاح و مشورے سے انجام پاتے ہیں۔ مرکزی نظام ان اجزا پر مشتمل ہوگا۔ مجلس نمائندگان، امیر جماعت، مرکزی مجلس شوریٰ، قیم جماعت۔ دستور میں مجلس نمائندگان اور دیگر ذمہ داریوں کے لیے کن صفات کا حامل ہونا ہے اس کی کارکردگی، اختیارات، فیصلے کے طریقے اس پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ امیر جماعت کی حیثیت کو واضح کرتے ہوئے دفعہ 22 میں درج ہے: "جماعت اسلامی ہند کا ایک امیر ہوگا، جس کی حیثیت بہ اصطلاح معروف "امیر المومنین" کی نہ ہوگی بلکہ صرف اس جماعت کے رہنما کی ہوگی۔ ارکان جماعت اس کی اطاعت فی المعروف کے پابند ہوں گے۔ جماعت کی دعوت اپنے امیر کی شخصیت یا امارت کی طرف نہ ہوگی۔ بلکہ اپنے عقیدے اور نصب العین کی طرف ہوگی۔" امارت کے لیے مطلوبہ صفات، انتخاب، مدت کارکردگی اور فرائض و اختیارات پر گفتگو کی گئی ہے۔ مرکزی مجلس شوریٰ کی حیثیت امیر جماعت کی مدد اور مشورے کے لیے ہوگی۔ امیر جماعت ان سے اہم معاملات میں مشورہ طلب کرے گا، جن کا جماعت کی پالیسی یا اس کے نظم پر قابل لحاظ اثر پڑتا ہے۔ اس کی تشکیل، رکنیت کے لیے مطلوبہ صفات، مدت کارکردگی، اجلاس، حاضری کا نصاب، کاروائی، فیصلے کا طریقہ اور غیر ارکان شوریٰ کی شرکت پر بحث کی گئی ہے۔ قیم جماعت کا تقرر امیر جماعت کرے گا اور اس کی تقرری کے سلسلے میں امیر جماعت مجلس شوریٰ کے ارکان کی رایوں کو بھی مد نظر رکھے گا۔ قیم جماعت کے لیے مطلوبہ صفات اور اس کے فرائض کی دستور میں نشاندہی کر دی گئی ہے۔

3.4.4 جماعت اسلامی ہند کی تعلیمی خدمات

جماعت اسلامی نے تعلیم اور نصاب پر جو کوشش کی ہے وہ کسی اور جماعت میں دیکھنے کو نہیں ملتی۔ جماعت اسلامی نے شروعاتی دور سے ہی ایک تھنک ٹینک کو تشکیل دے رکھا ہے جو مسلمانوں کی صورتحال پر جائزہ لیتا رہتا ہے اور اس کے مطابق لائحہ عمل تیار کرتا ہے۔ مولانا مودودی نے جماعت اسلامی ہند کے ذریعہ لوگوں کو اسلامی تعلیمات کی طرف متوجہ کیا، سید مودودی نے ہر اس موضوع پر کھل کر بحث کی جو مذہبی طبقہ کی نظر میں بحث کا موضوع نہیں تھا، سیاسی اسلام، سماجی اسلام، معاشی اسلام، اسلامی تہذیب و ثقافت، وغیرہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات کا نام ہے۔ مولانا مودودی نے سیاسی اور مذہبی لیڈروں کے درمیان مساوات قائم کرنے کی کوشش کی۔ جماعت اسلامی کی سب سے بڑی خدمات موجودہ اسلامی وسائل کو مقامی زبانوں میں منتقل کرنا۔ ہندوستان ایک ایسا تکثیریت والا ملک ہے جہاں زبانوں کی بھرمار ہے۔ اسٹیٹ کے تبدیل ہوتے ہی بسااوقات اسٹیٹ کے اندر ہی یہ تبدیلی آپ محسوس کر سکتے ہیں۔ اسی کے مد نظر جماعت اسلامی نے بنیادی

اسلامی لٹریچر کو مقامی زبانوں میں منتقل کرنے کا بیڑہ جو اٹھایا ہے وہ قابل تعریف ہے۔ شعبہ علمی و تعلیمی کے نام سے جو شعبہ قائم کیا گیا اس کی ذمہ داری یہ تھی کہ:

"اسلام کے نظام فکر اور نظام حیات کا اس کے مختلف فلسفیانہ علمی اور تاریخی پہلو میں گہرا تفصیلی مطالعہ کرے۔ دوسرے نظام فکر و عمل پر بھی وسیع تنقیدی و تحقیقی نظر ڈالے اور اس کے نتیجے میں ایسا لٹریچر تیار کرے جو صرف اسلامی اصولوں پر ذہنی وفکری انقلاب برپا کرنے والا ہو۔"

جماعت اسلامی ہند اپنی تشکیل کے ساتھ ہی نئے نظام تعلیم و تربیت کے لیے بھی کوشاں ہو گئی اور شروع سے ہی اس پر توجہ دی۔ اس کے لیے ملک کے مختلف مقامات پر درس گاہیں قائم کی گئیں، اسی کے تحت 1949 میں رام پور میں درس گاہ قائم کی گئی۔ حالات کے تناظر میں نصاب کو تشکیل دیا گیا۔ جماعت نے اداروں کے قیام اور درسیات کی تیاری میں قابل قدر کوششیں کیں۔ 1972ء میں مرکزی درس گاہ کے انتظام کو جماعت اسلامی ہند نے "اشاعت اسلام ٹرسٹ دہلی" کے ماتحت کر دیا۔ 1981ء میں اس "درس گاہ" کا نام "مرکزی درس گاہ اسلامی" قرار دیا گیا۔ 1988ء میں اشاعت اسلام ٹرسٹ نے مقامی مجلس منتظمہ بنائی اور اس کے پہلے صدر جناب توسل حسین صدیقی (و:1993ء) بنائے گیے۔ اس کے بعد مولانا محمد یوسف اصلاحی (و:2021) کو یہ ذمہ داری سونپی گئی۔

جماعت نے جہاں تعلیم وتربیت اور درسی کتابوں کی تیاری اپنی توجہ مرکوز کی وہیں دوسری طرف اساتذہ کی دینی، فکری اور فنی رہنمائی کی طرف بھی خصوصی توجہ دی۔ شروعاتی دور میں اساتذہ کے لیے تین مہینے کی ٹریننگ رکھی گئی لیکن بعد میں اسے ایک مہینے میں تبدیل کر دیا گیا۔ 1990ء میں مرکز میں شعبہ تعلیم کا ڈیپارٹمنٹ قائم کیا گیا تو یہ کام اور بہتر طریقے سے انجام پانے لگا۔ ان لوگوں کی مصروفیات کا خیال کرتے ہوئے جن کے لیے ایک مہینہ کی ٹریننگ کرنا مشکل تھا تو دس روزہ، ہفت روزہ، اور کم از کم سہ روزہ ٹریننگ کا خاکہ تیار کیا گیا۔ 2019ء میں جماعت نے تعلیمی میدان کے کاموں میں وسعت لانے کے لیے "مرکزی تعلیمی بورڈ" قائم کیا ہے۔ جو درسیات پر نظر ثانی، تعلیمی اداروں کی رہنمائی اور حکومت کی تعلیمی پالیسی پر نظر جیسے اہم کام انجام دے رہی ہے۔ اس کے علاوہ جماعت اسلامی ہند نے ہندوستان کی مختلف زبانوں میں اخبارات ورسائل نکالے جو آج تک پابندی سے شائع ہو رہے ہیں۔

جماعت اسلامی ہند کی ایک اچھی پہل یہ ہے کہ اس نے اسلامک اسٹڈیز کا ایک انسٹی ٹیوشین قائم کیا ہے جو "انڈین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز اینڈ ریسرچ سینٹر" کے نام سے مشہور ومعروف ہے یہ شعبہ 2016ء میں قائم کیا گیا اس کا مقصد مدارس اور کالجز کے جو باصلاحیت لوگ ہیں ان کے اندر ایک معیاری تعلیم کا بیج بویا جائے جو بیک وقت دینی وعصری دونوں علوم میں رہنمائی کر سکیں۔ مسلم سماج کے اندر تعلیم کے معیار کو بلند کیا جائے اور جو بھی امکانات ہوسکتے ہیں اس کو بہتر بنایا جائے۔ اس اکیڈمی کا مقصد ہندوستانی معاشرے، مذاہب، ثقافت، روایات، تاریخ اور تقابلی ادیان کی سمجھ طلباء کے اندر ابھاری جائے۔ اس میں انگریزی زبان کے ساتھ عصری علوم سیاسیات، معاشیات، لسانیات اور نفسیات جیسے علوم کو مدارس کے طلبہ کے درمیان فروغ دیا جائے۔ اردو، ہندی اور انگریزی میں صلاحیت کو پروان چڑھانے کے لیے ہفتہ واری پروگرام، گروپ ڈسکشن، سیلف اسٹڈی اس انسٹی ٹیوشن کے تحت تین کورس فی الحال چل رہے ہیں۔ (1) دوسالہ

ایڈوانسڈ ڈپلومہ تقابل ادیان و تہذیب(2) دوسالہ پوسٹ گریجویٹ ڈپلومہ ان اسلامک تھاٹ اینڈ سینٹر (3) ایک سالہ ڈپلومہ ان اسلامک ڈسکورس۔ اس میں اسلامی مفکرین کے ساتھ مغربی مفکرین کی آراء سے بھی روشناس کرایا جاتا ہے۔

3.4.5 جماعت اسلامی ہند کی رفاہی خدمات

جماعت اسلامی ہند نے اپنے رکن کو اس بات کی ہدایت دی ہے کہ وہ اپنے پاس پڑوس کے محتاج، کمزور اور لاچار لوگوں کی امداد کریں۔ جیسا کہ اسلامی تعلیمات کا تقاضا ہے۔ اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ انسان وہ ہے جو اللہ کی مخلوقات کے ساتھ حسن سلوک کا رویہ اختیار کرے۔ خدمت خلق اور رفاہ عامہ کے کاموں میں جماعت کے کارکن بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ جماعت کے رفقانے زلزلہ، سیلاب اور فسادات جیسے رونماہونے والے واقعات پر بڑے پیانے پر امداد کا کام کیا ہے۔ ان کارکنوں نے بلا تفریق مذہب وملت مصیبت زدہ لوگوں کی خدمات کی ہیں۔ عام چندہ کے ذریعے رقم اور ضرورت کا سامان اکٹھا کر کے ایک بہتر طریقے سے ریلیف کا کام کرتی ہے۔ 1948ء میں ملک کے اکثر وبیشتر علاقوں میں بارش کے قہر کی وجہ سے کافی نقصان ہوا جس میں بالخصوص اتر پردیش کا علاقہ زیادہ متاثر ہوا اور لاکھوں افراد بے گھر ہوگیے۔ جماعت اسلامی نے اس نازک موقع پر حتی الامکان ریلیف کی خدمات انجام دی۔

1967ء میں خشک سالی کے سبب بہار، مشرقی یوپی اور مدھیہ پردیش کے وسیع علاقوں میں شدید قحط پڑ گیا تھا۔ اس عام مصیبت میں خلق خدا کے ساتھ مواساۃ وتعاون کے جذبہ کے تحت جماعت اسلامی نے پورے ملک میں مہم چلا کر ڈھائی لاکھ روپے نقد اور بڑی تعداد میں دوائیں، کپڑے اور غلہ جمع کیا۔ چندہ دینے والوں میں غیر مسلم حضرات بھی شامل تھے۔ اس رقم کے ذریعہ جماعت نے ان علاقوں میں امدادی کیمپ قائم کر کے بلا تفریق مذہب وملت قحط زدگان کی امداد کا کام انجام دیا۔

3.4.6 ملکی وملی مسائل میں جماعت اسلامی ہند کا موقف

ہندوستان میں اسلام کی دعوت کو قبولیت ملنے کا دارومدار بڑی حد تک اس پر ہے کہ مسلمان بذات خود فکر وعمل سے اسلامی تعلیمات کا نمونہ بن جائیں۔ اپنی معاشرتی زندگی، باہمی معاملات اور دوسرے گروپوں کے سامنے اپنے مراسم کو اسلام کے بتائے ہوئے راستے کے مطابق ڈھال لیں اور اسلام کا قولی وعملی نمونہ پیش کریں تو اس ملک کے اجتماعی حالات پر اس کے گہرے اثرات مرتب ہوسکتے ہیں۔ جماعت اسلامی ہند اس بات کے لیے کوشاں ہے کہ دعوت، اصلاح اور تربیت کے ذریعہ ملت اسلامیہ ہند کو اس موقف پر لا کھڑا کرے، جہاں سماج کی صورت حال میں تبدیلی واقع ہو۔ اس ملک میں مسلمانوں کے تئیں کچھ مسائل جن کا تدراک جماعت اسلامی ہند چاہتی ہے اور اس کی نشاندہی بھی کی ہے۔

پہلا مسئلہ تحفظ جان ومال جس کے بارے میں جماعت اسلامی ہند اپنے کارکنوں کو ہدایت دیتی ہے کہ فرقہ وارانہ فساد سے دور رہیں اور سماج میں امن وامان قائم رکھنے کے لیے غیر مسلم عوام سے رابطہ رکھیں۔ غلط فہمیوں کا سدباب کریں اور افواہوں کا بازار گرم نہ ہونے دیں۔ اگر ماحول خراب ہوجائے تو کوشش کریں کہ ہر گروہ کے امن پسند لوگوں کی مدد سے امن کو قائم کیا جائے اور مظلوموں کا سہارا بنا جائے۔ اس کے حصول کے لیے جماعت اسلامی نے نظم واتحاد پر زور دیا ہے۔ وقت کا سب سے اہم اور سنگین مسئلہ ہے۔ ہندوستان میں

آزادی کے بعد سے نہ جانے کتنے فسادات ہوئے اور اس میں امت مسلمہ کو کافی زیادہ جانی اور مالی نقصان اٹھانا پڑا ہے۔

دوسرا مسئلہ مسلمانوں کو اسلامی تعلیم حاصل کرنا اور اپنی آئندہ نسلوں کی اسلامی تعلیم و تربیت کا اہتمام ممکن رہے۔ جماعت اسلامی ہند کا موقف یہ رہا ہے کہ ابتدائی دینی تعلیم ملت اسلامیہ کو خود کرنا ہے۔

تیسرا مسئلہ اردو زبان کا ہے کہ اگر ہندوستان کے مسلمانوں کو اس زبان سے محروم ہونا پڑے تو وہ اسلامی تعلیمات کے اس سرمایے سے بے گانہ ہو جائیں گے۔ کیوں کہ ملک کے ایک کثیر آبادی کی ثقافتی اور تعلیمی مفادات اس زبان سے جڑے ہوئے ہیں۔ اسی وجہ سے جماعت اسلامی ان کوششوں کی تائید و حمایت کرتی ہے جو اردو کو جائز مقام دلوانے کے لیے سرگرم ہیں۔

چوتھا اہم مسئلہ مسلم پرسنل لاء اور اس کا تحفظ ہے۔ ہندوستانی دستور میں اسلامی قوانین پر جو آسانی دستور کی روح سے ملی ہے۔ حکومت یا کوئی گروپ اس میں مداخلت کرکے ترمیم کرنا چاہتی ہے تو جماعت اسلامی اس کی مخالفت کرتی ہے اور مسلم پرسنل لا کی بقا کی کوشش کرتی ہے۔ مسلم پرسنل لا کے تحفظ اور حکومت کی دخل اندازیوں سے بچانے کے لیے تحریک اسلامی برابر چوکنی رہتی ہے اور اس کے مخالف کسی بھی سرگرمی کو دیکھا یا نوٹس کیا تو فوراً تحریک اسلامی اس پر اپنے احتجاجات درج کرواتی ہے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سارے مسائل سے امت مسلمہ دوچار ہے جس میں دن بہ اضافہ ہو رہا ہے۔

دعوتی مشن کی تکمیل کے لیے ضروری ہے کہ امت مسلمہ اسلامی بنیادوں اور اس کے مقاصد کے لئے یکجا ہو کر کوشش کریں۔ جتنے مسائل کا ذکر کیا گیا ہے اس کے حل اور تجاویز کے لیے ضروری ہے کہ مسلمانوں کی جتنی بھی جماعتیں اور گروہ ہیں وہ باہمی تعاون سے مناسب تدابیر عمل میں لائیں۔ 1964ء میں لکھنو کنونشن نے اس سلسلے میں ایک قدم اٹھایا اور مسلم مجلس مشاورت کا قیام عمل میں آیا۔ اس مجلس کے ساتھ جماعت اسلامی پوری سرگرمی کے ساتھ شریک رہی۔

3.5 کلیدی الفاظ

ادارت : اخبار یا رسالے کی ترتیب، تصحیح کرنا، ایڈیٹری

لائحہ عمل : کام کرنے کا پروگرام

استفسارات : سوال و جواب، پوچھ گچھ

ہیچ : معمولی، ادنی، کم حیثیت

اساس : بنیاد، مدار، انحصار

مواساۃ : مدد کرنا، دکھ درد میں شریک ہونا

3.6 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- 25/اگست 1941ء کو محلہ اسلامیہ پارک لاہور میں اکٹھا ہوئے اور جماعت اسلامی کی بنیاد ڈالی۔ باہمی صلاح و مشورے کے بعد سید ابوالاعلیٰ مودودی کو اس جماعت کا امیر منتخب کیا گیا۔ جماعت کے قائم ہونے کے بعد ایک تحریری دستور منظور ہوا اور دستور کے بموجب شوریٰ کا انتخاب عمل میں آیا اور شوریٰ کے اجلاس میں جماعت کے لائحہ عمل پر غور و خوص اور بحث مذاکرے کے بعد جماعت کے کاموں کو متعدد شعبوں کے تحت منظم کیا گیا۔
- جماعت اسلامی ہند اور جماعت اسلامی پاکستان۔ جماعت اسلامی ہند نے اپنا راستہ الگ کر لیا اور جماعت کے لوگوں نے اتفاق رائے سے الہ آباد کے اجتماع میں 1948ء کو مولانا ابواللیث اصلاحی کو جماعت اسلامی ہند کا امیر منتخب کیا۔
- جماعت اسلامی ہند کا نظام شورائیت پر مبنی ہے اور تمام کام باہم صلاح و مشورے سے انجام پاتے ہیں۔ مرکزی نظام ان اجزا پر مشتمل ہو گا۔ مجلس نمائندگان، امیر جماعت، مرکزی مجلس شوریٰ، قیم جماعت۔ دستور میں مجلس نمائندگان اور دیگر ذمہ داریوں کے لیے کن صفات کا حامل ہونا ہے اس کی کارکردگی، اختیارات، فیصلے کے طریقے اس پر روشنی ڈالی گئی ہے۔
- جماعت اسلامی کی سب سے بڑی خدمات موجودہ اسلامی وسائل کو مقامی زبانوں میں منتقل کرنا۔ ہندوستان ایک ایسا تکثیریت والا ملک ہے جہاں زبانوں کی بھرمار ہے۔ اسٹیٹ کے تبدیل ہوتے ہی بسا اوقات اسٹیٹ کے اندر ہی یہ تبدیلی آپ محسوس کر سکتے ہیں۔ اسی کے مد نظر جماعت اسلامی نے بنیادی اسلامی لٹریچر کو مقامی زبانوں میں منتقل کرنے کا بیڑہ جو اٹھایا ہے وہ قابل تعریف ہے۔
- جماعت اسلامی ہند کی ایک اچھی پہل یہ ہے کہ اس نے اسلامک اسٹڈیز کا ایک انسٹی ٹیوشین قائم کیا ہے جو "انڈین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈ اینڈیز ریسرچ سینٹر" کے نام سے مشہور و معروف ہے یہ شعبہ ۲۰۱۶ء میں قائم کیا گیا اس کا مقصد مدارس اور کالجز کے جو باصلاحیت لوگ ہیں ان کے اندر ایک معیاری تعلیم کا بیج بویا جائے جو بیک وقت دینی و عصری دونوں علوم میں رہنمائی کر سکیں۔
- جماعت اسلامی ہند نے اپنے رکن کو اس بات کی ہدایت دی ہے کہ وہ اپنے پاس پڑوس کے محتاج، کمزور اور لاچار لوگوں کی امداد کریں۔ جیسا کہ اسلامی تعلیمات کا تقاضا ہے۔ اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ انسان وہ ہے جو اللہ کی مخلوقات کے ساتھ حسن سلوک کا رویہ اختیار کرے۔ خدمت خلق اور رفاہ عامہ کے کاموں جماعت کے کارکن بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔

3.7 نمونہ امتحانی سوالات

3.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. جماعت اسلامی کی بنیاد کب ڈالی گئی؟

(a).1942ء　(b).1947ء　(c).1992ء　(d).1841ء

2. جماعت اسلامی کے بانی کون ہیں؟

(a).سید ابو الاعلیٰ مودودی　(b).حسین احمد مدنی　(c).حاجی شریعت اللہ　(d).ابو الحسن علی ندوی

3. جماعت اسلامی ہند کے پہلے امیر کون تھے؟

(a).مولانا ابو اللیث ندوی　(b).سید جلال الدین عمری　(c).صدر الدین اصلاحی　(d).ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی

4. جماعت اسلامی کے موجودہ امیر کا نام بتائیں؟

(a).مولانا ابو اللیث ندوی　(b).سید جلال الدین عمری　(c).صدر الدین اصلاحی　(d).سید سعادت اللہ حسینی

5. مسلم مجلس مشاورت کا قیام کب عمل میں آیا؟

(a).1964ء　(b).1952ء　(c).1950ء　(d).1991ء

6. انڈین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز اینڈ ریسرچ سینٹر کب قائم کیا گیا؟

(a).2016ء　(b).2020ء　(c).2008ء　(d).2005ء

7. اسٹوڈنٹس اسلامک آرگنائزیشن کا قیام کب ہوا؟

(a).1984ء　(b).1982ء　(c).1972ء　(d).سب غلط

8. جماعت کا مرکزی دفتر اوکھلا میں کب شفٹ کیا گیا؟

(a).1991ء　(b).2016ء　(c).1981ء　(d).1948ء

9. جماعت اسلامی ہند کے امیر کی حیثیت "امیر المومنین" کی ہوگی؟

(a).ہاں　(b).نہیں　(c).پتہ نہیں　(d).سب غلط

10. مولانا ابو اللیث ندوی کتنے سال تک امیر رہے؟

(a).تقریباً34　(b).تقریباً22　(c).تقریباً10　(d).تقریباً15

3.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. آزادی کے بعد جماعت اسلامی پر اپنی معلومات قلم بند کیجیے۔
2. جماعت اسلامی ہند کے نظم جماعت کے بارے میں گفتگو کیجیے۔
3. جماعت اسلامی ہند کے نصب العین پر روشنی ڈالیے۔
4. جماعت اسلامی ہند کی رفاہی خدمات پر روشنی ڈالیے۔

5. بانی جماعت کا مختصر تعارف پیش کیجیے۔

3.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. جماعت اسلامی کے قیام اور اس کے تاریخی پس منظر پر روشنی ڈالیے۔
2. جماعت اسلامی ہند کا تفصیلی جائزہ لیجیے۔
3. جماعت اسلامی ہند کی تعلیمی خدمات پر مضمون قلم بند کیجیے۔

3.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. 1947ء کے بعد ہندوستان میں اسلامی تحریکیں، ڈاکٹر اقتدار محمد خاں، مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، نئی دہلی 1995
2. دستور جماعت اسلامی ہند، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی 2013
3. جماعت اسلامی کی تعلیمی خدمات، محمد اشفاق احمد، دہلی، 2018
4. جماعت اسلامی ہند ایک تعارف، جمال پرنٹنگ پریس، دہلی، 1967
5. تحریک اسلامی ہند، مولانا صدرالدین اصلاحی، مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی ہند، دہلی 1970
6. مختصر تاریخ جماعت اسلامی ہند، محمد شفیع مونس، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، 2010ء

اکائی 4: سنی بریلوی جماعت

اکائی کے اجزا:

3.0 تمہید
3.1 مقاصد
3.2 سنی بریلوی جماعت
3.3 مولانا احمد رضاء خان
3.4 مولانا احمد رضا خاںؒ کا علمی مقام
3.4.1 مولانا کے سیاسی افکار:
3.4.2 مولانا کا دیگر علماء سے نظریاتی اختلاف
3.5 سنی بریلوی جماعت کے نظریات
3.6 بریلوی مکتب فکر کی اہم کتابیں
3.7 سنی بریلوی جماعت کے نمایاں علماء
3.8 سنی بریلوی جماعت کے ممتاز مدارس
3.9 اہم نشریاتی و اشاعتی ادارے
3.10 سنی بریلوی جماعت کے معروف رسالے
3.11 اکتسابی نتائج
3.12 نمونہ امتحانی سوالات
3.12.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
3.12.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات
3.12.3 طویل جوابات کے حامل سوالات
3.13 تجویز کردہ اکتسابی مواد

3.0 تمہید

اس اکائی میں سنی بریلوی جماعت کا تعارف کرایا جائے گا، اس میں سنی بریلوی جماعت کے آغاز، اس کے بانی مولانا احمد رضاء خان کا سوانحی خاکہ، ان کا علمی مقام، ان کی تصنیف کردہ اہم کتابیں، اس جماعت کے اہم نظریات، ممتاز علماء، اہم کتابیں اور اہم ادارے وغیرہ کا جائزہ پیش کیا جائے گا۔

3.1 مقاصد

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد آپ سنی بریلوی جماعت کے تعارف و تاریخ، اس جماعت کے اہم نظریات، ممتاز علماء اور اہم اداروں کے بارے میں واقفیت حاصل کر سکیں گے اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ جماعت کے بانی کی سوانح حیات ان کی اہم تصانیف ان کی اہمیت اور انفرادیت کے حوالے سے معلومات حاصل کر سکیں گے۔

3.2 سنی بریلوی جماعت

برصغیر پاک وہند میں مسلمانوں کی اکثریت حنفی اہل سنت والجماعت کی ہے۔ اس حنفی اہل سنت والجماعت کے دو مکاتب فکر پائے جاتے ہیں۔ ایک دیوبندی مکتب فکر دوسرے بریلوی مکتب فکر۔ دیوبندی مکتب فکر کے نمایاں علماء میں مولانا قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا اشرف علی تھانوی کے نام ہیں۔ جبکہ سنی بریلوی جماعت کے ممتاز علماء میں مولانا احمد رضا خان بریلوی، مولانا مصطفی رضا خان اور مولانا نعیم الدین مرادآبادی وغیرہ ہیں۔ یہ جماعت شمالی ہندوستان میں 1880ء میں قائم ہوئی۔ اس کے بانی مولانا احمد رضا خان ہیں اور اس مسلک کی بنیاد ان ہی کی تحریروں پر ہے۔ مولانا احمد رضاء خان بریلوی کی نسبت سے ہی اس کو سنی بریلوی جماعت کہا جاتا ہے اور اس جماعت کے مسلک کو مسلک اعلیٰ حضرت بھی کہا جاتا ہے۔

3.3 مولانا احمد رضاء خان

مولانا احمد رضا خان علیہ الرحمہ 10 شوال 1272ھ مطابق 14 جون 1856ء کو ہندوستان کی ریاست اتر پردیش کے شہر بریلی میں پیدا ہوئے اور 1921ء میں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ نسبتاً پٹھان مسلکاً حنفی اور مشرباً قادری تھے۔ آپ کے والد ماجد مولوی نقی علی خاں (متوفی 1880ء) اور جد امجد مولوی رضا علی خاں (متوفی 1866ء) اپنے وقت کے ممتاز علماء میں شمار کیے جاتے تھے۔ مولانا احمد رضا خان نے اپنے والد ماجد اور دوسرے اساتذہ سے علوم منقولہ و معقولہ کی تعلیم حاصل کی۔ اساتذہ اور ذاتی مطالعہ سے جن علوم و فنون کی تحصیل کی ان کی تعداد 55 تک پہنچتی ہے اور بعض حضرات نے ان کی تعداد 120 بھی لکھی ہے۔ مولانا اپنی فطری ذکاوت و ذہانت کی وجہ سے علوم عقلیہ و نقلیہ

میں بہت کم عمری میں ہی ماہر ہو گئے تھے۔

مولانا احمد رضا خاں کو بہت سے علوم و فنون میں تبحر حاصل تھا جس کا اندازہ ان علوم فنون میں ان کی بکثرت مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تصانیف سے ہوتا ہے۔ علم قرآن میں ان کا اردو ترجمہ امتیازی شان رکھتا ہے، جو کنز الایمان فی ترجمۃ القران کے نام سے 1330ھ 1911ء میں منظر عام پر آیا۔ پھر اس پر ان کے خلیفہ مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی نے خزائن العرفان فی تفسیر القرآن کے عنوان سے تفسیری حواشی لکھے۔ اس ترجمہ و تفسیر کے بہت سے ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ مولانا نے ترجمہ قرآن کے علاوہ تفسیر کا سلسلہ بھی شروع کیا تھا۔ چنانچہ سورہ ضحیٰ کی بعض آیات کی تفسیر 80 جز تک لکھ کر چھوڑ دی۔ دوسرے دینی و علمی مشاغل کی وجہ سے قرآن پاک کی مبسوط تفسیر لکھنے کا وقت نہ مل سکا۔ یہ کام ان کے تلامذہ و خلفاء اور تلامذہ کے تلامذہ نے انجام دیا۔ مثلاً تفسیر خزائن العرفان، تفسیر حسنات، تفسیر نعیمی، تفسیر ضیاء القران، تفسیر ازہری، تفسیر تنویر القرآن وغیرہ ان کے شاگردوں کی تفاسیر ہیں۔

3.4 مولانا احمد رضا خاںؒ کا علمی مقام

مولانا کو علم حدیث میں بھی تبحر حاصل تھا۔ مولانا کے فتاوی اور رسائل کے مطالعے سے علم حدیث میں ان کی مہارت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ علم حدیث کے علاوہ علم فقہ میں مولانا کو جو مقام و مرتبہ حاصل تھا اس کا اندازہ صاحب نزہۃ الخواطر کے ان تاثرات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ”فقہ حنفی اور اس کی جزئیات پر ان کو جو عبور حاصل ہے اس کی نظیر شاید کہیں ملے اور اس دعوی پر ان کا مجموعہ فتاوی شاہد ہے، نیز ان کی کتاب ”كفل الفقيه الفاهم في احكام قرطاس الدراهم“ بھی اس پر گواہ ہے جو انہوں نے 1323ھ میں مکہ معظمہ میں لکھی تھی۔ فقہ کے جزئیات پر غیر معمولی عبور حاصل تھا۔ مثلاً وہ پانی جس سے وضو جائز ہے مولانا نے اس پانی کی 160 قسمیں بیان کی ہیں اور وہ پانی جس سے وضو ناجائز ہے اس کی 146 قسمیں بیان کی ہیں۔ اسی طرح پانی کے استعمال سے عجز کی 155 صورتیں بیان کی ہیں اور اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ تصنیف کیا جس کا عنوان ہے ”سمع النداء فی ما یورث عن العجز عن الماء“۔ مائے مطلق اور مائے مقید کی تعریف میں ایک رسالہ لکھا جس کا عنوان ہے ” النور والنورق لاسفار ماء مطلق “۔ وہ اشیاء جن سے تیمم جائز ہے ان کی 181 قسمیں بیان کیں جن میں سے 74 تو منصوصات ہیں لیکن 107 کا مصنف نے اضافہ کیا ہے۔ اور وہ اشیاء جن سے تیمم جائز نہیں، ان کی 130 قسمیں بیان کیں جن میں 58 منصوصات اور 72 زیادات ہیں۔ جزئیاتِ فقہ کے علاوہ متونِ فقہ پر مولانا کو جو قدرت حاصل تھی وہ اہل علم کے لیے حیرت انگیز تھی۔ چنانچہ صاحب نزہۃ الخواطر لکھتے ہیں: ”حرمین شریفین کے قیام کے زمانے میں بعض رسائل بھی لکھے اور علمائے حرمین نے بعض سوالات کیے تو ان کے جوابات بھی تحریر کیے۔ متونِ فقہیہ اور اختلافی مسائل پر ان کی ہمہ گیر معلومات، سرعتِ تحریر اور ذہانت کو دیکھ کر سب کے سب حیران اور ششدر رہ گئے۔“ متون فقہیہ پر استحضار کی یہ کیفیت تھی کہ بعض اوقات وہ بغیر دیکھے عبارات کی عبارات لکھتے جاتے تھے۔ چنانچہ قیام مکہ معظمہ کے زمانے میں بھی اس قسم کے مظاہر سامنے آئے۔ آخری ایام میں علالت کی وجہ سے بریلی سے بھوالی چلے گئے تھے، کوئی کتاب پاس نہ تھی۔ اس زمانے میں ایک استفتاء کا جواب دیا تو اس میں کتبِ فقہ و حدیث کے 31 حوالے موجود ہیں۔

فتوی رضویہ کے مطالعے سے مولانا کے تبحر علمی کے ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ علم فقہ کتنا وسیع علم ہے اور ایک باکمال فقیہ ہونے کے لیے کس قدر علوم وفنون سے واقفیت ضروری ہے ۔ مولانا کے دارالافتاء میں ہندوستان، پاکستان، برما، چین، امریکہ، افغانستان، افریقہ، حجاز مقدس اور بلاد اسلامیہ سے بکثرت فتوے آتے تھے۔ اور فتوی نویسی کے فرائض بغیر کسی ادنی معاوضے کے للّٰہیت و خلوص کے ساتھ انجام دیتے تھے۔(حیات امام اہل سنت)

3.4.1 مولانا کے سیاسی افکار:

مولانا نے سیاست میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ ان کے سیاسی افکار کو سمجھنے کے لیے ان کی مندرجہ ذیل تصانیف کا مطالعہ ضروری ہے:

- انفس الفکر فی قربان البقر
- اعلام الاعلام بأن ہندوستان دار السلام
- تدبیر فلاح و نجات و اصلاح
- دوام العیش فی ائمة من قریش
- الحجة المؤتمنة فی آیة الممتحنة
- الطاری الداری لهفوات عبد الباری

ان میں سے چند تصانیف کا مختصر تعارف درج ذیل ہے:

1. انفس الفکر فی قربان البقر

اس رسالے میں ہندوؤں کی تحریک پر کیے جانے والے گائے کی قربانی کے جواز وعدم جواز کے متعلق ایک سوال کا جواب ہے۔ مولانا نے ہندو سیاست کے مضمرات کو نظر میں رکھتے ہوئے جواب دیا کہ ہندوستان میں ہندوؤں کے مطالبات پر گائے کی قربانی کو یک قلم ختم کر دینا ہر گز جائز نہیں۔ بظاہر گائے کی قربانی کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا، لیکن ہند و پاک کی سیاست پر جن کی گہری نظر ہے وہ جانتے ہیں کہ برصغیر کی سیاست میں اس کو اہمیت حاصل رہی ہے۔

2. اعلام الاعلام بأن ہندوستان دار السلام

انگریزوں کے زیر تسلط غیر منقسم ہندوستان کو اس وقت کے بعض علماء نے دارالحرب قرار دے کر سود کو جائز قرار دے دیا تھا، مولانا نے ان علماء سے اختلاف کرتے ہوئے 1888ء میں یہ رسالہ تحریر فرمایا، جس میں انہوں نے ہندوستان کو دارالاسلام اور سود کو حرام قرار دیا۔ ایک عرصہ بعد جب تحریک آزادی ہند کے زمانے میں بعض علماء نے ہندوستان کو پھر دارالحرب قرار دے کر مسلمانوں کو ہجرت پر مجبور کیا تو مولانا نے سخت مزاحمت کی۔

3. دوام العیش فی ائمة من قریش

تیسرا رسالہ "دوام العیش" ہے جس میں مولانا نے مسئلہ خلافت پر بحث کی ہے۔ 1919ء میں تحریک خلافت کا آغاز ہوا۔ اس

تحریک میں جان ڈالنے کے لیے بعض علماء نے خلافت کے لیے قریشی ہونے کی شرط کو ختم کرتے ہوئے سلطان عبد الحمید کو خلیفہ اسلام اور ان کی سلطنت کو خلافت اسلامیہ قرار دیا۔ شریعت اسلامیہ میں خلیفہ اسلام اور سلطان وقت کے لیے شرائط اور ان کی اتباع وحمایت کے احکام جدا جدا ہیں۔ مولانا کے نزدیک خلیفہ کے لیے شرعاً قریشی ہونا ضروری تھا۔ اس لیے ان کو سلطان ترکی اور سلطنت ترکیہ کی حمایت و تائید سے کوئی اختلاف نہ تھا، البتہ سلطان کو خلیفہ کہنے اور سلطنت کو خلافت کا نام دینے سے اختلاف تھا۔ (حیات امام اہل سنت)

3.4.2 مولانا کا دیگر علماء سے نظریاتی اختلاف

صاحب نزہۃ الخواطر نے مولانا کے علمی تبحر، کثرت مطالعہ اور کثرت معلومات کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اللہ نے آپ کو سیال قلم اور معلومات سے بھرپور فکر عطا کیا تھا۔ خاص کر آپ کی فقہی بصیرت اور علم فقہ میں آپ کے تبحر کا دل کھول کر اعتراف کیا ہے۔ لیکن ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ مولانا کے مزاج میں حد درجہ سختی تھی، وہ اپنی رائے کے سامنے کسی کی رائے کو نہ صرف ترجیح نہیں دیتے تھے بلکہ مخالفت کرنے والوں کی بڑی جلدی تکفیر فرمادیا کرتے تھے۔

1311ھ میں مدرسہ فیض عام کانپور میں ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں ہندوستان کے بڑے بڑے علماء نے شرکت کی اور اسی میں ندوۃ العلماء کے قیام کا اعلان کیا گیا۔ اس اجلاس کا اہم مقصد مسلمانوں کو کلمے کی بنیاد پر متحد کرنا، آپس میں جوڑ پیدا کرنا، علماء کے درمیان اتحاد پیدا کرنا اور دینی تعلیم کی اصلاح کرنا تھا۔ اس اجلاس میں مولانا احمد رضا خان نے بھی شرکت کی، لیکن وہ اس اجلاس سے باہر نکل گئے۔ انہوں نے اس جمعیت کی نہ صرف مخالفت کی بلکہ اس مخالفت میں انہوں نے "تحفة الحنفيه لمعارضة ندوة العلماء" کے نام سے رسالہ نکالا اور تقریباً سو رسالے انہوں نے لکھے۔ اس کے علاوہ انہوں نے علماء کی تکفیر پر ہندوستان کے دیگر علماء سے فتاوی اور دستخط حاصل کئے۔ اور ان سب کو ایک کتاب میں جمع کیا جس کا نام ہے "الجام ألسنة لأهل الفتنة"۔ اس سلسلے میں انہوں نے علمائے حرمین سے بھی تائید حاصل کی اور ان سے فتاوی حاصل کیا۔

ان کا عقیدہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو علم غیب کلی حاصل ہے اور کائنات کی ابتدائے تخلیق سے قیامت کے قائم ہونے تک کی تمام چیزوں کا علم تھا، بلکہ جنت اور جہنم کے میں دخول کے حوالے سے تمام جزئیات اور کلیات کا علم تھا، جس کو دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ کو ماکان اور مایکون کا علم حاصل تھا۔ اس حوالے سے انہوں نے دو رسالے تحریر کئے، جن میں ایک کا نام "انباء المصطفی" اور دوسرے رسالے کا نام "خالص الاعتقاد" ہے۔

3.5 سنی بریلوی جماعت کے نظریات

سنی بریلوی جماعت کے چند نظریات ایسے ہیں جو دیگر مکتب فکر سے مختلف ہیں۔ وہ نظریات درج ذیل ہیں۔

1. **نظریہ نور و بشر**

سنی بریلوی جماعت رسول اللہ ﷺ کی نورانیت کے قائل ہیں۔یعنی وہ رسول اللہ ﷺ کو بشر کے بجائے ایک نورانی مخلوق مانتے ہیں۔اس سلسلے میں وہ قرآنی آیات اور احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔جن میں سے ایک وہ حدیث بھی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا:یَا جَابِرُ، اِنَّ االلّٰه تَعَالَي قَدْ خَلَقَ قَبْلَ الْاَشْيَاءِ نُوْرَ نَبِيکَ مِنْ نُورِهِ۔اے جابر اللہ تعالٰی نے ہر تخلیق سے پہلے میرے نور کو اپنے نور سے پیدا کیا۔

2. نظریہ شاہد وناظر

اسی طرح سنی بریلوی جماعت کا ایک نظریہ یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمہ جہت شاہد وناظر ہیں۔وہ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ آپ ﷺ نے دنیا میں عالم غیب کو دیکھ کر اطلاع دی اور اسی طرح بعد از وصال بھی آپ علیہ الصلوۃ والسلام تمام احوال سے باخبر ہیں۔اس سلسلے میں وہ مختلف آیات قرآنی واحادیث نبوی سے استدلال کرتے ہیں۔جن میں سے ایک آیت یہ ہے: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا-اے نبی ہم نے آپ (ﷺ) کو شاہد بنا کر بھیجا۔

3۔ مختار کل

بریلوی مسلک کا نظریہ ہے کہ اللہ تعالی نے انبیاء کرام اور اولیاء عظام کو بہت سے اختیارات سے نوازاہے،بالخصوص نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفی ﷺ کو اللہ تعالی نے مختار کل بنایاہے۔(عقائد اہل سنت مؤلفہ ابو الصالح محمد فیض احمد اویسی)

3. نظریہ توسل

بریلوی حضرات نہ صرف رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی سے توسل کے قائل ہیں بلکہ آپ ﷺ سے منسلک اشیاء مثلاً آپ کے موئے مبارک اور آپ کی نعلین شریفین سے بھی توسل کے قائل ہیں اور اسے عین شرعی قرار دیتے ہیں۔اس کے علاوہ دیگر صحابہ کرام بشمول اہل بیت اطہار اور بزرگان دین سے توسل کو بھی جائز قرار دیتے ہیں۔رسول اللہ ﷺ کے وسیلہ سے بارگاہ الٰہی میں دعا کرنا ان کے نزدیک مستحسن ہے۔اس کے لیے مختلف الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں جیسے توسل،استغاثہ،تشفع،توجہ وغیرہ۔

4. زیارتِ مزارات اور عروس کا انعقاد

سنی بریلوی جماعت کے نظریہ کے مطابق بزرگان دین کے مزارات کی زیارت کرنا اور ان مزاروں پر عروس کا اہتمام کرنا باعث اجر وثواب اور موجب سعادت ومغفرت ہے۔چنانچہ اس کے لئے دور دور سے لوگ اکٹھے ہوتے ہیں۔اور ان عظیم ہستیوں کے روحانی فیوض وبرکات سے مستفید ہوتے ہیں۔ان عظیم ہستیوں کی روحانیت،بزرگی اور ان کی خدماتِ جلیلہ کا وسیلہ پیش کرتے ہوئے اللہ تعالٰی سے دعائیں کرتے ہیں۔

5. نظریہ عیدِ میلاد النبی ﷺ

اس مسلک میں ماہ ربیع الاول کو خاص اہمیت حاصل ہے۔مختلف جگہوں،گھروں،عوامی مقامات اور مساجد میں محافل میلاد منعقد

ہوتی ہیں۔ ان محافل میں علمائے کرام حضور سرور کائنات صَلَّىٰٱللَّٰهُعَلَيۡهِوَسَلَّمَ کی ولادت باسعادت، آپ صَلَّىٰٱللَّٰهُعَلَيۡهِوَسَلَّمَ کی حیات طیبہ اور سیرت مطہرہ کے مختلف گوشوں پر بیانات کرتے ہیں۔ ربیع الاول کے مہینے میں ان محافل کا کثرت سے اہتمام ہوتا ہے۔ اسی طرح سے مختلف شعرا اور نعت خواں حضرات رسول اللہ صَلَّىٰٱللَّٰهُعَلَيۡهِوَسَلَّمَ کی بارگاہ اقدس میں گلہائے عقیدت پیش کرتے ہیں۔ ماہ ربیع الاول کے آغاز سے ہی گھروں اور راستوں کو سجایا جاتا ہے۔ اس کے لئے وہ ترمذی شریف میں موجود "باب ما جاء في ميلاد النبي ﷺ" سے استدلال کرتے ہیں۔ سنی بریلوی جماعت کے علماء کہتے ہیں کہ امام ترمذی نے اپنی کتاب ترمذی شریف میں "باب ماجاء في ميلاد النبي ﷺ" کے عنوان سے ایک مستقل باب باندھا ہے، اگر میلاد النبی منانا بدعت ہے تو اس باب کا کیا مطلب ہے۔ ان کا ماننا ہے کہ امام ترمذی کے عہد تک میلاد النبی منانا بدعت نہیں سمجھا جاتا تھا، بدعت کا بہتان بہت بعد کی ایجاد ہے۔

6. نظریہ محافلِ میلاد

سنی بریلوی جماعت میں محافل میلاد کو حضور علیہ السلام کی ذات مبارکہ سے محبت اور قربت کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ ویسے تو یہ محفلیں سال کے بیشتر اوقات میں سجتی رہتی ہیں، لیکن ربیع الاول کے مہینے میں میلاد کی محفلوں کا خاص اہتمام ہوتا ہے۔ مختلف شعرا اور نعت خواں حضرات حضور علیہ السلام کی بارگاہ اقدس میں گلہائے عقیدت پیش کرتے ہیں۔ اسی طرح جمعہ کے دن درود و سلام کی مجالس منعقد کی جاتی ہیں۔

7. گیارہویں شریف

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی روح پاک کو ایصال ثواب کی غرض سے گیارہویں شریف منعقد کرنا بریلوی جماعت کے مطابق باعث برکت و ثواب ہے اور اس کی مداومت تاثیر عجیب رکھتی ہے، جس کی ممانعت میں نہ کوئی آیت ہے نہ حدیث۔ گیارہویں شریف اور بارہویں شریف وغیرہ کا بغرض ایصال ثواب و نفع اموات و احیاء منعقد کرنا، غرباء کو ایصال ثواب کے بعد طعام تقسیم کرنا ثواب شرعی کی ایک قسم ہے جس کا انکار مضامین قرآن و احادیث و اجماع امت کے مخالف ہے اسے مطلقاً بدعت و حرام بتانا ان کے نزدیک جہالت ہے۔ (عقائد اہل سنت، مؤلفہ مولانا عبد الحامد قادری بدایونی)

اس کے لئے وہ قرآنی آیات کے علاوہ جن احادیث مبارکہ سے استدلال کرتے ہیں ان میں سے ایک یہ حدیث ہے کہ سیدہ عائشہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صَلَّىٰٱللَّٰهُعَلَيۡهِوَسَلَّمَ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صَلَّىٰٱللَّٰهُعَلَيۡهِوَسَلَّمَ میری والدہ فوت ہو گئی ہے اور انہوں نے بوقت انتقال کوئی وصیت نہیں فرمائی فَهَلْ لَهَا أَجْرٌ إِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا؟ قَالَ نَعَمْ پس اگر میں صدقہ اور خیرات کروں تو کیا ان کو ثواب پہنچے گا؟ آپ صَلَّىٰٱللَّٰهُعَلَيۡهِوَسَلَّمَ نے فرمایا ہاں (بخاری و مسلم و ابوداؤد) اسی طرح حضرت انس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّىٰٱللَّٰهُعَلَيۡهِوَسَلَّمَ سے میں نے عرض کیا کہ ہم مردوں کے لیے دعائیں اور ان کی طرف سے صدقات و خیرات اور حج کرتے ہیں کیا یہ چیزیں ان کو پہنچتی ہیں؟ تو رسول اللہ صَلَّىٰٱللَّٰهُعَلَيۡهِوَسَلَّمَ نے فرمایا: إِنَّه ليصل إِلَيْهِم ويفرحون بِهِ كَمَا يفرح أحدكُم بالهدية۔ بیشک یہ چیزیں ان کو پہنچتی ہیں اور وہ ان سے خوش ہوتے ہیں جیسے کہ تم ایک دوسرے کے ہدیہ سے خوش ہوتے ہو (عمدۃ القاری شرح بخاری)

8. مسلکی نقطہ نظر

بریلوی نقطہ نظر کے مطابق سنی بریلوی جماعت کا مسلک ہی حقیقی طور پر تمام صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، صالحین، علماامت اور بزرگانِ دین کا مسلک ہے۔ بریلوی مسلک کی تشریحات کے مطابق، میلاد و قیام، صلوٰۃ وسلام، ایصال ثواب، عرس یہ سب معمولات صدیوں سے اہل سنت والجماعت میں رائج ہیں اور علمائے امت نے انہیں باعث ثواب قرار دیا ہے۔ ان معمولات کو بعد کی پیداوار قرار دینا، انہیں رسومات وبدعات کہنا ضلالت و گمراہی ہے۔

9. توحید و شرک کے بارے میں نقطہ نظر

بریلوی نقطہ نظر کے مطابق حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی ذاتِ مبارکہ کا ادب و تعظیم اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی تعریف و توصیف باعثِ سعادت ہے، اسے شرک پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔ اس مسلک کے مطابق قرآن مجید کی سورہ اخلاص کی روشنی میں شرک کی تین صورتیں ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی ایک بھی صادر ہو تو شرک ہو گا ورنہ نہیں، وہ تین صورتیں درج ذیل ہیں:

- کسی مخلوق کو رب قرار دینا یا اللہ تعالیٰ پر حاکم قرار دینا۔
- کسی کو اللہ کی اولاد قرار دینا یا اللہ کو کسی کی اولاد قرار دینا۔
- کسی مخلوق میں کوئی صفت ازلی (ہمیشہ سے)، ذاتی (از خود بغیر اللہ کی عطا کے) کا عقیدہ رکھنا، یا اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کے ہمسر قرار دینا۔ لہذا اگر حد درجہ مبالغہ آرائی اور غلو کے باوجود اللہ تعالیٰ سے کمتر سمجھا تو شرک نہیں۔

لہذا ان تین شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی نہایت ہی حد درجہ تعریف و توصیف اور ادب و تعظیم جو ذات باری تعالیٰ کے برابر یا زیادہ نہیں، وہ اس مسلک کے نزدیک شرک کے زمرہ میں نہیں ہے۔

10. بدعت کے بارے میں نقطہ نظر

اس مسلک کے نقطہ نظر کے مطابق بدعت کی دو اقسام ہیں: ایک بدعتِ حسنہ یعنی اچھی بدعت اور دوسری بدعتِ سیئۃ یعنی بری بدعت جیسا کہ ذیل کی حدیثِ نبوی میں منقول ہے۔

من سن في الإسلام سنة حسنة كان له أجرها وأجر من عمل بها من بعده لا ينقص ذلك من أجورهم شيئا، ومن سن في الإسلام سنة سيئة كان عليه وزرها ووزر من عمل بها من بعده لا ينقص ذلك من أوزارهم شيئا (أخرجه مسلم في صحيحه)

ترجمہ :۔جو آدمی اسلام میں کوئی اچھا کام جاری کرے پھر اس کے بعد اس پر عمل کیا جائے تو جو لوگ بھی اس پر عمل کریں گے ان کے اجر کی مثل اس (جاری کرنے والے) کے لیے بھی لکھا جائے گا۔ اور خود ان عمل کرنے والوں کے اجر میں سے کچھ کم نہ ہو گا اور جو کوئی اسلام میں کسی برے کام کی طرح ڈالے پھر اس کے بعد لوگ اس کو اپنے عمل میں لائیں تو ان سب کو جو گناہ ہو گا وہ اس (جاری کرنے والے) کے نامہ اعمال میں بھی لکھا جائے گا، جبکہ عمل کرنے والوں کے گناہ میں کچھ کمی نہ ہو گی۔

صحیح مسلم کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے اس مکتب فکر کے مطابق دین میں کوئی نیا اچھا عمل جاری کرنا جو شریعت کے بنیادی اصولوں کے مخالف نہ ہو، نہ صرف جائز بلکہ مستحب عمل ہے۔ جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رمضان المبارک میں باجماعت نمازِ تراویح شروع کرنے کے اپنے عمل کو نِعْمَ الْبِدْعَةُ هَذِهِ (یہ اچھی بدعت ہے، بخاری) فرما کر نبی کریم ﷺ کی حدیثِ مبارکہ کی عملی تشریح کی۔ اسی طرح بہت سے ایسے افعال جو حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں نہیں تھے اور صحابہ کرام یا ان کے بعد امتِ مسلمہ میں رائج ہوئے وہ بدعت کے زمرے میں نہیں آتے۔ جیسے قرآنِ مجید کو خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں کتابی شکل میں جمع کرنا یا بعد ازاں حجاج بن یوسف کے دور میں قرآنِ پاک پر اعراب لگانا، فقہ کی تدوین، نحو کی ایجاد، ایمانِ مفصل وایمانِ مجمل، چھ کلمے، مساجد میں مینار گنبد و محراب، تصوف و طریقت و معرفت وغیرہ ایسے افعال ہیں جو امت میں بعد میں رائج ہوئے اور کسی شرعی حکم سے ٹکراؤ نہ رکھنے کے باعث، یہ افعال حدیثِ نبوی ﷺ کی روشنی میں بدعتِ حسنہ کے ضِمن میں آتے ہیں۔ اسی طرح عید میلاد النبی، قیام وسلام، سوم، چہلم، ختم، عرس اور گیارہویں شریف وغیرہ بھی بدعت حسنہ کے ضمن میں آتے ہیں۔

11. سلفی و دیوبندی مسالک کا اختلافی نقطہ نظر

دیوبندی اور سلفی مکتب فکر کے مطابق، بریلوی مکتب فکر کے کئی نظریات اور معمولات رسول اللہ ﷺ کی سنت سے مطابقت نہیں رکھتے اور وہ ان رسومات اور عقائد کو بدعت اور شرک قرار دیتے ہیں۔ خصوصاً یہ مکاتب فکر عیدِ میلاد النبی ﷺ کو تہوار منانے کے حق میں نہیں اور اسی طرح محافلِ درود وسلام اور گیارہویں شریف کے بارے میں بھی اختلافِ رائے رکھتے ہیں نیز عقیدہ توسل، زیاراتِ مزارات اور عقیدہ شاہد و ناظر کو بھی سلفی حضرات شرک گردانتے ہیں۔

3.6 بریلوی مکتب فکر کی اہم کتابیں

1. کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن

مولانا احمد رضا خان کا اردو ترجمہ قرآن 1911ء میں مکمل ہوا۔ یہ اردو تراجم قرآن میں ایک مشہور ترجمہ ہے، اس ترجمہ کا ترجمہ ہندی، سندھی، انگریزی، ڈچ، گجراتی، پشتو اور بنگلہ میں ہو چکا ہے۔

2. العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویہ

یہ کتاب مولانا احمد رضا خان کے جاری کردہ ہزاروں فتاوی کا مجموعہ ہے، اس علمی ذخیرے کو فقہ حنفی کا انسائیکلوپیڈیا کہا جا سکتا ہے۔ اس کا پورا نام العطایاالنبویہ فی الفتاوی الرضویہ ہے جسے مختصر طور پر فتاویٰ رضویہ کہا جاتا ہے۔ تخریج شدہ تینتیس جلدوں میں شائع ہوئی ہے، جن میں کل 6847 سوالات کے جوابات ہیں اور احمد رضا خان کے 206 رسائل بھی اس میں شامل کر دئے گئے ہیں۔

3. حسام الحرمین

حسام الحرمین مولانا احمد رضا خان کا مرتب کردہ ایک سوالنامہ اور اس پر حرمین شریفین کے مختلف فقہی مکاتب فکر کے سنی علما کا

فتویٰ کفر ہے۔ یہ فتوی 1906ء میں مولانا احمد رضا خان نے عربی و اردو میں شائع کرایا۔ اس میں مرزا غلام احمد قادیانی، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا خلیل احمد انبیٹھوی کی مختلف کتب کی عبارات کو بطور گستاخی پیش کر کے ان پر حکم شرع طلب کیا گیا تھا، جس پر علمائے مکہ و مدینہ نے حکم کفر جاری کیا اور تصدیقات و تقاریظ لکھیں۔ اس پر بعد میں بر صغیر کے 268 علمانے بھی دستخط کیے۔ یہ کتاب چھپنے کے بعد بر صغیر میں دیوبندی و بریلوی کی تخصیص شروع ہوئی، جس نے بعد میں دو مکتب فکر دیوبندی اور بریلوی مکتب فکر کو جنم دیا۔ دیوبندی علماء کا موقف تھا کہ احمد رضا خان نے عرب علما کے سامنے ان کے عقائد کو غلط طور پر پیش کیا ہے۔

اگرچہ احمد رضا خان نے مختلف جماعتوں کے تیئں اپنی شدید تنقید و اختلاف کا اظہار کر چکے تھے، جن میں اثنا عشری شیعہ اور ندوہ العلما دونوں شامل تھے، تاہم جہاں تک تکفیر کی بات ہے تو باضابطہ طور پر 1902ء میں اور پھر 1906ء میں حسام الحرمین لکھ کر انہوں نے بعض مخصوص اشخاص کی تکفیر کی۔ اس وقت تک انہوں نے مختلف مسلم جماعتوں کو بد مذہب، گمراہ، مرتد ہی کہا تھا، ان کی صراحتا تکفیر نہیں کی تھی۔ جس کی وجہ ان کی اپنی تصریح کے مطابق، ان جماعتوں (یا افراد) کی طرف سے ضروریات دین کا انکار تھا، اگرچہ انہوں نے اس مدت کے دوران میں بسا اوقات کافر کی اصطلاح استعمال کی تھی لیکن کسی متعین شخص کے لیے اس کا استعمال نہیں کیا تھا یا دوسرے لفظوں میں متعین طور پر کسی کی تکفیر نہیں کی تھی۔

ان کتابوں کے علاوہ فتاوی الحرمین برجف ندوۃ المین، جد الممتار علی رد المختار، حدائق بخشش، الدولۃ المکیہ،، المعتمد المستند بھی مولانا احمد رضا خان کی تصانیف ہیں جو مسلک بریلوی کی اہم کتب میں شمار ہوتی ہیں۔

4. ضیاء النبی

پیر محمد کرم شاہ الازہری کی سیرت نبوی پر لکھی ہوئی دلنشیں کتاب ہے جو 7 جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کو حکومت پاکستان وزارت مذہبی امور کی طرف سے اردو مقابلہ سیرت 1994ء میں پہلے انعام کی مستحق ٹھہرایا گیا۔ محمد قیوم اعوان نے اس کتاب کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا ہے، اور یہ ترجمہ بھی سات جلدوں میں شائع ہوا ہے۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری کی 'ضیاء النبی' عصر حاضر کی کتب سیرت میں نمایاں مقام و مرتبہ رکھتی ہے۔ اس کتاب میں قدیم و جدید سیرت کے تمام ماخذوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔ صاحب کتاب کا انداز بیاں سادہ، منطقی اور مدلل ہے کتاب میں مغربی مفکرین کی کتب سے بھی اسلام کی حقانیت ثابت کرنے کے لیے حوالے درج کیے گئے ہیں۔

5. تفسیر ضیاء القرآن

مولانا پیر محمد کرم شاہ الازہری کی تفسیر قرآن جو 3500 صفحات اور پانچ جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ تفسیر آپ نے 19 سال کے طویل عرصہ میں مکمل کی۔ یہ تفسیر قدرے مفصل اور معانی قرآن کے بیان میں بہت ہی واضح ہے، مصنف موصوف کی تفہیم کا انداز بڑا اچھوتا ہے۔

6. بہار شریعت

بہار شریعت مولانا محمد امجد علی اعظمی کی وہ کتاب جو دوسرے مصنفین کی جملہ تصانیف پر بھاری ہے۔ یہ ان کی معرکہ آرا تصنیف "بہار شریعت" ہے اس کتاب کے سبب وہ زندہ جاوید ہوئے اس کتاب میں انہوں نے فقہ حنفی کو اردو قالب میں ڈھال کر وقت کی اہم ضرورت کو پورا کیا ہے اس سے فائدہ حاصل کرنے والوں میں علما و عوام دونوں شامل ہیں۔ مصنف فقہ اسلامی اور مسائل شرعیہ کو مکمل طور پر بیس جلدوں میں سمیٹنا چاہتے تھے، مگر عمر نے ساتھ نہ دیا اور سترہ حصے لکھنے کے بعد دنیائے فانی سے کوچ کر گئے اور وصیت کر گئے کہ میری اولاد یا تلامذہ یا علمائے اہل سنت میں سے کوئی اس کو پورا کر دیں۔ چنانچہ ان کے شاگرد اور دیگر علماء نے بہار شریعت کے باقی تین حصے 18،19،20 ضبط تحریر میں لا کر اس کی تکمیل کی ہے۔

3.7 سنی بریلوی جماعت کے نمایاں علماء

سنی بریلوی جماعت کے چند نمایاں علمائے کرام درج ذیل ہیں:

مولانا امام احمد رضاء خان، مولانا مصطفی رضاء خان، مولانا نعیم الدین مراد آبادی، مولانا حسن رضاء خان، مولانا حامد رضاء خان، علامہ ارشد القادری، مولانا محمد امجد علی اعظمی، مولانا پیر محمد کرم شاہ ازہری، مولانا ضیاء المصطفی قادری، مولانا طاہر القادری، مولانا عبد المصطفی اعظمی۔

3.8 سنی بریلوی جماعت کے ممتاز مدارس

چند ممتاز مدارس کے نام یہ ہیں:

منظر اسلام بریلی، مظہر اسلام بریلی، الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور، جامعہ نعیمیہ مراد آباد، دارالعلوم اسحاقیہ جودھ پور، مرکز ثقافت سمیہ کالی کٹ، جامعہ سعدیہ قاصر کوٹ کرالہ، جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء نئی دہلی، دارالعلوم امجدیہ ناگپور، جامعہ حمیدیہ رضویہ بنارس، الجامعۃ الاسلامیہ روناہی فیض آباد، دارالعلوم علیمیہ جمدہ شاہی بستی، دارالعلوم محمدیہ بمبئی، فیض العلوم جمشید پور، ضیاء الاسلام اورہ بنگال، دارالعلوم غریب نواز الہ آباد، احسن المدارس کانپور، دارالعلوم وارثیہ لکھنو وغیرہ۔ ان میں بریلوی مسلک کا سب سے بڑا اور مرکزی ادارہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور ہے۔

3.9 اہم نشریاتی و اشاعتی ادارے

سنی دارالاشاعت مبارک پور، المجمع الاسلامی مبارک پور، رضا اکیڈمی ممبئی، دارالقلم دہلی، ادارہ افکار حق، مکتبہ جام نور دہلی، فاروقی رضوی کتاب دہلی اور بھیونڈی، مکتبہ نعیمیہ دہلی، قادری کتاب گھر بریلی، مکتبہ رحمان علی بریلی وغیرہ۔

3.10 سنی بریلوی جماعت کے معروف رسالے

ماہنامہ کنز الایمان دہلی، ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور، ماہنامہ سنی دنیا بریلی، ماہنامہ اعلی حضرت بریلی، ماہنامہ طیبہ احمد آباد، ماہنامہ

یاسین کوٹہ راجستھان، ماہنامہ صراط مستقیم اودے پور راجستھان، ماہنامہ طیبہ جودھپور راجستھان۔

3.11 اکتسابی نتائج

- اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:
- برصغیر پاک وہند میں حنفی اہل سنت والجماعت کی ایک شاخ سنی بریلوی جماعت ہے۔ اس کے بانی مولانا احمد رضا خان ہیں اور اس مسلک کی بنیاد ان ہی کی تحریروں پر ہے۔ اس مسلک کو مسلک اعلیٰ حضرت بھی کہا جاتا ہے۔
- مولانا احمد رضا خان 14 جون 1856ء کو ہندوستان کی ریاست اترپردیش کے شہر بریلی میں پیدا ہوئے۔ اور 1921ء میں آپ کا انتقال ہوا۔
- مولانا احمد رضا کو کئی علوم وفنون میں تبحر حاصل تھا۔ انہوں نے قرآن کریم کا اردو ترجمہ کنز الایمان فی ترجمۃ القران کے نام سے کیا۔
- فقہ حنفی اور اس کی جزئیات پر ان کو جو عبور حاصل تھا، اس کی نظیر بہت کم ملتی ہے۔ ان کا مجموعہ فتاوی ''فتاوی رضویہ'' ایک اہم شاہکار ہے۔
- سنی بریلوی جماعت کے نظریات بعض چیزوں میں علمائے دیوبند اور علمائے اہل حدیث سے مختلف ہیں۔ مثلاً ''نظریہ نور و بشر'' بریلوی مسلک کے حامل افراد رسول اللہ ﷺ کی نورانیت کے قائل ہیں۔
- ''نظریہ شاہد وناظر'' اسی طرح سنی بریلوی جماعت کا یہ نظریہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمہ جہت شاہد وناظر ہیں۔ وہ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ آپ ﷺ نے دنیا میں عالم غیب کو دیکھ کر اطلاع دی اور اسی طرح بعد از وصال بھی آپ علیہ الصلوۃ والسلام تمام احوال سے باخبر ہیں۔
- ''زیارتِ مزارات اور عروس کا انعقاد'' سنی بریلوی جماعت کے نظریہ کے مطابق بزرگان دین کے مزارات کی زیارت کرنا اور ان مزاروں پر عروس کا اہتمام کرنا باعث اجر وثواب اور موجب سعات ومغفرت ہے۔
- ''نظریہ عیدِ میلاد النبی ﷺ'' اس مسلک میں ماہ ربیع الاول کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ مختلف جگہوں، گھروں، عوامی مقامات اور مساجد میں محافل عید میلاد النبی منعقد ہوتی ہیں۔ اور وہ اس کو ایک عظیم تہوار کے طور پر مناتے ہیں۔
- ''نظریہ محافلِ میلاد'' سنی بریلوی جماعت میں محافل میلاد کو حضور علیہ السلام کی ذات مبارکہ سے محبت اور قربت کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔
- ''گیارہویں شریف'' حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی روح پاک کو ایصال ثواب کی غرض سے گیارہویں شریف منعقد کرنا بریلوی جماعت کے مطابق باعث برکت وثواب ہے اور اس کی مداومت تاثیر عجیب رکھتی ہے، جس کی ممانعت میں نہ کوئی آیت ہے نہ حدیث۔

- مولانا احمد رضاء کا مجموعہ فتاوی ''العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویہ'' اور ''حسام الحرمین'' اور مفتی امجد علی اعظمی کی ''بہار شریعت'' اس مسلک کے فتاوی کی بنیادی اور مشہور کتابیں ہیں۔
- پیر محمد کرم شاہ الازہری کی سیرت نبوی پر لکھی ہوئی دلنشیں کتاب ''ضیاء النبی''، اور تفسیر کے موضوع پر تصنیف کردہ ''تفسیر ضیاء القرآن'' بھی بڑی شہرت کی حامل ہیں۔
- منظر اسلام بریلی، مظہر اسلام بریلی، الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور، جامعہ نعیمیہ مراد آباد، دارالعلوم امجدیہ ناگپور وغیرہ اس مسلک کے چند ممتاز اور مشہور مدارس ہیں۔

3.12 نمونہ امتحانی سوالات

3.12.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. مولانا احمد رضا کی ولادت کس سن عیسوی میں ہوئی؟

(a). 1888ء (b). 1877ء (c). 1856ء (d). 1857

2. امام احمد رضا کس شہر میں پیدا ہوئے؟

(a). بدایوں (b). میرٹھ (c). دہلی (d). بریلی

3. امام احمد رضا کا سن وفات کیا ہے؟

(a). 1920 (b). 1921 (c). 1924 (d). 1925

4. کتاب ''دوام العیش فی ائمۃ من قریش'' امام احمد رضا کی کس فکر کو بیان کرتی ہے؟

(a). سیاسی (b). سماجی (c). اصلاحی (d). علمی

5. ''تحفۃ الحنفیہ لمعارضۃ ندوۃ العلماء'' نامی کتاب کس سن میں تالیف کی گئی؟

(a). 1311ھ (b). 1315ھ (c). 1345ھ (d). 1346ھ

6. بریلوی مکتب فکر میں گیارہویں شریف کس کی روح کو ثواب پہنچانے کے لیے منایا جاتا ہے؟

(a). شیخ عبدالقادر جیلانی (b). امام حسین (c). حضرت علی (d). حضرت حسن بصری

7. بزرگان دین کے مزارات کی زیارت اور عروس کا انعقاد سنی بریلوی جماعت کے نزدیک کیا ہے؟

(a). فرض (b). واجب (c). سنت (d). باعث اجر وثواب

8. بہار شریعت کس کی تصنیف ہے؟

(a). پیر کرم شاہ زہری (b). مفتی امجد علی (c). مولانا احمد رضا (d). علامہ ارشد القادری

9. بریلوی مسلک کا سب سے بڑا ادارہ کون سا ہے؟

(a)جامعہ اشرفیہ مبارک (b)جامعہ نعیمیہ مراد آباد (c)دارالعلوم امجدیہ ناگپور (d)جامعہ حمیدیہ رضویہ بنارس

10. تفسیر ضیاء القران کس کی تصنیف ہے؟

(a)مولانا محمد اختر رضا قادری ازہری (b)علامہ ارشد القادری (c)پیر کرم شاہ ازہری (d)مولانا ضیاء المصطفی قادری

3.12.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. فقہ میں مولانا احمد رضا کا علمی مقام بیان کیجیے۔
2. نظریہ عید میلاد النبی کیا ہے واضح کیجئے۔
3. عرس کسے کہتے ہیں اور کب منایا جاتا ہے؟
4. مولانا احمد رضا نے کن دیوبندی علماء کے بارے میں کفر کا فتوی دیا تھا؟
5. مولانا احمد رضا کے سیاسی افکار پر روشنی ڈالیے۔

3.12.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. مولانا احمد رضا کی سوانح حیات پر ایک تفصیلی نوٹ لکھیے۔
2. بریلوی جماعت کے نظریات کو تفصیل سے قلم بند کیجیے۔
3. کتاب حسام الحرمین کا تفصیلی جائزہ پیش کیجیے۔

3.13 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. تعارف اہل سنت : یسین اختر مصباحی
2. عقائد اہل سنت : مولانا محمد عبد الحامد قادری بدایونی
3. عقائد اہل سنت : مولانا منور حسین عثمانی رضوی
4. حیات امام اہل سنت : پروفیسر محمد مسعود احمد
5. مطالعہ بریلویت : ڈاکٹر خالد محمود
6. امام احمد رضا نمبر، ماہ نامہ "المیزان" بمبئی، ۱۹۷۶ء

اکائی 5: وہابی تحریک

اکائی کے اجزا:

5.0 تمہید

5.1 مقصد

5.2 وہابی تحریک کا پس منظر

5.3 بانی تحریک

5.3.1 دعوت و تبلیغ

5.3.2 1744ء میں عینیہ آمد

5.3.3 درعیہ آمد

5.3.4 تبلیغ عام

5.3.5 وفات اور دعوت کا اثر

5.3.6 تصنیفات

5.4 وہابی تحریک

5.5 کلیدی الفاظ

5.6 اکتسابی نتائج

5.7 نمونہ امتحانی سوالات

5.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

5.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

5.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

5.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

5.0 تمہید

وہابی تحریک کی شروعات سعودیہ عرب میں ہوئی۔ اس تحریک کے بانی محمد بن عبدالوہاب ہیں۔ جنہوں 18ویں صدی کی ابتدائی دہائیوں میں اپنی تعلیمات کی ابتدا کی۔ ان کی تعلیمات کا مرکز توحید ہے اور وہ اسلامی تصور کو پاک وصاف کرنے اور اسلامی تعلیمات کو شریعت کی روح کے مطابق عمل پیرا ہونے کی بات کرتے ہیں۔ آپ جب عرب میں پیدا ہوئے اس وقت عرب کی مذہبی اور سیاسی حالات دونوں ابتر تھے۔ خانہ جنگی اور بدحالی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ محمد بن عبدالوہاب نے اپنی تعلیمات سے لوگوں کو متاثر کیا اور اس تحریک سے لوگ وابستہ ہوئے اور آپ کی تحریک نے مسلمانوں کی سیاسی، مذہبی وسماجی زندگی پر بھی اثرات مرتب کیے۔ اس تحریک کے عالم اسلام کے خطوں میں ان کی پیروکاروں کی ایک بڑی تعداد ہے۔ وہابی تحریک سعودی اور خلیجی ممالک کی سیاست میں اپنا اثر رکھتی ہے۔ بظاہر یہ تحریک مذہبی ہے لیکن روز اول سے ان جگہوں کی سیاست سے گہرا تعلق رہا ہے۔

5.1 مقصد

اس اکائی کا مقصد ہے کہ آپ عالم اسلام کی مشہور تحریک وہابی سے روشناس ہوسکیں۔ اس اکائی میں آپ وہابی تحریک کا پس منظر، بانی تحریک، دعوت کی شروعات، تصنیفات اور وہابی تحریک کے بارے میں جانیں گے۔

5.2 وہابی تحریک کا پس منظر

شیخ محمد بن عبدالوہاب جب نجد میں پیدا ہوئے تو اس وقت نجد میں کوئی متحدہ حکومت نہیں تھی بلکہ یہ علاقہ چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم تھا اور خود مختار ریاستوں والا رہا۔ ہر ریاست ایک دوسرے سے آزاد تھی۔ عیینہ کا خاندان معمر کے ہاتھوں میں تھا، درعیہ آل سعود کے پاس، ریاض آل دواس اور حائل آل علی کے ماتحت وغیرہ۔ ان آزاد حکومتوں میں وقتاً فوقتاً ایک دوسرے پر برتری حاصل کرنے کے لیے لڑائی جھگڑے اور جنگیں بھی ہوتی رہتی تھی۔ مذہبی واخلاقی حالتوں کا معائنہ کریں تو وہ بھی بہت بہتر نہ تھی بلکہ اس میدان میں بھی مسلمان حد درجہ گمراہی میں مبتلا تھے۔ ایک اللہ کی جگہ کئی خدا بنا لیے گیے تھے اور مسلمان شجر و حجر کے سامنے عبادت کرنے لگے، اور کتاب وسنت کی تعلیم کو یکسر بھلا دیا۔ امریکی مصنف اسٹاڈرڈ نے اپنی کتاب "The New World of Islam" میں اس کی عکاسی کی ہے:

"مذہب بھی دیگر امور کی طرح پرستی میں تھا۔ تصوف کے طفلانہ توہمات کی کثرت نے خالص اسلامی توحید کو ڈھک لیا تھا۔ مسجدیں ویران اور سنسان پڑی تھیں۔ جاہل عوام ان سے بھاگتے تھے اور تعویذ گنڈے اور مالا میں پھنس کر گندے فقیروں اور دیوانے درویشوں پر اعتقاد رکھتے اور بزرگوں کے مزاروں پر زیارت کو جاتے، جن کی پرستش بارگاہ ایزدی کے شفیع اور ولی کے طور کی جاتی تھی، کیوں کہ ان جاہلوں کا خیال تھا کہ خدا کی برتری کے باعث وہ اس کی طاقت بلا واسطہ ادا نہیں کرسکتے۔ قرآن کریم کی تعلیم نہ صرف پس پشت ڈال دی گئی تھی بلکہ اس کی خلاف ورزی بھی کی جاتی تھی۔۔ یہاں تک کہ مکہ و مدینہ بداعمالیوں کا مرکز بن گیے تھے اور حج جس کو رسول اللہ نے فرائض میں داخل کیا تھا بدعات کی وجہ سے حقیر ہو گیا تھا۔ فی الجملہ اسلام کی جان نکل چکی تھی۔۔۔۔ اگر محمد ﷺ پھر دنیا میں تشریف لائیں تو وہ

اپنے ماننے والوں کے ارتداد اور بت پرستی پر بے زاری کا اظہار فرماتے۔"

بارہویں صدی کے ابتدائی دور میں اسلامی دنیا اور مقامات مقدسہ کا جو حال تھا اس اقتباس سے آپ اندازہ کرسکتے ہیں۔ جزیرۃ العرب کے دل نجد کی حالت اور بدتر تھی، ان کی اخلاقی حالت بھی خستہ تھی، اچھائی اور برائی کا کوئی اصول باقی نہیں تھا۔ شرکیہ عقائد اس طرح دلوں میں رچ بس چکے تھے کہ اچھی خاصی تعداد ان برائیوں کو دین کا صحیح طریقہ تصور کرتی اور اس پر عمل کرتی تھی۔ شیخ محمد کی دعوت سے پہلے اہل نجد کی حالت ایسی تھی کہ شاید ہی کوئی غیرت مند مسلمان اس کو پسند کرتا۔ ان کے اندر کئی برائیاں پھیل چکی تھی مثلاً درختوں، پتھروں، غاروں اور قبوں کی عبادت کی جاتی تھی۔ ساحروں اور کاہنوں کا جلوہ تھا ہر معاملے میں ان سے رائے لی جاتی اور ان کا قول حتمی ہوتا۔ غرض حرمین شریفین کی بھی یہی حالت تھی۔ امام محمد بن عبدالوہاب نے جب ہوش سنبھالا اور اپنے اطراف کا جائزہ لیا تو صورت حال دیکھ کر بے چین ہو گیے۔ تعلیمی سفر مکمل کرنے کے بعد آپ اس صورت حال کو بدلنے کے لیے فکر مند ہوئے۔ آپ نے اعلائے کلمۃ اللہ، تبلیغ دین، اشاعت توحید و سنت اور اللہ کی راہ جہاد کے لیے کمربستہ ہو گیے اور اس مشکل سفر میں آپ کو وہ ساری تکلیفیں برداشت کرنی پڑیں اور ان ساری آزمائشیں کا سامنا کرنا پڑا جو اہل حق کو کرنا پڑتا ہے۔ آپ نے ان تمام آزمائشوں میں اصحاب تجدید دین کے طرز پر صبر کا مظاہرہ کیا۔ آپ نے درعیہ میں اپنی دعوت کا مرکز بنایا۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب ہی تھے جنہوں نے اس تاریکی بھرے دور میں حق کی روشنی جلائی اور سرزمین نجد کے لوگوں کی زندگی و عقائد اور اخلاقی صورت میں غیر معمولی انقلاب برپا کر دیا۔ آپ نے مسلمانوں کی شان و شوکت لوٹانے کے لیے دن رات ایک کر دیا۔ حجاز کے سعودی خاندان کو حکومت کی ذمہ داری بتائی۔

5.3 بانی تحریک

محمد بن عبدالوہاب 1703ء میں شہر عینیہ کے قبیلہ بنو تمیم میں پیدا ہوئے۔ آپ کے خاندان کو اس علاقے میں مقبولیت حاصل تھی کیوں کہ علماء و صلحاء کا خاندان شمار کیا جاتا تھا۔ آپ کے دادا سلیمان بن علی اس علاقے کے بڑے عالم شمار کیے جاتے تھے اور عینیہ شہر کے قضاۃ کی ذمہ داری کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ عینیہ کی عوام یا علما کے درمیان کسی مسئلے پر اختلاف ہوتا تو لوگ انہی کے پاس آتے۔ آپ کے والد عبدالوہاب بھی شہر عینیہ اور حریملا کے قاضی رہے۔ فقہ کے بڑے ماہرین میں آپ کا شمار ہوتا ہے فقہ کے مختلف مسائل پر کتابیں بھی لکھیں۔ لیکن ان کو وہ شہرت نہ حاصل ہو سکی جو ان کے والد کو حاصل تھی۔ شیخ محمد نے دس سال کی عمر میں پورا قرآن حفظ کرلیا۔ اپنے والد کے ساتھ آپ بھی مطالعہ کرتے رہتے۔ آپ کی ذہانت کے قائل والد محترم بھی تھے۔ اپنے والد سے ہی فقہ حنبلی کی تعلیم مکمل کی اور اس کے علاوہ تفسیر، حدیث اور فقہ کی کتابوں کا بھی علم حاصل کیا۔ امام ابن تیمیہ اور ابن القیم کی کتابوں نے آپ کو کافی متاثر کیا۔ بلوغت کے بعد حج کی سعادت حاصل کی اور حرم شریف کے بعض شیوخ سے استفادہ کیا۔ پھر مدینہ میں آپ کو علمی ماحول دستیاب ہوا تو وہاں ٹھہرے اور علمی پیاس بجھائی۔ مدینہ میں پوری دنیا کے طلبا استفادہ کے لیے آتے تھے اس لیے اس کا علمی ماحول عینیہ سے مختلف تھا اور مدینہ میں فقہی مسائل کے علاوہ دیگر اسلامی علوم کی بھی تعلیم دی جاتی تھی۔ مزید تعلیم کے حصول کے لیے آپ نے بصرہ کا ارادہ کیا اور شیخ محمد المجموعی سے

فقہ وحدیث کا درس حاصل کیا۔

5.3.1 دعوت و تبلیغ

شیخ محمد بن عبد الوہاب بچپن سے ہی بھلائی کا حکم دو اور برائی سے روکو کی طرف راغب تھے۔ جب وہ اپنے شہر عینیہ میں تعلیم حاصل کر رہے تھے تو وہ اعمال ان کی نظروں میں کھٹکنے لگتا جو دین کے اصول کے خلاف ہوتا۔ آپ اس برائی کو روکنے کے لیے کھڑے ہو جاتے۔ مدینہ میں جب علم حاصل کیا اور چاروں طرف نظر گھمائی تو پوری دنیا انہیں گمراہی کی طرف گامزن دکھائی دی۔ سب سے پہلے آپ نے "استغاثہ" کے خلاف علم بلند کیا۔ بصرہ میں پہنچے تو وہاں کے لوگوں کو بھی ان برائیوں میں ملوث پایا تو آپ نے بلاخوف و خطر اس برائی کے خاتمے کی کوششیں کرنے لگے۔ اس سلسلے میں وہاں کے علمائے کرام سے مباحثے اور مناقشے بھی ہوئے۔ بصرہ کے علمائے سو ان کے خلاف سینہ سپر ہو گیے۔ ان کو اور ان کے شیخ محمد مجموع کو بھی تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا۔ کیوں کہ شیخ مجموع کی پشت پناہی آپ کے کاموں کو حاصل تھی۔ غرض مخالفین کی تعداد موافقین سے زیادہ ہو گئی اور مخالفت اتنی بڑھی کہ بصرہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا گیا۔ موقع کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے آپ نے بصرہ چھوڑ کر شام جانے کا ارادہ کیا لیکن اخراجات کی قلت کے سبب زبیر کے لیے نکل گیے۔ دوران سفر آپ پیاس کی شدت سے بے حال ہو گیے تو ایک شخص ابو حمیدان نامی نے آپ کو پانی پلایا اور منزل مقام تک پہنچایا۔ وہاں سے احساء کا رخ کیا اور علمائے کرام سے ملاقات کر کے آپ نے حریملا کا رخ کیا جہاں آپ کے والد منتقل ہو چکے تھے۔

یہ سب دعوت کی ابتدائی اور تمہیدی کوششیں تھیں۔ حریملا آنے کے بعد آپ نے بدعات کا خاتمہ اور توحید کی تعلیم کو عام کرنے کا ارادہ کیا۔ دعوت کی بنیاد توحید پر رکھی اور ساری عبادتوں کو صرف اللہ کی ذات سے مخصوص کرنے پر زور دیا۔ آپ نے مسجد میں درس دینا شروع کیا اور دن بہ دن لوگ آپ کی تعلیمات سے متاثر ہونے لگے۔ آپ نے چوری، ڈاکہ زانی، مکاری اور لوٹ مار جیسی بری عادتوں کو چھڑوانا اور ان میں سچائی و ہمدردی پیدا کرنا تھا۔ غرض اخلاقی گراوٹ جو لوگوں کے دلوں کو اسلامی تعلیمات سے منحرف کر چکی تھی اس کی اصلاح کا بیڑہ اٹھایا۔ مشرکانہ طور طریقے اور آبائی رسم و رواج کی اصلاح ہر کسی کے بس کی بات نہ تھی۔ اس راہ میں شیخ محمد کو تکلیفوں کا بھی سامنا کرنا پڑا لیکن ان مصیبتوں کو آپ نے خندہ پیشانی کے ساتھ قبول کیا۔ توحید کی دعوت دی، غیر اللہ کے آگے سر جھکانے اور قبروں کی زیارت میں مسنون جو طریقہ تھا اس کے خلاف جو عمل لوگوں نے شروع کر لیے تھے ان کو مٹانے کے لیے عملی اقدام شروع کیے تو پھر دوست، اعزا و اقربا سب جان کے دشمن بن گیے۔ خود والد محترم نے بھی اس عمل کو ناپسند فرمایا۔ آپ نے باپ کے ادب اور بحیثیت استاذ ان کے احترام کو ملحوظ رکھا لیکن جو قدم آگے بڑھا چکے تھے اسے پیچھے نہ ہٹایا۔ تمام مشکلات کے باوجود آپ نے اپنی دعوتی سرگرمیوں کا سلسلہ جاری و ساری رکھا اور حریملا، عینیہ، درعیہ اور ریاض وغیرہ کے علاقوں میں آپ کی شہرت پھیل چکی تھی۔ والد محترم جب تک باحیات رہے ان کے رتبے کا پاس و لحاظ رکھتے ہوئے دعوتی سرگرمیوں کی رفتار مدھم ہی رہی۔ لیکن 1740ء میں والد کی وفات کے بعد اس دعوت کے مشن میں پوری طرح لگ گیے اور کھلم کھلا دعوت دینی شروع کی۔ سنت اور بدعات کو چھوڑنے کا درس دینے لگے جس سے حریملا کے چند افراد متاثر ہوئے اور آپ کے مشن کے معاون بن گیے۔ آپ کی مشہور تالیف "کتاب التوحید" اسی دوران تالیف ہوئی۔

5.3.2 1744ء میں عینیہ آمد

عینیہ منتقل ہونے کے فیصلے کے پیچھے کئی وجوہات تھیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ وہاں کے امیر آپ کی دعوت و تبلیغ سے پہلے سے ہی متاثر تھے اور ان کی حمایت آپ کی دعوت کے لیے مددگار ثابت ہو سکتی تھی۔ دوسرے یہ کہ حریملا میں دو خاندان سرادری کے لیے آپس میں الجھے ہوئے تھے۔ شیخ محمد کا یہ ماننا تھا کہ بغیر کسی امیر کی حمایت کے دعوت کو دور تک لے جانا آسان نہیں۔ اسی مناسبت سے آپ نے امیر عثمان بن معمر جو عینیہ کے امیر تھے ان سے خط و کتابت کی اور امیر کو اپنے ہم خیال پایا تو آپ نے وہاں منتقل ہو جانا مناسب سمجھا۔ شیخ کی آمد پر امیر عینیہ نے خوش آمدید کہا اور ان کو سر آنکھوں پر بٹھایا اور فرمایا کہ آپ دعوت و تبلیغ میں مشغول ہو جائیں ہم آپ کے ساتھ ہیں اور ہر طریقے سے آپ کی مدد کریں گے۔ آپ نے امیر عینیہ اور عوام کے سامنے توحید کا مفہوم واضح کیا، اس دعوتی مہم میں ان لوگوں سے امداد و تعاون کی درخواست کی۔ انہی کی مدد سے آپ نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی دعوت پورے زور وشور سے شروع کر دی۔ دھیرے دھیرے عینیہ کے لوگ جڑنے لگے۔ اس دور میں شیخ بدعات کے بعض اڈوں کو اکھاڑ پھینکنے کا ذمہ لیا جس میں وہ کامیاب بھی ہوئے۔ اس علاقے میں بعض پیڑوں کو عزت و عظمت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اس کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا، اس کے علاوہ زید بن خطاب (جو جنگ یمامہ میں شہید ہوئے تھے) کے نام سے موسوم ایک قبر تھی اس کا خاتمہ کیا۔ شیخ محمد نے امیر عینیہ کو باجماعت نماز قائم کرنے کی تاکید کی اور چھوڑنے والوں کو سزائیں تجویز کی، شیخ کی آمد سے پہلے یہاں کے حکام طرح طرح کے ٹیکس حاصل کرتے تھے شیخ نے سب کو بند کروادیا اور زکوۃ کا نفاذ کروایا۔ امیر عثمان زیادہ دنوں تک اپنے قول پر قائم نہ رہ سکا جس کی وجہ سے شیخ کو بعد میں درعیہ منتقل ہونا پڑا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ عینیہ میں آپ کا قافلہ دن بہ دن بڑھتا جارہا تھا کہ ایک واقعہ ہوا جس نے عینیہ سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ "ایک عورت شادی شدہ گناہ کی مرتکب ہوئی اور اس نے شیخ کے سامنے گناہ کا اعتراف بھی کر لیا۔ بار بار جرح کرنے پر بھی وہ اپنے اقرار سے نہ پھری۔ مجبوراً شیخ نے سنگ باری کا حکم دیا۔ عثمان بن معمر نے مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ یہ فرائض انجام دیے، سب سے پہلا شخص جس کا ہاتھ پتھر کی طرف بڑھا وہ عثمان تھا۔" (محمد بن عبد الوہاب، ایک مظلوم اور بدنام مصلح، مسعود عالم ندوی، ص38)

یہ خبر پورے علاقے میں پھیل گئی تو ان لوگوں کو زیادہ پریشانی ہوئی جو اس طرح کی برائیوں میں ملوث تھے۔ یہ لوگ حاکم احسا وقطیف سلیمان بن محمد عزیز الحمیدی کے پاس پہنچے اور اسے شیخ کے خلاف آمادہ کیا۔ کیوں کہ وہ بذات خود ان برائیوں میں شریک تھا۔ رجم کے واقعے سے اس کا پریشان ہونا بنتا بھی تھا۔ لوگوں نے یہ بھی کہا کہ یہ شخص تمہاری آزادی میں رکاوٹ بننا چاہتا ہے۔ اس نے فوراً امیر عینیہ عثمان بن معمر کو دھمکی بھرا خط لکھا۔ اس شخص کی کارکردگی ایسی ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے ورنہ تم کو جو کچھ ملتا ہے وہ روک دیا جائے گا۔ یہ رقم اتنی زیادہ تھی کہ امیر عینیہ شش و پنج میں مبتلا ہو گیا اور دنیا کی دولت توحید کی دولت پر حاوی ہو گئی۔ اس نے یہ ساری باتیں شیخ کے گوش گزار کیں تو شیخ نے اس کو سمجھایا اور وہ راضی ہو گیا لیکن دوسری بار شیخ کو اس نے اپنے علاقے سے نکل جانے کے لیے کہا تو شیخ عینیہ سے نکل کر درعیہ کا رخ کیا۔

5.3.3 درعیہ آمد

درعیہ میں آپ نے عبد اللہ بن عبد الرحمن بن سویلم العزینی کے گھر پر قیام کیا، پھر ایک شاگرد احمد بن سویلم کے گھر منتقل ہو گیے۔ امیر درعیہ محمد بن سعود کو خبر ملتے ہی اپنے بھائیوں کے ساتھ حاضر ہوا اور ان کو مدد کی یقین دہانی کرائی۔ شیخ نے اس کے جواب میں اپنی دعوت پر روشنی ڈالی اور اصلاح کی طرف توجہ مبذول کرائی۔ امیر محمد بن سعود پر آپ کی دعوت اثر کر گئی اور بے ساختہ بول اٹھا:

"اے شیخ! یہ تو بلاشبہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا دین ہے۔ میں آپ کی امداد واطاعت اور مخالفین توحید سے جہاد کرنے کے لیے تیار ہوں لیکن میری دو شرطیں ہیں:

1. اگر ہم نے آپ کی مدد کی اور اللہ نے ہمیں فتح دی تو آپ ہمارا ساتھ نہ چھوڑیں۔
2. اہل درعیہ سے فصل کے وقت میں کچھ مقررہ محصول لیتا ہوں آپ مجھے اس سے نہ روکیں۔

شیخ نے جواب دیا: "پہلی شرط بسر و چشم منظور ہے، ہاتھ لاؤ۔ دوسری شرط تو ان شاء اللہ تمہیں فتوحات اور غنیمتوں میں اتنا کچھ مل جائے گا کہ اس خراج کا خیال بھی دل میں نہ آئے گا۔" (ایضاً ص 42)

امیر درعیہ نے بھی ان شرطوں پر رضامندی ظاہر کی اور شیخ کے ہاتھوں بیعت کی۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا وعدہ کیا۔ قرآن اور نبی کریم ﷺ کی سنت پر چلنے کا ارادہ کیا۔ امیر کے بیعت کرنے سے سماج پر اس کا کافی اثر پڑا اور لوگ آپ کی دعوت میں شامل ہونے لگے۔ عینیہ کے لوگ جو شیخ کی تعلیمات سے متاثر ہو چکے تھے وہ بھی درعیہ منتقل ہو گیے۔ امیر درعیہ کی بیعت کی وجہ سے دعوت کے لیے ہموار زمین تیار ہو گئی۔ امیر درعیہ کے تین بھائیوں نے بھی اس تبلیغ میں شامل ہوئے اور پوری امداد کا وعدہ کیا۔ شیخ کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کو دیکھ امیر عینیہ کو افسوس ہونے لگا تو وہ شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی مانگی اور واپس عینیہ چلنے کی گزارش کی۔ شیخ نے جواب میں کہا کہ " اب یہ امیر ابن سعود کے اختیار میں ہے، ان کی اجازت ہو تو میں تیار ہوں، ورنہ انہیں چھوڑ کر اب کسی دوسرے کی رفاقت منظور نہیں۔" (ایضاً ص 44) اس جواب کو سن کر امیر عینیہ نے خود امیر سعود سے ملاقات کر کے شیخ کو لے جانے کی اجازت مانگی، لیکن امیر سعود کسی قیمت پر ان کو دور کرنے کے لیے راضی نہ ہوئے۔

شیخ کی آمد سے پہلے درعیہ ایک چھوٹا سا قصبہ تھا، جہاں کتاب و سنت کی تعلیمات کو بھلا کر عبادت کے نت نئے طریقے اختراع کر لیے گیے تھے۔ شیخ نے وعظ و دروس کا اہتمام کیا اور صبح سے شام تک کتاب و سنت کی تعلیمات عام کرتے رہے۔ شیخ اپنی دعوت میں توحید و اخلاص کی ضروری باتیں یاد کروانے کی کوشش کرتے۔ شیخ کی دعوت کا اثر بہت جلدی لوگوں پر ہونے لگا اور وعظ و تذکیر کا یہ فائدہ ہوا کہ رسم و رواج کو لوگ قرآن و حدیث کی روشنی میں دیکھنے لگے۔ غرض دور دور سے لوگ اس دعوت میں شامل ہونے لگے۔ درعیہ کے لوگ تو پہلے ہی دن سے آپ پر سب کچھ نچھاور کر چکے تھے لیکن شیخ نے اپنی دعوت کو وسعت دی۔ نجد کے مختلف گوشوں اور ان علاقوں کے امراء کو دعوت دی۔ اس امر میں مخالفت بھی ہوئی لیکن دھیرے دھیرے اس کے اثرات نظر آنے لگے۔ درعیہ میں آنے کے دوسرے سال ہی امیر عینیہ نے آکر بیعت کی اور حریملا کے لوگ بھی آپ کی دعوت سے متاثر ہوئے۔ امیر درعیہ کی مدد کا یہ حال تھا کہ خمس اور زکوۃ کی جو بھی

رقمیں آتیں ان کو شیخ کے ہاتھوں میں دے دیا جاتا۔ جس کو شیخ بلا جھجک اللہ کی راہ میں خرچ کرتے۔ ریاض کے فتح ہونے تک شیخ نے بیت المال اور دیگر امور میں دلچسپی دکھائی تھی لیکن جب ان کی دعوت کو ایک مقام حاصل ہو گیا تو انہوں نے امیر عبد العزیز کو حکومت کا کلی طور پر مالک بنا کر اپنے آپ کو الگ کر لیا۔ اپنی پوری توجہ تعلیم و تدریس پر لگا دی حالانکہ امیر عبد العزیز ہر کام میں شیخ سے مشورہ کرتے اور ان کی رائے کا احترام کرتے۔

5.3.4 تبلیغ عام

جب درعیہ اور آس پاس کے علاقوں میں آپ کی دعوت کا چرچا ہر سو ہو گیا تو لوگ جوق در جوق آپ کی دعوت سے استفادہ کرنے لگے۔ اب تک شیخ کی دعوت نجد کے علاقوں تک محدود رہی اور یہ دعوت تو سبھی لوگوں کے لیے تھی، اصلاح کی شروعات آپ نے اپنے گھر سے ہی کی تھی اور عینیہ، حریملا اور درعیہ دعوت کے مرکز بنے۔ شیخ نے اپنی دعوت کا حلقہ وسیع کیا اور دوسرے شہروں کے علماء اور قاضیوں کے پاس تبلیغی خطوط روانہ کیے۔ چند لوگوں نے ہی شروع میں اس دعوت کو قبول کیا باقی لوگوں نے اس کا مذاق اڑایا۔ شیخ کے بھائی سلیمان بن عبد الوہاب جو اپنے والد کی جگہ پر حریملا میں قاضی تھے، شروعاتی دور میں انہوں نے بھی مخالفت کی اور ان کے رد میں رسالے بھی لکھے۔ حالانکہ بعد میں انہوں نے رجوع کر کے بیعت کی۔ شیخ کے تبلیغی رسالے اور ہدایت نامے چاروں طرف پھیل رہے تھے۔ جیسے جیسے شیخ کی دعوت کو قبولیت حاصل ہوتی رہی، اسی طرح امیر بن سعود کا سیاسی قد بھی بڑھتا رہا۔ اہل نجد اور شیخ کی طاقت میں اضافہ دیکھ کر لوگوں نے الزامات لگانا شروع کیے لیکن آپ نے ان تمام طاقتوں کا جواب بڑی خوش اسلوبی سے دیا۔ ان سب کے باوجود شیخ کی دعوت کے دائرے میں اضافہ ہوتا رہا اور یہ دعوت درعیہ سے نکل کر تمام علاقوں میں پھیل گئی۔

5.3.5 وفات اور دعوت کا اثر

پچاس سال دعوتی کوشش کے بعد 1792ء میں شیخ محمد کی وفات ہوئی۔ آپ کی پوری زندگی دعوت و تبلیغ، جدوجہد اور رسول اللہ کی شریعت کی طرف رہنمائی میں گزری۔ آپ کی ہی کوششوں سے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا ماحول قائم ہوا۔ عوام آباء واجداد کی اندھی اتباع کو چھوڑ کر راہ حق کی طرف واپس آئے۔ مساجد پھر سے آباد ہو گئیں، گاؤں اور محلوں میں امن و سکون قائم ہو گیا اور لوگوں نے غلط عادتوں کو ترک کر دیا۔ شیخ نے صحرا اور دیہاتوں میں بھی اپنے مبلغین بھیجے اور پورے نجد کی صورتحال تبدیل ہو گئی۔ آپ کی وفات کے بعد ان کے بیٹوں اور شاگردوں نے اس تحریک کو آگے بڑھایا۔ شیخ کی وفات کے بعد دونوں خاندان کے لوگوں نے اس بات پر معاہدہ کیا کہ وہ اس بات کے پابند رہیں گے جو ان کے بزرگوں کے درمیان ہوا۔ اس وقت سے آج تک سعودی حکومت اور وہابی تحریک دونوں ساتھ ساتھ ہیں۔ وہابی تحریک کو سیاسی قوت کے ذریعہ محمد بن سعود آگے بڑھائیں گے اور ضرورت پڑے تو فوجی طاقت کا استعمال کرنے سے اجتناب نہیں کریں گے۔ اس کے عوض میں محمد بن عبد الوہاب نہ صرف ان کو مذہبی قدر و منزلت دلائیں گے بلکہ اپنی دعوت سے ان کی توسیع حکومت میں بھی ان کے حامی ہوں گے۔

5.3.6 تصنیفات

شیخ کی کتابوں میں سب سے زیادہ شہرت "کتاب التوحید" کو حاصل ہے۔ اس کتاب کا پورا نام "کتاب التوحید الذی ھو حق اللہ علی العباد" ہے۔ اس میں صاحب مصنف نے توحید کی حقیقت، اس کے حدود، شرک اور اس کی برائیاں اور اس مصیبت کے تمام راستوں کو واضح کر دیا ہے۔ ہر باب میں قرآن وحدیث سی مثالیں پیش کی ہیں۔ اس کتاب کے کئی زبانوں میں ترجمے بھی ہو چکے ہیں۔ اس کی کئی ساری شرحیں بھی لکھی گئی۔ دوسری کتاب "کشف الشبہات من التوحید" یہ کتاب التوحید کا ہی حصہ ہے۔ اصول الایمان: ایمان کے مختلف ابواب کی احادیث سے تشریح کی گئی ہے۔ کتاب فضل الاسلام: اسلام کے شرائط کی توضیح کے ساتھ ساتھ بدعت و شرک کی برائیاں واضح کی ہیں۔ ستتہ مواضع من السیرۃ: سیرت طیبہ کے چھ مقامات کی توضیح اور ان کے نکات پر ایک چھوٹا سا رسالہ ہے۔ مسائل الجاہلیۃ: اس رسالے میں شیخ الاسلام نے ایسے ایک سو اکتیس مسلے بیان کیے ہیں۔ جن میں رسول ﷺ نے اہل جاہلیت اور ان کے معتقدات کی مخالفت کی ہے۔ کتاب السیرۃ: یہ سیرت ابن ہشام کا خلاصہ ہے۔ اس کے علاوہ بھی آپ کی کتابیں اور رسالے ہیں۔

5.4 وہابی تحریک

شیخ محمد بن عبد الوہاب کی دعوت جسے عرف عام میں وہابیت کے نام سے جانا اور پہچانا جاتا ہے۔ یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے بلکہ یہ لوگ کتاب وسنت کی صحیح تعلیمات کو پیش کرتے ہیں۔ لیکن سیاسی وجوہات کی بنا پر اس گروپ کو وہابیت کے نام سے موسوم کیا گیا اور ان کو اس طرح سے دکھایا گیا کہ گویا اسلام کے علاوہ کوئی نئی چیز پیش کر رہے ہوں۔ وہابیت لفظ کا استعمال زیادہ تر ان کے مخالفین استعمال کرتے ہیں۔ ہندوستان میں بھی جب سید احمد شہد اور مولانا اسماعیل شہید دہلوی نے اپنی تحریک شروع کی تو اس تحریک کو بھی وہابیت کے نام سے موسوم کر دیا گیا۔

فقہی مسالک کا جائزہ لیں تو امام محمد اور ان کے ہمنوا اعقائد و اعمال میں سلف کی پیروی کرتے ہیں اور مسلک کے اعتبار سے امام احمد بن حنبل کی اتباع کرتے ہیں۔ حنبلی مسلک کے خلاف بھی کوئی حدیث مل جائے تو اس کو قبول کرنے میں ذرا بھی نہیں جھجکتے اور کسی کو حنبلی مسلک کو ماننے کے لیے مجبور نہیں کرتے بلکہ اس بات کی دعوت دیتے ہیں کہ حنفی اور شافعی رہتے ہوئے بھی بدعات اور بے ہودہ رسموں کو ختم کریں۔ عقائد کی بابت وہ سلف کے مسلک پر ہیں۔ شیخ نے اپنے وعظ اور کتابوں میں توحید پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔ آپ نے علی الاعلان توحید کی دعوت دی اور شرک جیسی برائیوں سے متنبہ کیا۔ اب ہم شیخ کی رائے اور عقیدہ میں توحید سے دوری اور شرک سے قریب کرنے والی باتوں کا جائزہ لیں گے۔

1. مصیبتوں میں غیر اللہ کو پکارنا یا اللہ کے ساتھ غیر کو بھی پکارنا:
2. استغاثہ: یعنی غیر اللہ سے فریاد چاہنا۔
3. توسل: یہ تین معنوں میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔ الف۔ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا وسیلہ تو فرض ہے۔ ب۔ نبی کریم ﷺ کی

دعا اور شفاعت کو وسیلہ بنانا۔ ج۔ وہ توسل جس میں اللہ کو انبیا و صالحین کی ذات کا واسطہ دلایا جاتا ہے۔

4. استغاذہ: توحید کا اقتضا یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ، اس کے اسماء اور صفات کے سوا کسی مخلوق کو پناہ بھی نہ ڈھونڈی جائے۔

5. الحلف بغیر اللہ: غیر اللہ کی قسم کھانا بھی توحید کی روح کے خلاف ہے۔

6. زیارت قبور: زیارت قبور کے منکر نہیں بلکہ وہ ان بدعات کے سخت مخالف ہیں جو قبروں کے پاس روا رکھی جاتی ہیں۔ (ایضاً ص 133-138)

شیخ محمد بن عبدالوہاب کی دعوت کی شروعات شہر عینیہ سے ہوئی لیکن حالات موافق نہ ہونے کی وجہ سے آپ کو یہ شہر چھوڑنا پڑا اور درعیہ منتقل ہو گیے جہاں کے امیر محمد بن سعود نے آپ کی مدد کی۔ دونوں کے درمیان جو معاہدہ ہوا اس سے اس دعوت کو وسیع کرنے کے زیادہ مواقع نصیب ہو گیے۔ اس معاہدے کی وجہ سے اس تحریک کو سلطنت و حکومت ایمانی قوت بھی نصیب ہوئی۔ بعد میں جب سعودی حکومت کی وسعت ہوئی تو اس تحریک نے بھی فائدہ اٹھایا، سرزمین حجاز فتح ہونے کے بعد مکہ و مدینہ میں اپنی دعوت کو فروغ دینے کا موقع ملا۔ پھر ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ حج کے موقع پر دنیا کے مختلف گوشوں سے لوگ تشریف لاتے ان کے درمیان اپنے افکار و نظریات اور تعلیم کی نشر و اشاعت کا خوب موقع ملا۔

5.5 کلیدی الفاظ

ابتر : خستہ تباہ و برباد

روشناس : جان پہچان، واقفیت

شجر و حجر : درخت اور پتھر

درویش : سائل، فقیر، راہب

5.6 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- بارہویں صدی کے ابتدائی دور میں اسلامی دنیا اور مقامات مقدسہ کا جو حال تھا وہ بہت افسوس ناک تھا۔ جزیرۃ العرب کے دل نجد کی حالت اور بدتر تھی، ان کی اخلاقی حالت بھی خستہ تھی، اچھائی اور برائی کا کوئی اصول باقی نہیں تھا۔ شرکیہ عقائد اس طرح دلوں میں رچ بس چکے تھے کہ اچھی خاصی تعداد ان برائیوں کو دین کا صحیح طریقہ تصور کرتا تھا اور اس پر عمل کرتا تھا۔ شیخ محمد کی دعوت سے پہلے اہل نجد کی حالت ایسی تھی کہ شاید ہی کوئی غیرت مند مسلمان اس کو پسند کرتا۔
- محمد بن عبدالوہاب 1703ء میں شہر عینیہ کے قبیلہ بنو تمیم میں پیدا ہوئے۔ آپ کے خاندان کو اس علاقے میں مقبولیت حاصل تھی کیوں کہ علماء و صلحاء کا خاندان شمار کیا جاتا تھا۔ آپ کے دادا سلیمان بن علی اس علاقے کے بڑے عالم شمار کیے جاتے تھے اور عینیہ

شہر کے قضاۃ کی ذمہ داری کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ عینیہ کی عوام یا علما کے درمیان کسی مسئلے پر اختلاف ہوتا تو لوگ انہی کے پاس آتے۔ آپ کے والد عبد الوہاب بھی شہر عینیہ اور حریملا کے قاضی رہے۔

- تعلیمی سفر مکمل کرنے کے بعد آپ اس صورت حال کو بدلنے کے لیے فکر مند ہوئے۔ آپ نے اعلائے کلمۃ اللہ، تبلیغ دین، اشاعت توحید و سنت اور اللہ کی راہ جہاد کے لیے کمربستہ ہوگیے اور اس مشکل سفر میں آپ کو وہ ساری تکلیفیں برداشت کرنی پڑیں اور ان ساری آزمائشیں کا سامنا کرنا پڑا جو اہل حق کو کرنا پڑتا ہے۔ آپ نے ان تمام آزمائشوں میں اصحاب تجدید دین کے طرز پر صبر کا مظاہرہ کیا۔ آپ نے درعیہ میں اپنی دعوت کا مرکز بنایا۔
- پچاس سال دعوتی کوشش کے بعد 1792ء میں شیخ محمد کی وفات ہوئی۔ آپ کی پوری زندگی دعوت و تبلیغ، جدوجہد اور رسول اللہ کی شریعت کی طرف رہنمائی میں گزری۔ آپ کی ہی کوششوں سے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا ماحول قائم ہوا۔ عوام آباءواجداد کی اندھی اتباع کو چھوڑ کر راہ حق کی طرف واپس آئے۔ مساجد پھر سے آباد ہوگئیں، گاؤں اور محلوں میں امن وسکون قائم ہوگیا اور لوگوں نے غلط عادتوں کو ترک کردیا۔ شیخ نے صحرا اور دیہاتوں میں بھی اپنے مبلغین بھیجے اور پورے نجد کی صورتحال تبدیل ہوگئی۔
- شیخ محمد بن عبد الوہاب کی دعوت جسے عرف عام میں وہابیت کے نام سے جانا اور پہچانا جاتا ہے۔ یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے بلکہ یہ لوگ کتاب وسنت کی صحیح تعلیمات کو پیش کرتے ہیں۔ لیکن سیاسی وجوہات کی بنا پر اس گروپ کو وہابیت کے نام سے موسوم کیا گیا اور ان کو اس طرح سے دکھایا گیا کہ گویا اسلام کے علاوہ کوئی نئی چیز پیش کررہے ہوں۔ وہابیت لفظ کا استعمال زیادہ تر ان کے مخالفین استعمال کرتے ہیں۔

5.7 نمونہ امتحانی سوالات

5.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. محمد بن عبد الوہاب کب پیدا ہوئے؟

(a). 1703ء   (b). 1705ء   (c). 1803ء   (d). 1805ء

2. "کتاب التوحید" کے مصنف کا نام بتائیں؟

(a). محمد بن عبد الوہاب   (b). شیخ صفی الرحمن   (c). علامہ ابن بازؒ   (d). سب صحیح

3. شیخ محمد بن عبد الوہاب کس قبیلہ میں پیدا ہوئے؟

(a). بنو تمیم   (b). ہاشم   (c). مطیر   (d). بنی حنیفہ

4. شیخ محمد بن عبد الوہاب کی وفات کب ہوئی؟

(a).1792ء (b).1850 (c).1947 (d).1857

5. کس امیر نے آپ کی دعوت کو قبول کیا اور کلی طور سے آپ کے مشن کو قوت پہنچائی؟

(a). محمد بن سعود (b). امیر عبد الوہاب (c). سلیمان بن علی (d). سید اسماعیل شہید

6. وہابی تحریک کا مرکز بتائیں؟

(a). درعیہ (b). دمشق (c). بغداد (d). سب غلط

7. وہابی تحریک کی شروعات کس ملک سے ہوئی؟

(a). سعودی عرب (b). ایران (c). افغانستان (d). سری لنکا

8. شیخ محمد بن عبد الوہاب کی دعوت کی شروعات کس شہر سے ہوئی؟

(a). شہر عینیہ (b). شہر درعیہ (c). ریاض (d). حائل

9. "اصول الایمان" کے مصنف کا نام بتائیں؟

(a). محمد بن سعود (b). محمد بن عبد الوہاب (c). سلیمان بن علی (d). علامہ بن بازؒ

10. محمد بن عبد الوہاب نے کس سے فقہ وحدیث کا درس حاصل کیا؟

(a). شیخ محمد المجموعی (b). شیخ امیر سعود (c). شیخ سلیمان بن علی (d). سب غلط

5.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. درعیہ میں آپ کی دعوتی کوششوں کے بارے میں مختصراً بیان کیجیے۔
2. عینیہ منتقل ہونے کے پیچھے کی وجوہات پر روشنی ڈالیے۔
3. شیخ محمد بن عبد الوہاب کی وفات اور دعوت کے اثرات کا جائزہ لیجیے۔
4. محمد بن عبد الوہاب کی تصنیفات پر نوٹ لکھیے۔
5. شیخ محمد بن عبد الوہاب کی تبلیغ کا جائزہ لیجیے۔

5.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. وہابی تحریک کا پس منظر بیان کیجیے۔
2. وہابی تحریک پر ایک تفصیلی مضمون لکھیے۔
3. بانی تحریک کے ابتدائی حالات اور ان کی دعوت و تبلیغ پر مضمون لکھیے۔

5.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. محمد بن عبد الوہاب ایک مظلوم اور بدنام مصلح، مولانا مسعود عالم ندوی، اردو ڈائجسٹ پرنٹر، 1975
2. شیخ محمد بن عبد الوہاب اور ان کی دعوت، شیخ عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز، مترجم مولانا عبد العلیم بستوی، ادارہ احیاء السنہ النبویہ، سرگودھا، 1973
3. وہابی تحریک، ڈاکٹر محمد خلیل ہراس، مترجم، محمد خالد سیف اللہ، طارق اکیڈمی، لاہور، 2000
4. شیخ محمد بن عبد الوہاب کی سیرت، دعوت اور اثرات، جمال الدین زرابوزو، ترجمہ اسد اللہ مدنی، شعبہ مطبوعات و علمی تحقیقات، وزرات برائے اسلامی امور واوقاف ودعوت وارشاد، 1433ھ
5. شیخ محمد بن عبد الوہاب اور ان کی دعوت، ابو المکارم ازہری، شعبہ دعوت و تبلیغ مدرسہ اسلامیہ، مظفر پور، 1983

اکائی 6: سنوسی تحریک

اکائی کے اجزا:

6.0 تمہید

6.1 مقاصد

6.2 سنوسی تحریک: ایک نظر میں

6.3 سنوسی تحریک کے قائدین

6.3.1 محمد بن علی سنوسی

6.3.2 سید محمد مہدی سنوسی

6.3.3 سید احمد شریف سنوسی

6.3.4 سید محمد ادریس سنوسی

6.3.5 شیخ عمر بن مختار شہید

6.4 سنوسی تحریک کے مقاصد

6.5 سنوسی تحریک کے زاویے

6.5.1 زاویوں کے تحت انجام پانے والے کام

6.5.2 زاویوں کا تنظیمی ڈھانچہ:

6.6 اکتسابی نتائج

6.7 نمونہ امتحانی سوالات

6.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

6.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

6.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

6.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

6.0 تمہید

سنوسی تحریک عالم اسلام کی ایک ایسی تحریک ہے جس نے مسلمانوں میں اسلامی تعلیمات کا بڑے پیمانہ پر احیاء کیا۔ یہ تحریک دیگر تحریکات میں اس اعتبار سے ایک نمایاں مقام رکھتی ہے کہ اس نے مسلمانوں میں محض اسلامی تعلیمات کو پھیلانے اور انہیں ان پر عمل کرنے کے لئے راغب ہی نہیں کیا، بلکہ ان کی فلاح و بہبودی کے لئے انہیں مختلف ہنر اور پیشوں کی تعلیم دی۔ ان کے ضرورت مندوں کی امداد کی۔ غیروں کی استبدادی طاقتوں کے خلاف انہیں تیار کیا، ان کی تربیت کی، اسلحوں سے آراستہ کیا۔ اس تحریک کے ان حالات و واقعات کو آپ اس اکائی میں تفصیلی طور پر جانیں گے۔

6.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد یہ ہے کہ سنوسی تحریک سے واقف ہوا جائے۔ سنوسی کا آغاز مکہ مکرمہ سے ہوا، پھر لیبیا میں اس نے بڑے پیمانے پر اصلاحی و دعوتی کام انجام دیئے۔ اس اکائی کے پیش نظر یہ بات ہے کہ اس تحریک کے آغاز وارتقاء اور پھر زوال سے آگاہی حاصل ہو۔ اس تحریک نے لیبیا کے صحراؤں میں جو چوروں اور ڈاکوؤں کا اڈہ تھا کس طرح ان کی اصلاح کی، اور ان مقامات کو امن وسکون کا گہوارہ بنادیا۔ اسی طرح ان کے زاویے جو ان کی تمام تر سرگرمیوں کے مراکز تھے وہ کس طرح کام کرتے تھے، اور ان میں کیا کام انجام پاتے تھے۔ ان کے قائدین کون کون رہے، انہوں نے اس تحریک کے لئے کیا خدمات انجام دیں۔ اس تحریک کے مرکزی مقامات کون کون رہے، اور کس طرح ان میں تبدیلی واقع ہوتی رہی۔ اس تحریک کے ان تمام گوشوں اور پہلوؤں سے واقف ہونا اس اکائی کے مقاصد میں شامل ہے۔

6.2 سنوسی تحریک: ایک نظر میں

سنوسی تحریک ایک اصلاحی اور تبلیغی تحریک کے طور پر جانی جاتی ہے۔ اس تحریک کا آغاز محمد بن علی سنوسی نے مکہ مکرمہ میں کیا تھا۔ یہ تحریک اس بنیادی سوچ اور فکر کے ساتھ شروع ہوئی تھی کہ مسلمانوں کے قبائلی اور علاقائی اختلافات کو ختم کرتے ہوئے ان کے درمیان آپسی اتحاد واتفاق اور یکجہتی کو فروغ دی جائے۔ مذہب اور سیاست کو ہم آہنگ کیا جائے۔ اس کا پہلا مرکز 'زاویہ' 1253ھ مطابق 1837ء میں انہوں نے 'جبل ابو قبیس' میں قائم کیا تھا۔ اس کے بعد مصر، لیبیا، سوڈان، اور الجزائر میں بھی یہ زاویے بڑی تعداد میں قائم ہوئے۔ یہ زاویے اس تحریک کی سرگرمیوں کے مراکز تھے۔ ان میں لوگوں کو تعلیم و تعلم سے آراستہ کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں مختلف قسم کے ہنر بھی سکھائے جاتے تھے، تاکہ ان کی اجتماعی زندگی کامیاب ہو۔ اسی طرح جنگی داؤپیچ کی بھی عملی تربیت ہوتی تھی۔ ان میں لوگوں کے شرعی مسائل حل کرنے کے علاوہ ان کے باہمی نزاعی اور اختلافی معاملات بھی فیصل کئے جاتے تھے۔ یہ تحریک اپنے قائد ثانی 'شیخ محمد مہدی سنوسی' کے زمانہ میں اپنے عروج کو پہنچ گئی تھی، اس کی شہرت یورپی استعماری طاقتوں اور عثمانی سلطنت کے سامنے ایک طاقتور حریف

کے طور پر ہونے لگی تھی، اور سنوسی تحریک کے حاملین اس تحریک کو ہی اپنی سلطنت اور اس کے قائد کو اپنا سلطان خیال کرنے لگے تھے۔ لیکن پھر محمد مہدی سنوسی کے بعد یہ عروج باقی نہ رہا۔ ان کی وفات کے بعد یورپی ممالک فرانس اور اٹلی وغیرہ کے خلاف مسلسل جنگیں ہوتی رہیں، جس سے نہ صرف ان کی گرفت اپنے علاقوں پر کمزور ہوئی بلکہ بہت سے علاقے ان کے ہاتھوں سے نکل گئے۔ چوتھے قائد محمد ادریس کے عہد میں یہ سلسلہ جاری رہا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد لیبیا کو جب ایک آزاد ملک مان لیا گیا تو اس کے پہلے بادشاہ کے طور پر محمد ادریس کو ہی تخت سلطنت پر بیٹھنے کا فخر حاصل ہوا۔ پھر 1968ء میں لیبیا پر کرنل قذافی کے قبضہ کر لینے کے بعد اس تحریک کا خاتمہ ہو گیا۔

6.3 سنوسی تحریک کے قائدین

6.3.1 محمد بن علی سنوسی

اس تحریک کے بانی محمد بن علی السنوسی جو کہ 'سنوسی الکبیر کے طور پر بھی جانے جاتے ہیں، آپ کی پیدائش 'الجزائر' کے مستغانم نامی شہر میں 1202ھ مطابق 1787ء میں ہوئی تھی۔ ابتدائی تعلیم آپ نے وطن میں حاصل کی، پھر آپ 1223ھ مطابق 1808ء میں مراکش تشریف لے گئے، جہاں شہر فاس کی مشہور درسگاہ جامع قرویین میں سات سالوں تک اعلیٰ شرعی تعلیم حاصل کرتے رہے، ساتھ ہی آپ نے وہاں تصوف و سلوک کے منازل بھی طے کرتے رہے۔ آپ کو شیخ ابو العباس احمد بن محمد تجانی سے جن کی جانب 'سلسلہ تجانیہ' منسوب ہے، اجازت و خلافت بھی حاصل ہوئی۔

1230ھ میں آپ نے حج کیا، بعد ازاں اور مختلف ممالک مثلاً الجیریا، تونس، طرابلس، مصر وغیرہ کے دورے کرتے رہے۔ اس پورے دورے میں آپ مسلمانوں کو اسلامی طرز زندگی، آپسی اتحاد و اتفاق اور مذہب و سیاست کی یگانگت کی تعلیم دیتے رہے۔ لیکن اختلاف نقطہ نظر کی وجہ سے قاہرہ (مصر) کے بعض علماء نے آپ کے خلاف فتوے جاری کئے، دیگر علاقوں میں بھی آپ کو مخالفتوں سے دوچار ہونا پڑا۔ بالآخر 1241ھ مطابق 1826ء میں آپ واپس حجاز مقدس چلے گئے۔ مکہ مکرمہ میں آپ نے مختلف اکابر علماء بالخصوص شیخ سید احمد بن ادریس سے کسب فیض کیا۔ 1246ھ مطابق 1830ء میں جب فرانس نے آپ کے وطن الجزائر پر قبضہ کر لیا تو آپ نے وطن کو خیر باد کہہ کر اپنے شیخ سید احمد کی مصاحبت اختیار کر لی، پھر جب 1837ء میں شیخ کا انتقال یمن میں ہو گیا تو آپ مکہ مکرمہ میں مقیم ہو گئے، اور وہیں دعوتی سرگرمیوں کو جاری کیا۔ پھر اسی سال یعنی 1253ھ مطابق 1837ء میں آپ نے اپنی سرگرمیوں کا ایک مرکز، ایک خانقاہ کی شکل میں قائم کیا، جو اس 'سنوسی تحریک' کا اولین مرکز تھا۔ یہ خانقاہ مسجد حرام کے پہلو میں واقع پہاڑی 'جبل ابی قبیس' پر قائم کیا گیا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد آپ اسکندریہ چلے گئے اور وہاں ایک زاویہ قائم کیا، لیکن جلد ہی اسے بھی خیر باد کہہ دینا پڑا۔ پھر 1255ھ مطابق 1840ء میں حج کے بعد آپ مدینہ منورہ کے راستہ سے مصر ہوتے ہوئے لیبیا پہنچے، اور 1256ھ مطابق 1840ء کو وہاں کے برقہ نامی مقام کے جبل الاخضر میں ایک دوسری خانقاہ قائم کی۔

پھر 1246ھ مطابق 1846ء میں آپ دوبارہ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، اور وہاں تقریباً چھ سالوں تک اپنی سرگرمیوں کو بڑے

پیمانے پر انجام دیتے رہے۔ وہاں آپ کا خصوصی حلقہ درس منعقد ہوتا تھا، جس سے طلبہ کی بڑی تعداد مستفید ہوتی تھی۔ 1266ھ میں آپ نے ایک زاویہ مدینہ منورہ میں قائم کیا، جہاں تعلیم وتربیت کے ساتھ ساتھ دیگر اصلاحی وتبلیغی سرگرمیوں کو بھی بڑے پیمانے پر انجام دینا شروع کیا گیا۔ مکہ مکرمہ میں آپ کی سرگرمیاں بہتر طریقہ پر انجام پارہی تھیں لیکن حالات نے دفعتاً ایسی کروٹ لئے کہ انہیں مکہ مکرمہ چھوڑنا پڑا۔ شریف مکہ عبد المطلب نے کسی وجہ سے سلطنت عثمانیہ سے بغاوت کردی، اور عثمانی حکمراں کو یہ اطلاع دی گئی کہ اس بغاوت میں شیخ سنوسی کا بڑا ہاتھ ہے۔ چنانچہ وہاں سے قاہرہ ہوتے ہوئے مقام جیزہ (مصر) کے کرداستہ نامی مقام پر قیام فرمایا اور اپنی دعوتی واصلاحی سرگرمیوں کو جاری کیا، بڑی تعداد میں لوگ آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے، لیکن جلد ہی آپ کو یہ علاقہ بھی چھوڑنا پڑا۔ جس کے بعد آپ واپس برقہ (جبل الاخضر) آگئے۔ جہاں آپ کو اپنے کام کے لئے کافی پرسکون ماحول ہاتھ آیا۔ آپ کی تحریک میں دن بدن لوگوں کا اضافہ ہونے لگا، لیکن شریف مکہ مکرمہ کی بغاوت کے سلسلہ میں آپ پر جو جھوٹا الزام لگا تھا، اس کی وجہ سے حکومت عثمانیہ کی جانب سے آپ کی گرفتاری کی کوششیں مسلسل جاری تھیں، جس سے آپ کو کبھی اطمینان حاصل نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ آپ نے اپنے مریدین کے مشورے سے جغبوب کے نخلستان میں قیام کرنے کا فیصلہ کیا اور 1273ھ میں وہاں منتقل ہوگئے۔ وہاں ایک بڑا زاویہ قائم کیا اور بہت ہی آزادی کے ساتھ اپنی فکر کو لوگوں میں پھیلایا۔ بہت بڑی تعداد میں لوگ اس فکر اور تحریک سے جڑے، یہاں تک کہ وسطی سوڈان کا سلطان دوائی محمد شریف بھی آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوگیا، جو اس مشن میں آپ کی پشت پناہی کرتا رہا تھا۔ بالآخر 1276ھ مطابق 1859ء میں اسی مقام پر آپ نے وفات پائی اور وہاں کی مسجد کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

آپ نے اپنے پیچھے جو علمی یادگار چھوڑیں ان میں درج ذیل کتابیں خاص قابل ذکر ہیں:

1. كتاب إيقاظ الوسنان في العمل بالحديث والقرآن۔
2. السلسبيل المعين في الطرائق الأربعين۔
3. كتاب المنهل الروي الرائق في أسانيد العلوم وأصول الطرائق۔
4. الشموس الشارقة في أسانيد بعض شيوخنا المغاربة والمشارقة۔

6.3.2 سید محمد مہدی سنوسی

سید محمد مہدی سنوسی والد صاحب محمد بن علی سنوسی کے بعد اس تحریک کے قائد ہوئے، اور چونکہ آپ نے کم عمری محض 16 سال کی عمر میں قیادت سنبھال لی تھی اس لئے معاملات اور انتظام وانصرام کی دیکھ بھال کے لئے دس شیوخ پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی گئی تھی، پھر جب آپ بالغ اور باشعور ہوگئے تو سارے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لئے۔

ان کے دور میں سنوسی تحریک نے اور بھی زیادہ ترقی کی۔ ان کی تعلیم وتدریس کی شہرت طرابلس، تونس، الجزائر، مراکش، مصر اور حجاز وغیرہ سے نکل کر صحرائے اعظم اور جنوبی علاقوں میں پھیل گئی اور بہت بڑی تعداد میں لوگ آکر آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہونے لگے۔ جس کے نتیجہ میں ان علاقوں میں بہت ہی تھوڑے عرصہ میں سینکڑوں زاویے قائم ہوگئے۔ بتدریج ان مریدین کی تعداد میں

اس قدر اضافہ ہوا کہ لوگوں میں یہ خیال عام ہونے لگا کہ وہی ان کے سلطان اور بادشاہ ہیں۔ عثمانی سلطنت جو اس وقت روبہ زوال تھی، اس وقت کے سلطان عبد الحمید ثانی نے سنوسی تحریک کی بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھتے ہوئے چاہا کہ انہیں اپنے حامیان میں شامل کر لیں، لیکن محمد مہدی سنوسی نے ان کی اس رائے سے اتفاق نہ کیا، اور اسی کے بعد 1895ء میں مرکزی مقام جغبوب سے مقام 'کفرہ' منتقل ہو گیا تھا، تاکہ وہ سلطان عبد الحمید کی پہنچ سے دور سے دور تر ہو جائیں۔ کفرہ ایک اہم تجارتی مرکز تھا، جہاں افریقہ کے دور دراز علاقوں سے تجارتی قافلے آتے تھے، جس کی وجہ سے اسلامی تعلیمات اور سنوسی تحریک کو اس مقام سے پھلنے پھولنے میں بڑی مدد ملی۔ کفرہ میں سنوسی تحریک کا مرکزی مقام 'تاج' نامی مقام تھا۔ اس دور میں یہ تحریک اپنے عروج کو پہنچ گئی تھی۔

اس وقت ایک بڑا غلط خیال لوگوں میں یہ گردش کرنے لگا کہ آپ ہی حضرت مہدی موعود ہیں، حالانکہ خود آپ اس خیال کے حامل نہ تھے۔ بلکہ جب ایک شخص محمد احمد سوڈانی نے مہدویت کا دعویٰ کیا تو آپ نے اس کی سخت ترین مخالفت کی، اور لوگوں کو اس کے اثرات سے بچانے کی بھرپور کوششیں کیں۔ آپ کی وفات مئی 1902ء میں ہوئی۔

اس دور کی علمی یادگار میں کفرہ کی لائبریری بہت اہم ہے۔ جسے جغبوب سے کفرہ صدر مقام منتقل ہونے کے بعد قائم کیا گیا تھا۔ اس میں ہزاروں کی تعداد میں نایاب کتابوں کے نسخے موجود تھے۔ لیکن بد قسمتی سے 1931ء میں اطالوی جنگی طیاروں کے ذریعہ کی گئی بمباری نے اور پھر ان کے افواج نے اس لائبریری کو پوری طرح تباہ کر دیا۔

6.3.3 سید احمد شریف سنوسی

محمد مہدی کی وفات کے بعد آپ 1902ء میں اس تحریک کے تیسرے رہنماء ہوئے۔ آپ بانی تحریک کے پوتے، اور محمد شریف کے صاحبزادہ تھے۔ آپ مسلسل یورپی استعمار کے خلاف بر سرپیکار رہے۔ شیخ احمد شریف 1902ء سے تقریباً دس سالوں تک چاڈ میں فرانسیسی افواج کے خلاف بر سرپیکار رہے۔ لیکن فرانسیسیوں کے خلاف اس فوج کشی سے الٹا سنوسی تحریک ہی کو نقصان اٹھانا پڑا، اور صحرائے اعظم کے جنوبی علاقوں میں ان کی پکڑ کمزور ہو گئی۔ ابھی فرانس کے خلاف یہ جنگ ختم ہونے بھی نہ پائی تھی کہ ستمبر 1911ء میں اٹلی نے لیبیا پر شمالی جانب سے حملہ کر دیا، اور اکتوبر میں طرابلس پر قابض ہو گیا۔ اس وقت لیبیا سلطنت عثمانیہ کے تحت آتا تھا۔ لہٰذا ابتداءً جب اٹلی نے لیبیا پر حملہ کیا تو عثمانی فوج ان کے خلاف نبرد آزما ہوئی، لیکن پھر انہوں نے اکتوبر 1912ء میں ان سے صلح کر لیا، اور 1914ء تک رفتہ رفتہ اپنی ساری فوج انہوں نے بلالی۔ جس کی وجہ سے سنوسی اب ان کے مقابلہ میں تنہا رہ گئے۔ پھر جنگ عظیم اول کا بھی آغاز ہو گیا تھا، چنانچہ اٹلی کا ساتھ دینے برطانوی فوج آگئی، اور پھر ان کی متحدہ فوج نے فروری 1916ء میں سنوسیوں کو شکست دے دی۔ جس کے بعد سید احمد شریف مصر میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے، اور پھر وہاں سے ترکی چلے گئے، اور پھر بالآخر سعودی عرب تشریف لے گئے، جہاں مدینہ منورہ میں 10/مارچ 1933ء کو آپ مالک حقیقی سے جا ملے۔

ان مسلسل جنگوں کا بڑا نقصان ہوا۔ ان کی وجہ سے تحریک کا بڑا مقصد فوت ہونے لگا کہ مسلمانوں کو اسلامی ضابطہ حیات اور اتحاد واتفاق کی دعوت دی جائے۔ جس کی وجہ سے اسی دور میں یہ تحریک روبہ زوال ہونی شروع ہوئی، اور ان کا اصل مقصد محض لیبیا کی آزادی

تک محدود ہو کر رہ گیا۔ انہی جنگوں کے دوران شیخ حمد بن سیف النصر اور شیخ عمر المختار جیسے ممتاز قائدین اور جنگو ابھر کر سامنے آئے۔

شیخ سید احمد شریف کے بعض علمی آثار چند درج ذیل ہیں:

1. الأنوار القدسية في مقدمة الطريقة السنوسية۔
2. الشموس الاشراقية في ذكر مشايخ ساداتنا السنوسية الإدريسية۔
3. فيوضات نفحات المواهب الرحمانية في الطريقة السنوسية۔
4. السراج الوهاج في رحلة السيد المهدي من الجغبوب إلى التاج۔
5. المساعد في أحكام المجاهد۔
6. الدر النضيد من كلام ساداتنا المفيد۔
7. رسالة في فضل الجهاد والحث عليه۔

6.3.4 سید محمد ادریس سنوسی

سید احمد شریف کے لیبیا چھوڑنے کے بعد آپ سنوسی تحریک کے شیخ مقرر ہوئے۔ اٹلی کے ساتھ آپ نے صلح کر لیا اور اٹلی نے آپ کو صحرائی علاقوں میں سنوسی تحریک کا قائد تسلیم کر لیا۔ لیکن جلد ہی اٹلی نے اس معاہدہ کی خلاف ورزی کی اور ان دونوں کے درمیان دوبارہ فوج کشی شروع ہو گئی، اور مجبوراً محمد ادریس کو مصر میں پناہ گزیں ہو جانا پڑا۔ یہ دسمبر 1922ء کا واقعہ ہے۔ اس دوران سنوسی تحریک کے منظر نامہ پر ایک بہت ہی جانباز جنگجو شیخ عمر بن مختار ابھر کر سامنے آچکے تھے۔ (اِن کے احوال آپ آگے پڑھیں گے) 1931ء میں اٹلی کے ذریعہ انہیں پھانسی دیئے جانے کے بعد سنوسی تحریک کی مسلح مزاحمت بھی ختم ہو گئی۔ اٹلی نے لیبیا میں قابض ہونے کے بعد ان کے زاویوں کو تباہ کر دیا، ان کی عورتوں، بچوں اور بوڑھوں پر سخت ترین ظلم و زیادتیوں کا مظاہرہ کیا۔ ساتھ ہی اٹلی کے ذریعہ لیبیا کو اپنے لوگوں سے آباد کرنے اور اس پر قبضہ قائم رکھنے کی کوششیں بھی جاری رہیں اور یہ کوششیں دوسری جنگ عظیم تک چلتی رہیں۔

1941ء میں دوسری جنگ عظیم کا آغاز ہوا تو برطانیہ جو پہلی جنگ عظیم میں اٹلی کا حلیف تھا دوسری میں اس کا حریف بن کر سامنے آیا۔ محمد ادریس نے برطانیہ کو اپنی حمایت پیش کر دی۔ لیبیا میں جب ان کے درمیان جنگ ہوئی تو برطانیہ کو اس میں کامیابی حاصل ہوئی۔ پھر بعد میں لمبی گفت و شنید کے بعد لیبیا کو 24/ دسمبر 1951ء میں ایک آزاد اور خود مختار ملک تسلیم کر لیا گیا، اور اس کے پہلے حکمراں سنوسی قائد شیخ سید محمد ادریس سنوسی مقرر ہوئے، اور شاہ ادریس کے طور پر جانے گئے۔ لیکن اس حکومت پر یورپی تہذیب کا غلبہ رہا۔ پھر 1968ء میں کرنل معمر قذافی نے لیبیا پر قبضہ کر لیا اور سنوسی خاندان اور تحریک کا نام و نشان ختم ہو گیا۔

آپ کی علمی یادگار "إجازة الطريقة السنوسية" قابل ذکر ہے۔ اس کتاب میں آپ نے اپنی اسناد کا تذکرہ کیا ہے، اجازت و خلافت عطا فرمائی ہے۔

6.3.5 شیخ عمر بن مختار شہید

شیخ عمر بن مختار سنوسی تحریک کے ان قائدین میں سے ہیں جنہوں نے بیس سالوں تک استعماری طاقتوں کے خلاف لوگوں کی قیادت کی اور دشمنوں کو زبردست مقابلوں کا سامنا کرنا پڑا۔

آپ کی پیدائش طرابلس لیبیا کے مقام بطنان میں 1277ھ مطابق 1860ء میں ہوئی۔ حفظ قرآن کریم اور ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں حاصل کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے جغبوب میں سنوسی زاویہ کے تحت واقع تعلیمی ادارہ میں آپ داخل ہوگئے۔ یہاں آپ نے سنوسی تحریک کے شیخ ثانی سید محمد مہدی سنوسی سے کسب فیض کیا۔ تعلیم سے فراغت کے استاذ شیخ محمد مہدی نے 1895ء میں برقہ کے مقام القصور میں واقع زاویہ کے انتظامات کا ذمہ دار آپ کو بنادیا تھا۔ اسی سال آپ کو سید محمد مہدی کے ساتھ سوڈان تشریف لے جانے کا موقع ملا جہاں آپ کو کلک نامی مقام کا ذمہ دار بنادیا گیا۔ پھر 1903ء میں آپ القصور واپس آگئے۔

1911ء میں اٹلی کی فوج نے بن غازی شہر اور اس کے اطراف کے علاقوں پر حملہ کرکے جب انہیں اپنے قبضہ میں لے لیا تو آپ ان کے خلاف کمربستہ ہوگئے۔ آپ کو صحرائی جنگوں میں مہارت حاصل تھی، صحرائی علاقوں سے اچھی طرح واقف تھے اور جنگ کی باریک بینیوں اور جغرافیائی امور کی بھی اچھی سمجھ رکھتے تھے، انہوں نے اپنی چھوٹی چھوٹی فوجی ٹکڑیوں کے ساتھ اٹلی کی افواج پر کامیاب حملے کیے، انہوں نے بڑی مہارت کے ساتھ دشمنوں کے ٹھکانوں کو نشانہ بنایا، گوریلا جنگ کے زبردست حربے استعمال کرکے انہیں بھاری نقصان سے دوچار کیا، اور ان کے لئے ایک بڑی مشکل اور رکاوٹ بن گئے تھے۔ بیس سالوں تک ان کے خلاف جنگ وجدال جاری رہا۔ بالآخر 1350ھ مطابق 1931ء کو آپ زخمی حالت میں اطالوی فوج کے ذریعہ گرفتار کرلئے گئے۔ آپ پر اٹلی کی عدالت میں مقدمہ چلایا گیا، جہاں محض پانچ دنوں کے اندر آپ کو پھانسی کی سزا سنادی گئی، اور شہر بن غازی کے مقام سلوق میں آپ کو تقریباً بیس ہزار کے مجمع میں پھانسی دے دی گئی۔

6.4 سنوسی تحریک کے مقاصد

سنوسی تحریک کا آغاز جن مقاصد کے پیش نظر ہوا تھا انہیں ہم درج ذیل چند حصوں میں تقسیم کرسکتے ہیں۔

سنوسی تحریک کا پہلا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کے اندر اتحاد واتفاق پیدا کیا جائے، اور انہیں ایک اسلام کے پرچم تلے جمع کیا جائے۔ یہ تحریک کسی خاص ملک یا کسی خاص قوم تک محدود نہ تھی، بلکہ یہ سارے مسلمانوں کے لئے تھی۔ چنانچہ انہوں نے حجاز، لیبیا، مصر، سوڈان، الجزائر وغیرہ تمام جگہوں پر کام کیا اور انہیں ایک پرچم تلے جمع ہونے کی دعوت دی۔ ساتھ ہی انہوں نے لیبیا میں پھیلے قبائلی تعصب کی بنیاد پر جھگڑوں کو ختم کرنے، اور ان میں مذہبی حساسیت بیدار کرنے کی کامیاب کوشش کی۔ اسی طرح ان کے زاویوں میں عوام کے مسائل کو حل کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے باہمی اختلاف اور نزاع کو بھی حل کرنے کی کوشش کی جاتی تھی، جس کے لئے ان میں ایک مفتی اور قاضی مقرر تھے۔

مسلمانوں میں اتحاد واتفاق کے قیام کے ساتھ ساتھ ان کے پیش نظر یہ بات بھی تھی کہ مسلمانوں سے ان غلط باتوں کو بھی ختم

کیا جائے جو اسلامی تعلیمات کا حصہ نہیں ہیں۔ مثلاً مذہب اور سیاست کا اختلاف وافتراق۔ سنوسی تحریک کی شروع سے یہ کوشش رہی کہ مذہب اور سیاست کا اجتماع ہو، اور ان کے درمیان اتحاد واتفاق اور یگانگت پیدا ہو۔

ایک مقصد سنوسی تحریک کے قیام کا یہ تھا کہ لوگوں میں شرعی علوم کا فروغ ہو، جس کے لئے انہوں نے اپنے ہر زاویہ میں تعلیم کا انتظام کیا تھا۔ ان میں اساتذہ مقرر تھے، جنہیں تحریک کی جانب سے مشاہرے دیئے جاتے تھے۔ ان میں حفظ قرآن کریم کے ساتھ شرعی علوم کی تعلیم ہوتی تھی۔ اس زاویہ سے وابستہ ہر شہری کے لئے ضروری تھا کہ وہ اپنے بچے کی تعلیم انہی مدارس میں دے۔ کسی کو اس بات کا مجاز حاصل نہ تھا کہ وہ بغیر کسی وجہ کے اپنے بچے کو وہاں سے نکال لے۔ پھر جب طالب علم اپنے علاقائی زاویہ میں تعلیم مکمل کر لیتا تو اس کے لئے مرکزی زاویہ میں اعلیٰ تعلیم کا بھی انتظام کیا گیا تھا۔ چنانچہ لیبیا میں زاویہ جغبوب میں جو تعلیمی ادارہ قائم تھا اسے جامع ازہر کے طرز پر ڈھالنے کی کوشش کی گئی تھی۔ اس کے علاوہ یہاں ایک عظیم الشان لائبریری بھی قائم کی گئی تھی، جس میں تقریباً دس ہزار نادر ونایاب کتابوں اور مخطوطات کا ذخیرہ موجود تھا۔ اسی طرح ہر شخص کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ وہ پانچوں اوقات کی نمازیں اسی زاویہ کی مسجد میں ادا کریں، جن میں وقتاً فوقتاً مختلف شرعی مسائل واحکام بیان کئے جاتے رہتے تھے۔

سنوسی تحریک کے پیش نظر ایک بڑا مقصد یہ تھا کہ استعماری طاقتوں کے خلاف ہمیشہ کھڑا رہا جائے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی تبلیغی واصلاحی تعلیمات کے ذریعہ لوگوں کے اندر خوابیدہ جذبہ جہاد کو بیدار کی بھرپور کوششیں کیں۔ انہوں نے اپنے زاویوں میں اس کی عملی مشق کرایا، نیزہ بازی کی تربیت دی اور بڑے پیمانہ پر مالی تعاون کیا، ہتھیار بھی فراہم کئے۔ جس کی نتیجہ میں مجاہدین تیار ہو کر نکلے، جنہوں نے برطانیہ، اٹلی، فرانس جیسی اہم استعماری طاقتوں سے لیبیا، چاڈ، سوڈان ومصر کو آزاد کرانے میں تاریخ ساز کردار ادا کیا۔

اس تحریک کے مقاصد میں یہ بات بھی شامل تھی کہ مسلمانوں میں اجتماعی اور رفاہی کاموں کو بھی فروغ ملے اور ان کی بہبودی کا انتظام ہو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا نظام بنایا کہ جہاں ان کی تعلیم وتعلم کا مناسب انتظام کیا، ان کے درمیان اتحاد واتفاق قائم کرنے اور ان کے مسائل حل کرنے کا اہتمام کیا، وہیں انہوں نے غریبوں اور فقراء کو کھانا کھلانے، اور مصیبت زدہ لوگوں کی امداد کرنے کا التزام کیا، مہاجرین کے لئے ٹھکانوں کا بندوبست کیا، ان کے مسائل ومشکلات حل کرنے کے لئے مستقل کمیٹی تشکیل دی، انہیں مختلف قسم کی حرفتوں مثلاً زراعت، باغبانی، پارچہ بافی، معماری اور نجاری سے آراستہ کرنے کا بھی انتظام کیا۔

چنانچہ اخیر میں ہم دیکھتے ہیں کہ سوڈان، صحرائے اعظم اور مغربی افریقہ میں بہت بڑی تعداد میں لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ عام مسلمان جو اخلاقی ابتری کے شکار تھے، ان کی خاطر خواہ اصلاح ہوئی۔ اسی طرح وہ مقامات جو جرائم پیشہ لوگوں کے مراکز تھے، اور ان سے گذرنا یا ان میں ٹھہرنا عام لوگوں کے لئے کسی طرح محفوظ ومامون تصور نہ کیا جاتا تھا، وہ امن وسلامتی کا گہوارہ بن گئے۔ لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ سنوسی تحریک اپنے پیروکاروں کے دِلوں میں احیائے اسلام کا جذبہ، عالمگیر اخوتِ اسلامیہ کا داعیہ اور ملک کی عزت وآبرو کے لیے جان قربان کرنے کا حوصلہ پیدا کر دینے میں کامیاب رہی۔

6.5 سنوسی تحریک کے زاویے

سنوسی تحریک کے زاویے ان کے مراکز تھے، جنہیں بہت سے لوگوں نے خانقاہوں سے بھی تعبیر کیا ہے۔ یہ زاویے اُن تمام علاقوں میں قائم تھے، جن میں سنوسی تحریک کی سرگرمیاں انجام پارہی تھیں، مثلاً حجاز، لیبیا، مصر، سوڈان، الجزائر وغیرہ۔ یہ بہت بڑی تعداد میں قائم ہوئے۔ اولین زاویہ مکہ مکرمہ میں جبل ابوقبیس پر 1837 میں قائم ہوا تھا، جس سے تمام علاقائی زاویے ملحق تھے۔ مکہ مکرمہ میں اس زاویہ کے قیام کا مقصد یہ تھا کہ دنیا کے کونے کونے سے مسلمان موسم حج میں حج کی ادائیگی کے لئے آتے تھے۔ اس موقع پر مختلف طبقات کے لوگوں اور ان کے علاقوں کے صحیح حالات کا علم ہوتا تھا، پھر ان سے ملاقاتیں کرنے، گفتگو کرنے اور اصلاحی، تبلیغی اور تعلیمی کاموں کو آگے بڑھانے میں آسانی ہوتی تھی۔ زاویہ ابوقبیس کے بعد طائف، مدینہ منورہ، جدہ، بدر وغیرہ میں اسی قسم کے زاویے قائم کئے گئے، اور انہیں زاویہ ابی قبیس سے ملحق کر دیا گیا، تاکہ تحریک کے کاموں میں مزید تیزی لائی جاسکے۔ چنانچہ ان زاویوں کے اثر سے حج کے دوران آنے والے حاجیوں اور علاقائی افراد کی ایک معتدبہ تعداد اس تحریک سے وابستہ ہوئی اور اس کے کاموں میں حصہ لینے لگی۔

پھر جب لیبیا میں طرابلس کے مقام پر دوسرا زاویہ قائم کیا گیا تو ان کی تمام تر سرگرمیوں کا مرکز یہی بن گیا۔ یہ زاویہ 'زاویہ بیضاء' کے طور پر معروف ہوا۔ بانی تحریک شیخ محمد سنوسی نے اپنے وطن میں خاص طور پر یہ کوشش کی کہ ہر قبیلہ میں یا کم از کم ہر دو قبائل میں ایک زاویہ قائم ہو جائے، اور ان کا کوئی شیخ مقرر ہو، تاکہ ان میں اصلاحی، تعلیمی اور تبلیغی کاموں کو تیزی سے انجام دیا جاسکے۔ پھر ان تمام زاویوں کو زاویہ بیضاء سے ملحق کر دیا گیا، تاکہ ان تمام شیوخ پر ایک شیخ الشیوخ رہے، جو ان کے کاموں کی نگرانی کرے۔ لیبیا کے قبائل جو اس وقت اکثر وبیشتر ذاتی مفادات اور قبائلی مفاخر کی خاطر آپس میں الجھتے اور جھگڑتے رہتے تھے، ان زاویوں کے اثر سے وہ اپنے چھوٹے چھوٹے مقاصد کو پس انداز کرنے لگے، قبائل سے متعلق ان کے جذبات رفتہ رفتہ سرد پڑنے لگے اور ان کی جگہ مذہبی جذبات، باہمی اتحاد واتفاق اور امن وآشتی نے لے لیا۔

بعد ازاں جغبوب کو مرکز بنایا گیا۔ یہ جگہ آب وہوا اور امن وامان کسی بھی اعتبار سے مناسب نہ تھا۔ یہاں محض کانٹے دار درخت تھے، کچھ کھجور کے درخت تھے، چٹانیں اور صحراء تھی۔ یہ جگہ چوروں اور ڈاکوؤں کا اڈہ تھا۔ لیکن جب یہاں زاویہ قائم کیا گیا اور اس کے تحت سنوسی تحریک کے حاملین نے کام کرنا شروع کیا تو بہت جلد ہی تبدیلی بھی آنی شروع ہوگئی، بلکہ بہت جلد ہی یہ ایک مثالی جگہ بن گئی۔ اس جگہ پہلے لوگ آنے جانے سے ڈرتے تھے، اب یہاں اطمینان وسکون کے ساتھ آباد ہونے لگے تھے۔ اب یہاں کتب خانے، مسجدیں، مدرسے اور حوض وغیرہ تیار ہونے لگے تھے۔ میٹھے پانی کا بھی انتظام کر لیا گیا تھا، حالانکہ پہلے یہاں صرف کھارا پانی ہی تھا۔

سید احتشام احمد ندوی اس شہر کی آبادکاری سے متعلق تحریر کرتے ہیں:

> "شیخ محمد سنوسی نے ارادہ کر لیا تھا کہ وہ اس مقام پر ایک ایسی دعوتی اور مرکزی بستی بسا کر رہیں گے جو تحریکی دعوت کا صحیح نمونہ بن سکے۔ چنانچہ تمام ضروری سامان جمع کیا گیا۔ کھانے پینے اور عمارتوں کی تعمیر کے لئے مزدوروں وغیرہ کو وہاں بھیجا گیا۔ وہاں کثرت سے کنوئیں بنوائے گئے۔ بارش کے پانی کو روکنے کے لئے حوض تیار کئے گئے۔ ایک عظیم الشان مسجد، امام کا گھر

اور مدرسہ کی عمارت تعمیر کی گئی۔ پانی کی صفائی کا انتظام کیا گیا۔ تیلی، راج، لوہار، جلد ساز، موچی، جولاہے، بڑھئی، اسلحہ ساز، اور شیشہ کا کام کرنے والے ہر قسم کے لوگوں کی بستیاں وہاں بسائی گئیں۔ غلہ کی منڈیاں قائم کی گئیں۔ اسلحوں کے لئے بڑے بڑے مخزن بنائے گئے۔ جغبوب کی مٹی میں بارود بننے کی بہت صلاحیت تھی، چنانچہ بارود کے کارخانے قائم کئے گئے، اور اسلحہ بڑی مقدار میں اکٹھا کئے گئے۔ اس کے علاوہ ایک عظیم الشان کتب خانہ بھی قائم کیا گیا، جس میں بہت سی نایاب اور مخطوط کتابیں شامل تھیں۔ علماء اور اصحاب علم کی ایک پوری جماعت تھی۔ طلباء واساتذہ کے اوقات مقرر تھے۔ زندگی ایک پورے نظام کے ماتحت چل رہی تھی۔ یہ مرکز خود ایک الگ دنیا بن گیا تھا، ایک ایسی دنیا جہاں زندگی اپنی اصلی شکل میں جلوہ گر تھی۔ تجارت، سیاست، علم اور اخلاق سب میں ایک ہم آہنگی کی کیفیت تھی۔ جغبوب لوگوں کا مرجع بن گیا تھا"۔ (معارف، اپریل 1960ء، ص:301-300)

اس زاویہ کے تحت ایک مرکزی تعلیمی ادارہ قائم کیا گیا تھا، جہاں مختلف ذیلی زاویوں کے فارغ طلباء آکر اختصاص کی تعلیم حاصل کیا کرتے تھے۔ اس کا نصاب جامع ازہر کے نصاب کے مطابق رکھنے کی کوشش کی گئی تھی۔

جغبوب کی مرکزیت کے بعد شیخ محمد سنوسی کے عہد میں 'زاویہ التاج' کو مرکز بنایا گیا تھا۔ پھر قرواور کفرہ کو یہ حیثیت دی گئی۔ بالآخر جغبوب کو یہ مرکزیت دوبارہ حاصل ہوئی اور آخر تک یہی رہی۔

6.5.1 زاویوں کے تحت انجام پانے والے کام

ان زاویوں میں مختلف سرگرمیاں انجام دی جاتی تھیں۔ یہاں مسلمانوں کو تعلیم وتربیت سے تو آراستہ کیا ہی جاتا تھا، ان میں انہیں مختلف پیشوں اور حرفتوں کی بھی تعلیم دی جاتی تھی، مثلاً زراعت، باغبانی، پارچہ بافی، معماری اور نجاری وغیرہ۔ اس کے ساتھ ہی انہیں جنگی داؤ پیچ بھی سکھائے جاتے تھے، نیزہ بازی کی عملی طور پر تعلیم دی جاتی تھی۔ مزید یہ کہ ان میں مسلمانوں کے مختلف مقدمات آتے تھے، جن کے فیصلے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ ان میں اس تحریک سے متعلق مختلف سرگرمیوں زیر بحث آتیں، تجاویز پاس ہوتیں، پھر ان پر عمل آوری کی کوششیں ہوتی تھیں۔ سید احتشام احمد ندوی ان زاویوں کے تحت انجام پانے والے کاموں پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

"اس علمی وتعلیمی خدمت کے علاوہ ان تمام مراکز کے ذریعہ بہت سے اجتماعی اور رفاہ عام کے کام بھی ہوتے تھے، جو عوام الناس کی زندگی پر براہ راست اثر ڈالتے تھے، ان میں فقیروں کو کھانا ملتا تھا، مصیبت زدوں کی امداد کی جاتی تھی، ان ہی میں اجتماعی وانفرادی تمام قسم کی مشکلات کے حل پر غور وخوض ہوتا تھا۔ علاوہ ازیں آپس کے مابہ النزاع مسائل کو حل کرنا بھی انہی مراکز کے ذمہ تھا۔ ان میں بچوں کی تعلیم کا پورا انتظام ہوتا تھا، اور یہیں سے مسلمانوں کی عام تبلیغ واصلاح کا کام بھی انجام دیا جاتا تھا۔ یہ مراکز اپنا پورا ایک نظام رکھتے تھے"۔ (معارف، مارچ 1960ء، ص:227)

6.5.2 زاویوں کا تنظیمی ڈھانچہ:

ہر زاویہ کا سربراہ ایک شیخ ہوتا تھا جس کی نگرانی اور سرکردگی میں یہ ساری سرگرمیاں انجام پاتی تھیں، اور یہی شیخ وہاں کا مفتی، مصلح اور قاضی ہوتا تھا۔ ان زاویوں کے تنظیمی ڈھانچہ پر روشنی ڈالتے ہوئے سید احتشام احمد رقم طراز ہیں:

> ”ہر زاویہ میں جیسا کہ پہلے تذکرہ ہو چکا ہے، ایک شیخ ہوتا تھا، اور زاویہ میں اس کے لئے ایک مکان خاص ہوتا تھا، ایک مہمان خانہ ہوتا تھا جس میں مہمان آکر ٹھہرتے تھے، منتظمین مرکز کے مکان علاحدہ اور معلمین کے مکان علاحدہ ہوتے تھے۔ ہر زاویہ میں ایک مسجد ہوتی تھی۔ ایک مدرسہ قرآنیہ ہوتا تھا جس کی اپنی عمارت ہوتی تھی۔ ایک منتظم مرکز ہوتا تھا، جس کا مکان بھی وہیں بنایا جاتا تھا۔ سامان کے لئے مخزن یا مخازن ہوتے تھے۔ فقراء اور بے خانماں لوگوں کے لئے الگ کمرے ہوتے تھے۔ ہر زاویہ میں ایک اصطبل اور ایک باغ ہوتا تھا۔
>
> شیخ زاویہ تمام معاملات میں مسئول اول ہوتا تھا۔ ہر زاویہ میں ایک 'مجلس' یا کمیٹی ہوتی تھی، جس میں شیخ زاویہ، وکیل (ناظم) اور تمام اعیان زاویہ واعیان قبیلہ اور زاویہ کے قرب وجوار کے اہم اشخاص اس کے ممبر ہوتے تھے۔ اس مجلس کا کام قرب وجوار کے باشندوں کے تمام مابہ النزاع مسائل کا حل کرنا، اس کی جانچ پڑتال اور انہیں طے کرنا ہوتا تھا۔ اس سلسلہ میں اگر شرعی قسم کے مسائل پیش آتے تھے تو شیخ زاویہ انہیں حل کرتا تھا“۔ (معارف، مارچ 1960ء، ص: 227-228)

ان کے علاوہ ہر زاویہ سے وابستہ اصحاب خیر افراد زاویہ کے قریب میں ایسی عمارتیں بنواتے تھے جن میں وہ اپنا سامان بھی رکھتے تھے اور گرمی کے موسم میں وہ خود بھی وہاں آکر رہتے تھے۔ ایسے مکانات بھی ہوتے تھے جن میں مہاجرین اقامت اختیار کرتے تھے۔ زاویہ سے وابستہ لوگوں کے لئے ضروری ہوتا تھا کہ وہ اپنے بچوں کو تعلیم کے لئے انہی مدرسہ قرآنیہ میں بھیجیں، اور نمازوں کے لئے انہی مسجدوں میں جایا کریں۔ ہر زاویہ ایک مضبوط پناہ گاہ رکھتا تھا۔ اس کے نام سے بہت سی زمینیں وقف تھیں، کنوئیں تھے۔ زاویہ کے شیخ کے تمام اخراجات زاویہ کی آمدنی سے پورے کئے جاتے تھے۔ زاویہ کو جو آمدنی ہوتی تھی، سالانہ خرچ کے بعد ان میں سے بچی ہوئی آمدنی مرکزی زاویہ کو بھیج دی جاتی تھی۔

ایک روایت کے مطابق جس وقت سنوسی تحریک کے دوسرے قائد محمد مہدی سنوسی کا انتقال (1902ء) ہوا، اس وقت زاویوں کی مجموعی تعداد 102 تک پہنچی ہوئی تھی۔ جن میں حجاز میں 12، لیبیا میں 65، مصر میں 17، سوڈان میں 6، الجزائر میں 1، اور تونس میں 1 زاویے تھے۔

6.6 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- اس تحریک کے بانی محمد بن علی السنوسی ہیں، جنہوں نے مکہ مکرمہ میں 1253ھ مطابق 1837ء میں اپنی سرگرمیوں کا ایک مرکز

'جبل ابو قبیس' پر قائم کرکے اس کی بنیاد رکھی تھی۔

- بانی تحریک نے اپنے دعوتی واصلاحی کاموں کو انجام دینے کے لئے مختلف علاقوں مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، قاہرہ، اسکندریہ اور جغبوب وغیرہ کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا اور ان میں زاویے قائم کئے۔
- سنوسی تحریک کے قائدین میں سب سے اول اس کے بانی محمد بن علی السنوسی ہیں۔ ان کے بعد سید محمد مہدی سنوسی، سید احمد شریف سنوسی، سید محمد ادریس سنوسی بالترتیب اس کے قائد ہوئے۔
- اس تحریک نے جن بنیادوں پر مسلمانوں میں اصلاحی و دعوتی کام کئے ان میں چند نمایاں بنیادیں درج ذیل ہیں:
  - مسلمانوں میں جو قومی وملکی تعصبات ہیں انہیں ختم کرکے ان کے اندر اتحاد واتفاق پیدا کیا جائے، اور اسلام کے پرچم تلے انہیں اکٹھا کیا جائے۔ جس کے لئے انہوں نے نہ صرف ان کے شرعی مسائل حل کئے بلکہ ان کے باہمی نزاعات واختلافات کو فیصل کرنے کے لئے ایک قاضی مقرر کیا اور اس کی معاونت کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دی۔
  - مسلمانوں میں شرعی علوم کو فروغ دیا جائے۔ جس کے لئے انہوں نے اپنے ہر زاویہ میں مدرسہ قرآنیہ قائم کیا، اور مرکزی زاویہ میں اعلیٰ واختصاص کی تعلیم کا انتظام کیا۔
  - مسلمانوں کو استعماری طاقتوں کے خلاف کھڑا کیا جائے۔ جس کے لئے انہوں نے لوگوں کی جنگ وجدال کی عملی مشق کرائی، نیزہ بازی سکھائی، جنگی داؤ پیچ کی تعلیم دی۔ انہیں اسلحہ فراہم کرایا۔
  - مسلمانوں کی اجتماعی ورفاہی بہبودی ہو۔ چنانچہ انہوں نے تعلیم و تعلم کے ساتھ ساتھ لوگوں کو مختلف قسم کی حرفت اور پیشوؤں کی تعلیم دی۔ مثلاً زراعت، باغبانی، پارچہ بافی، معماری، نجاری وغیرہ۔
- زاویے جو سنوسی تحریک کی سرگرمیوں کے مراکز تھے، بہت بڑی تعداد میں حجاز، لیبیا، مصر، سوڈان اور الجزائر وغیرہ کے مختلف مقامات پر قائم تھے۔ ان زاویوں میں وہ تمام کام انجام دیئے جاتے تھے جو ان کے مقاصد میں داخل اور شامل تھے۔
- پہلا مرکزی زاویہ مکہ مکرمہ میں جبل ابو قبیس پر قائم ہوا تھا۔ اس کے بعد طرابلس میں دوسرا مرکزی زاویہ قائم ہوا تھا، جو زاویہ بیضاء کے طور پر جانا گیا۔ پھر جغبوب کو مرکز بنایا گیا جو سب سے اہم اور مستحکم مرکز تھا۔ جغبوب کے بعد زاویہ تاج، قرو اور کفرہ کو بھی مرکزی مقام بنایا گیا لیکن بالآخر جغبوب کو یہ مرکزیت دوبارہ حاصل ہوئی اور آخر تک قائم رہی۔

6.7 نمونہ امتحانی سوالات

6.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. سنوسی تحریک کا آغاز کہاں ہوا تھا؟

(a). مکہ مکرمہ (b). مصر (c). سوڈان (d). لیبیا

2. سنوسی تحریک کا پہلا زاویہ کون ہے؟

(a). زاویہ بیضاء (b). زاویہ جبل ابوقبیس (c). زاویہ جغبوب (d). زاویہ التاج

3. سنوسی تحریک کے آخری قائد کا نام بتائیے؟

(a). سید محمد مہدی سنوسی (b). سید احمد شریف سنوسی (c). سید محمد ادریس سنوسی (d). محمد بن علی سنوسی

4. اٹلی نے لیبیا پر کب حملہ کیا تھا؟

(a). 1902ء (b). 1911ء (c). 1916ء (d). 1895ء

5. کس عثمانی سلطان نے سنوسی تحریک سے ہاتھ ملانے کی کوشش کی تھی؟

(a). سلطان عبدالحمید (b). سلطان عبدالمجید (c). سلطان عبدالعزیز (d). سلطان مراد پنجم

6. زاویہ جغبوب کہاں واقع تھا؟

(a). مکہ مکرمہ (b). مصر (c). سوڈان (d). لیبیا

7. شیخ عمر بن مختار کو کس نے پھانسی دی تھی؟

(a). برطانیہ (b). اٹلی (c). فرانس (d). جرمنی

8. 'زاویہ التاج' کو کس کے عہد میں مرکزی زاویہ بنایا گیا تھا؟

(a). سید محمد مہدی سنوسی (b). سید احمد شریف سنوسی (c). سید محمد ادریس سنوسی (d). محمد بن علی سنوسی

9. لیبیا کو ایک آزاد اور خود مختار ملک کب تسلیم کیا گیا؟

(a). 1968ء (b). 1941ء (c). 1960ء (d). 1951ء

10. لیبیا کو آزاد ملک تسلیم کرنے کے بعد اس کا پہلا سلطان کون ہوا؟

(a). شیخ حمد بن سیف النصر (b). سید احمد شریف سنوسی (c). سید محمد ادریس سنوسی (d). شیخ عمر بن مختار

6.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. سنوسی تحریک کے آغاز وارتقاء کا تاریخی تجزیہ کیجیے۔
2. سنوسی تحریک کے قائدین میں سے کسی دو پر تعارفی نوٹ لکھیے۔
3. سنوسی تحریک کے مقاصد پر روشنی ڈالیے۔
4. زاویوں کے تنظیمی ڈھانچہ اور ان کے کاموں پر تبصرہ کیجیے۔
5. سنوسی تحریک کے دور زوال پر گفتگو کیجیے۔

6.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. سنوسی تحریک پر ایک جامع نوٹ تحریر کیجیے۔
2. سنوسی تحریک کے قائدین پر ایک تجزیاتی مضمون قلمبند کیجیے۔
3. سنوسی تحریک کے زاویوں کا جائزہ لیجیے۔

6.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. تذکرہ سنوسی مشائخ : عابد حسین شاہ پیرزادہ
2. شیخ سنوسی : ملک محمد الدین
3. اسلام کی احیائی تحریکیں اور عالم اسلام : سید قاسم محمود
4. معاصر اسلامی تحریکات اور فکر اقبال : ڈاکٹر شجاع الدین فاروقی
5. السنوسی الکبیر (عربی) : محمد طیب بن ادریس اشہب
6. The Sanusi of Cyrenaica : E. E. Evans-Pritchard

اکائی 7: اخوان المسلمون (حصہ اول)

اکائی کے اجزا:

7.0 تمہید
7.1 مقاصد
7.2 اخوان المسلمون کا تعارف
7.2.1 وژن
7.2.2 تاریخی پس منظر
7.2.3 آغاز وارتقاء
7.3 تحریک اخوان المسلمون کی فکری بنیادیں
7.4 دین وسیاست کا سنگم
7.4.1 اخوان المسلمون کا میدان عمل
7.4.2 فکر وعقیدہ
7.4.3 اسلامی عقیدہ کے عناصر
7.4.4 فکری انقلاب
7.4.5 عصری تقاضوں کے مطابق نظام تعلیم کی اصلاح
7.4.6 افراد سازی
7.4.7 صحافت
7.4.8 اقتصادیات
7.5 اکتسابی نتائج
7.6 نمونہ امتحانی سوالات
7.6.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

7.6.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

7.6.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

7.7 تجویز کردہ اکتسابی مواد

7.0 تمہید

بیسویں صدی میں عالم اسلام میں جو اسلامی تحریکات اٹھیں، ان میں ایک اہم تحریک "اخوان المسلمون" کی ہے۔ خلافت اسلامیہ کے زوال کے بعد ہی سے ذہنوں میں یہ خیال راسخ کیا جانے لگا کہ اللہ کے رسول ﷺ جو اسلام لے کر آئے تھے، وہ صرف انسان کی انفرادی زندگی سے بحث کرتا ہے، اس کا تعلق اجتماعی زندگی سے نہیں ہے۔ نیز دور جدید کی چکاچوند ترقیوں کے میدان میں اگر مسلمان اپنی شراکت داری ثابت کرنا چاہتے ہیں تو ان کے لیے ضروری ہے کہ مغربی نظام زندگی کی پیروی کریں۔ اخوان المسلمون نے اس نظریہ کے خلاف زبردست محاذ آرائی کی اور مغربی نظام زندگی کو چیلنج کرتے ہوئے قرآن وسنت ہی کی روشنی میں یہ ثابت کیا کہ اسلام انسانی زندگی کے تمام گوشوں میں رہ نمائی کے لیے آیا ہے، لہذا انفرادی زندگی کے ساتھ اجتماعی زندگی اور نظام سیاست بھی اس کا موضوع ہے، بلکہ اسلام کی مکمل تنفیذ کے لیے نظام سیاست کو اس کا اہم حصہ سمجھنا ضروری ہے۔

اس اکائی میں "اخوان المسلمون" کا تاریخی پس منظر، مقاصد، فکری بنیادیں اور زندگی کے مختلف میدانوں: فکر وعقیدہ، نظام تعلیم، افراد سازی، سیاست، صحافت اور اقتصادیات میں اس تحریک نے جو کارنامے انجام دیے ہیں، ان کا تذکرہ کیا گیا ہے۔۔

7.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد طلبہ کو عالم اسلام کی اہم تحریک "اخوان المسلمون" سے روشناس کرانا ہے کہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے مقصد سے اٹھنے والی یہ تحریک کن حالات میں منظر عام پر آئی، اس کی فکری بنیادیں کیا تھیں، اس نے زندگی کے کن محاذ میں اپنے دور رس اثرات مرتب کیے ہیں اور اس کے لیے کیا طریقہ کار اختیار کیے۔

7.2 اخوان المسلمون کا تعارف

بیسویں صدی کے آغاز میں اخوان المسلمون شرق اوسط کی سب سے بڑی اسلامی تحریک کے طور پر سامنے آئی۔ اس کے بانی امام حسن البنا شہیدؒ ہیں۔ اس تحریک کا مقصد اسلامی نظام حکومت کا قیام، نئی نسل کی اسلامی نہج پر تربیت، عالم اسلام اور مسلمانوں کو مغرب کی غلامی سے آزاد کرانا، مسلمانوں کی انفرادی واجتماعی زندگی کو درست نہج پر لانا، انسانوں تک انسانیت کا پیغام پہونچانا اور حقوق انسانی کا تحفظ تھا۔

7.2.1 وژن

پوری زندگی کو خدائی رنگ (صبغۃ اللہ) میں رنگنا۔

7.2.2 تاریخی پس منظر

خلافت عثمانیہ کے زوال کے بعد عالم عرب خاص طور پر مصر میں ایسے اسباب رونما ہوئے، جو بیداری کے نام پر مسلمانوں کو جاہلیت کی طرف لے جا رہے تھے اور جن کی وجہ سے ان کی زندگی سے تمام اسلامی تشخصات مٹتے جا رہے تھے۔ زوال خلافت کے بعد فوراً بعد عربوں میں قومیت اور وطنیت کے نعرے بلند ہوئے۔ خلیل احمد حامدی کے الفاظ میں "وطنی تحریک نے وطن پرستی کی آڑ میں اور ترکوں کی تنسیخ خلافت کو بہانہ بنا کر الحاد، زندقہ، آوارہ خیالی اور مغرب پرستی کو ہوا دی۔" (اخوان المسلمون: تاریخ، دعوت، خدمات، ص7) آزاد خیالی، ترقی پسندی اور تحریک نسواں نے اپنا سر اٹھانا شروع کر دیا تھا؛ چنانچہ مصر میں ایسے اہل قلم کی ایک کھیپ تیار ہوگئی، جو کھلم کھلا اس بات کا دعویٰ کرتے تھے کہ اسلام کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ علی عبد الرزاق کی کتاب "الإسلام وأصول الحکم" (اسلام اور اصول حکم رانی) اسی مکتب فکر کی ترجمان تھی، جس میں یہ دکھایا گیا کہ اسلام کا سیاسی امور سے کوئی تعلق نہیں ہے، دین صرف انسان کی روحانیت پر زور دیتا ہے۔ عورتوں کی آزادی اور فکر و نظر کی وسعت کے نام پر مغرب زدہ مفکرین کھلے عام اسلامی تعلیمات پر حملے کرنے لگے۔ اس فکر کی ترجمانی کرتے ہوئے قاسم امین نے "تحریر المرأۃ" (عورت کی آزادی) تیار کی۔ طٰہٰ حسین نے "مستقبل الثقافۃ فی مصر" (مصر میں ثقافت کا مستقبل) لکھ کر لوگوں کو یہ باور کرایا کہ عالم اسلام کی ترقی کا راز اسی میں چھپا ہے کہ مغرب کی مکمل پیروی کی جائے۔

7.2.3 آغاز و ارتقاء

ان حالات میں امام حسن البناؒ نے زندگی کے میدان میں قدم رکھا اور نہایت پامردی کے ساتھ دعوت و اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔ طالب علمی ہی کے زمانے سے حسن البنا کی سرگرمیوں کا ایک اہم حصہ سماجی برائیوں کی روک تھام تھا۔ بلوغت سے قبل ہی جب وہ مدرسۃ الرشاد الدینیہ کے طالب علم تھے، انہوں نے چند طلبہ کے ساتھ مل کر "جمعیۃ منع المحرمات" (انجمن انسداد محرمات) کی بنیاد ڈالی۔ اس انجمن کے ممبر کو جس شخص کے بارے میں معلوم ہوتا کہ وہ کسی برائی کا ارتکاب کرتا ہے، ناپ تول میں کمی کرتا ہے، یا کسی دوسرے اخلاقی جرائم میں مبتلا ہے، اس کو خط لکھ کر تنبیہ کی جاتی اور خوف خدا کی یاددہانی کرائی جاتی۔ اسی طرح جب اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے آپ قاہرہ گئے تو وہاں "جمعیت مکارم اخلاق" کے ممبر کی حیثیت سے اصلاحی سرگرمیوں میں شریک ہوئے۔ چند دنوں کے بعد انہوں نے ازہر کے چند طلبہ کے ساتھ بازاروں اور قہوہ خانوں میں وعظ و ارشاد اور درس و تدریس کی ذمہ داری انجام دینے کا کام شروع کیا۔ مارچ 1928ء میں جب حسن البنا کی عمر صرف 21 سال تھی، چھ افراد پر مشتمل ایک وفد انہی کے گھر (اسماعیلیہ) میں جمع ہوا اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لیے آپسی عہد و پیمان کے بعد تحریک "الاخوان المسلمون" (مسلمان بھائی) کی بنیاد ڈالی۔ پانچ سال تک اخوان المسلمون نے اپنی کوششوں کا دائرہ مساجد میں وعظ و تلقین، علاقائی سطح پر اصلاحی سینٹرز کا قیام، گاؤں اور قصبات کے لوگوں کو دین کی دعوت تک محدود رکھا۔ اس کے بعد 1933ء میں یہ ایک عالم گیر تحریک کی حیثیت سے منظر عام پر آئی۔

7.3 تحریک اخوان المسلمون کی فکری بنیادیں

اخوان کی فکری بنیادوں کو سمجھنے کے لیے ذیل میں اس کے بانی شیخ حسن البناؒ کا ایک اقتباس نقل کیا جارہا ہے، جس سے اس تحریک کی فکری بنیادوں، اس کے مقاصد وعزائم اور شعبہ ہائے حیات سے اس کی وابستگی کا پتہ چلتا ہے:

> ”یہ ایک ہمہ گیر تحریک ہے، جس میں اصلاح کے تمام پہلو موجود ہیں۔ یہ سلفی دعوت ہے؛ کیوں کہ اخوان کی دعوت ہے کہ کتاب وسنت کو مرکز نظر بنایا جائے۔ یہ سنی مذہب ہے؛ کیوں کہ اخوان کی کوشش ہے کہ ہر شئے میں سنت مطہرہ پر عمل کریں۔ یہ ایک صوفیانہ حقیقت ہے؛ کیوں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ خیر وصلاح کی بنیاد، پاکیزگی نفس، صفائی قلب، للہی محبت اور تعاون علیٰ الخیر ہے۔ یہ ایک سیاسی جماعت ہے، کیوں کہ اخوان حکومت کی داخلی وخارجی اصلاح اور باعزت خوددارانہ قومی تربیت وزندگی کے داعی ہیں، وہ ایک ورزشی جماعت ہے، کیوں کہ وہ اپنے ورزشی گروپوں کے ذریعے جسمانی ورزش کا خاص اہتمام کرتی ہے۔ اور اس میں وہ کسی ورزشی جماعت یا کلب سے کم نہیں۔ وہ ایک علمی وثقافتی انجمن ہے، کیوں کہ اخوانی تربیت گاہیں درحقیقت تعلیم وتہذیب کے مدرسے اور عقل وروح کی جلا ونمو کے مراکز ہیں۔ وہ ایک اقتصادی ادارہ ہے؛ کیوں کہ اسلامی معاملات پر خاص توجہ دیتا ہے۔ اخوان نے اپنی اسلامی طرز کی لمیٹیڈ کمپنیوں سے قومی اقتصادی حالت کو مضبوط تر بنانے میں بڑی خدمات انجام دی ہیں۔ وہ ایک سماجی تحریک ہے؛ کیوں کہ اخوان معاشرے کے امراض پر خاص توجہ دیتے، ان کے علاج پر غور وفکر کرتے اور امت کو سماجی امراض سے پاک کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ (تحریک اخوان المسلمین: ماضی وحال۔ محمد شوقی ذکی۔ اردو ترجمہ: ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی، ص:68)

7.4 دین وسیاست کا سنگم

اخوان کی فکری بنیادوں میں ایک اہم فکر یہ تھی کہ دین اور سیاست دو الگ چیزیں نہیں ہیں، دونوں لازم وملزوم ہیں، ان کے درمیان تفریق کا تصور اسلام کو تحریف کرنے کی ناکام کوشش ہے۔ اخوان کے خاص نشان (Logo) میں اوپر کے حصہ میں قرآن مجید، بیچ میں تلوار کی تصویر اور سب سے نیچے قرآن کریم کی آیت ”وَأَعِدُّوا“ کنندہ ہے۔ جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اسلام بیک وقت روحانی اور سیاسی دونوں قوت سے تعبیر ہے اور شریعت اسلامیہ کا مکمل نفاذ اسی وقت ممکن ہے، جب دین وسیاست کا حسین سنگم ہو۔ اخوان کے بانی امام حسن البنا نے اس فکر کو اپنی کتابوں اور مضامین میں جگہ جگہ واضح کیا ہے۔ ان کے رسائل کو ان کی اہم تحریروں میں شمار کیا جاتا ہے، جن سے اخوانی تحریک کی بنیادی فکر اور فلسفہ ومقاصد کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے، ان میں سے کچھ اہم رسائل کا اردو ترجمہ مولانا عنایت اللہ اسد سبحانی نے ”مجاہد کی اذاں“ کے نام سے کیا ہے۔ اس میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

> ”اسلام جہاں ایک سچا عقیدہ ہے، ایک عبادت ہے، وہیں وہ ایک ہمہ گیر نظام بھی ہے، جس کے دائرے سے زندگی کا کوئی گوشہ خارج

نہیں؛ چنانچہ وہ حکومت وریاست کی باگ ڈور بھی سنبھالتا ہے اور تعمیر وطن اور تشکیل امت کے لیے بھی جد وجہد کرتا ہے۔ وہ اخلاق اور رأفت ورحمت کا بھی مظاہرہ کرتا ہے اور قوت اور قانون عدل کا تازیانہ بھی اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے۔ وہ علم وثقافت کے گیسو بھی سنوارتا ہے اور فصل وقضا کی کرسی پر بھی نظر آتا ہے۔ وہ حصول رزق اور کسب مال کی راہیں بھی نکالتا ہے اور دولت وثروت کے خزانے بھی فراہم کرتا ہے۔ وہ ایک دعوت اور ایک نظریہ بھی ہے اور ایک جہاد اور ایک لشکر بھی۔"(مجاہد کی اذاں۔ حسن البنا، ترجمہ: عنایت اللہ اسد سبحانی، ص46،47)

دین وسیاست کی جامعیت کا یہ نظریہ دراصل اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے مأخوذ ہے: وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ ۖ وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا ۖ وَأَحْسِن كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ ۖ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ(القصص77)[جو مال تجھے اللہ نے دیا ہے، اس سے آخرت کا گھر بنانے کی فکر کر اور دنیا میں سے بھی اپنا حصہ فراموش نہ کر۔ احسان کر جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے اور زمین میں فساد برپا کرنے کی کوشش نہ کر، اللہ تعالیٰ مفسدوں کو پسند نہیں کرتا]جیسا کہ اس آیت میں واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے کہ آخرت کے حصول کی کوشش کے ساتھ دنیوی زندگی سے بھی فائدہ اٹھانے کی تلقین کی گئی ہے، پھر اسلام کے بارے میں یہ تصور کیسے ممکن ہو گیا کہ روحانیت کی دعوت تو دیتا ہے؛ لیکن دنیا کو اپنی بحث کا حصہ نہیں سمجھتا اور اس بارے میں کوئی رہ نمائی فراہم نہیں کرتا ہے۔

اخوان کے سیاسی نظریات کے خلاف جب چرچا شروع ہوا تو معترضین اور اسلام مخالف عناصر نے ایک سوال یہ بھی رکھا کہ اگر اخوان المسلمون اسلامی نظام حکومت قائم کرتی ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہو گا کہ اس نظام حکومت میں غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق کی پامالی ہو گی، ان کا وجود محال ہو جائے گا؛ کیوں کہ اخوان خالص قرآنی بنیادوں پر حکومت اسلامیہ کا قیام چاہتی ہے۔ اس موقع پر اخوان کے بانی حسن البنا نے یہ واضح کیا کہ اسلام کا پر حکمت دستور مقدس (قرآن کریم) اقلیتوں کی حفاظت اور حقوق کی ایک بہت واضح اور بین دفعہ لے کر آیا ہے: لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِيْ الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ"(الممتحنۃ:8)[جن لوگوں نے دین کے معاملے میں تم سے جنگ نہیں کیا ہے اور نہ تمہیں اپنے گھروں سے نکالا ہے، ان لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور عدل وانصاف کا معاملہ کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہیں نہیں روکتا ہے، بلکہ وہ تو انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے] یہ صریح حکم اقلیات کی حفاظت ہی پر دلالت نہیں کرتا، بلکہ ان کے ساتھ سلوک واحسان کی بھی تلقین کرتا ہے۔

7.4.1 اخوان المسلمون کا میدان عمل

جیسا کہ اوپر کے اقتباس سے معلوم ہوا، اس تحریک نے زندگی کے ہر میدان کو اپنی سرگرمیوں کا محور بنایا اور ان میں بڑی بڑی خدمات انجام دی ہیں، ان میں سے کچھ میدانوں کا تذکرہ نیچے کیا جا رہا ہے:

7.4.2 فکر وعقیدہ

فکر وعقیدہ اس تحریک کی سر گرمیوں کا سب سے اہم میدان ہے۔ حسن البنا نے شروع ہی سے اس پر توجہ دی کہ قرآن کریم کی آیات، سیرت رسول اکرم ﷺ، احادیث اور صحابہ کرام کے ایمان و عمل کے واقعات سنا کر عوام الناس کے ذہن ودماغ کو جلا بخشی جائے۔ ان کا یہ خیال بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کو سمجھنے کے لیے فلسفیانہ نظریات اور منطقی قیاس آرائیوں سے تعرض کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ کائنات کے اندر ذات باری کی عظمت و کبریائی کی جو بے شمار نشانیاں ہیں، مخلوق کے اندر صفات خداوندی کی جو جلوہ آرائیاں ہیں، لوگوں کے ذہن کو ان چیزوں کی طرف متوجہ کرنا چاہیے۔ اسی سے وہ خالق حقیقی کو مکمل طور پر پہچان سکتے ہیں۔ حسن البنا کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب تک وہ ذہنوں میں صحیح اور صالح عقیدہ تعمیر نہ کر دیتے، تب تک کسی فاسد اور غلط عقیدہ کو پاش پاش نہ کرتے؛ کیوں کہ تعمیر کے بعد انہدام جتنا آسان تر ہے، تعمیر سے پہلے اتنا ہی دشوار تر۔ عصر جدید کے عظیم اسلامی مفکر اور اخوان المسلمون کے فکری رہنما لکھتے ہیں:

> ”وہ (امام حسن البنا) پوری توجہ اس بات پر صرف کرتے تھے کہ دلوں میں اللہ کی معرفت جڑ پکڑے، وہ اپنے رب کی رحمتوں سے متوقع، اس کی انعامات کا امیدوار اور اس کے غضب اور اس کی سزاؤں سے خائف رہے؛ اس کا دست سوال اسی کی طرف اٹھے، بھروسہ اسی پر کرے۔ محبت ہو تو اسی سے، خوش نودی کی طلب ہو تو اس کی، اسی کے قرب سے سکون وطمانیت حاصل کرے، اسی کی یاد میں اسے لذت وفرحت کا احساس ہو: أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ (سورہ رعد:28) سن لو! اللہ ہی کی یاد سے دلوں کو سکون ملتا ہے۔“ (اخوان المسلمون کا تربیتی نظام۔ علامہ یوسف القرضاوی، ترجمہ عبید اللہ فہد فلاحی، ص:23)

7.4.3 اسلامی عقیدہ کے عناصر

حسن البنا کے نزدیک اسلامی عقیدہ میں پختگی اور مضبوطی کے لیے درج ذیل 6 / عناصر کا پایا جانا ضروری ہے، جس تفصیلی تذکرہ انہوں نے اپنے رسالہ ” الله فی العقیدة الاسلامیة ‘‘ میں کیا ہے:

- اس بات کا اعتقاد رکھنا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات واجب الوجود ہے، وہ ہر طرح کے صفات کمال سے متصف ہے۔ اپنی ذات وصفات میں وہ کسی کا محتاج نہیں ہے۔
- اس کی ذات سے ان تمام صفات کی نفی کرنا جس میں کسی قسم کا تشبہ، یا جن صفات سے اس کی ذات میں کسی قسم کا نقص محسوس ہو، مثال کے طور پر اس کا کوئی جسم نہیں، کیوں کہ جسم میں تبدیلی ماہیت کی صفت ہوتی ہے، اور یہ تبدیلی مادہ کی خصوصیت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے منزہ ہے۔ اسی طرح اس کی ذات سے تعدد کو منسوب کرنا بھی جائز نہیں ہے، کیوں کہ خدا ایک ہے جب کہ تعدد میں مختلف عناصر کی شمولیت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ (سورہ شوریٰ:11)
- اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی حقیقت وماہیت کے پیچھے نہ پڑنا کہ اس کی ذات کیسی ہے، یا اس کی صورت کیسی ہے وغیرہ۔ کیوں کہ

انسانی حواس سے اس کا ادراک نہیں کیا جاسکتا۔ جیسا کہ حدیث میں اس سے منع کیا گیا ہے کہ: اللہ کی مخلوق میں غور و فکر کرکے اس کی عظمت کا اعتراف کرو؛ لیکن خود اس کی ذات میں غور نہ کرو۔ خدا کی ذات کے ادراک کے سلسلے میں انسانی حواس کی بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد ہے: لَاتُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِکُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ (سورہ انعام :103) [نگاہیں اس کو نہیں پاسکتیں اور وہ نگاہوں کو پالیتا ہے، وہ نہایت باریک بین اور باخبر ہے]

- موروثی اور آبائی رسم ورواج کے بندھن سے آزاد ہو کر کائنات کے اسرار ورموز پر عقل سلیم کے ساتھ غور وخوض کرنا۔
- انسانی شعور ووجدان اور خالق کائنات کے درمیان کے رشتہ کو مضبوط کرنا، جو کہ خدا کی روحانی معرفت کا سب سے بہترین ذریعہ ہے۔ فکر وعقل کے مقابلہ انسان کے شعور ووجدان میں اس بات کی زیادہ صلاحیت ہے کہ وہ ان اسرار ورموز تک پہونچ سکے، جن تک نہ انسانی نگاہیں جاسکتی ہیں اور نہ انسان کی عقل وحواس۔
- مومن سے یہ مطالبہ ہے کہ اس کا قول وعمل خدائی صفات پر یقین کامل کا مظہر ہو، مثال کے طور پر ایک مومن کا یہ ایمان ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے تو پھر ہر پریشانی اور مصیبت کے وقت اس کی نظر اسی کی ذات پر ہو، اسی پر توکل کرے اور اسی سے پناہ چاہے۔ اسی طرح مومن کو یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے تو اس علم کا تقاضا ہے کہ بندۂ مومن صرف اسی کے سامنے دست سوال دراز کرے۔

7.4.4 فکری انقلاب

عقیدہ کی اصلاح کے ساتھ انہوں نے الحاد، دہریت، وطنیت، قومیت اور مغرب کی تقلید کے خلاف آواز اٹھائی، ان کے دلائل کی کمزوری کو واضح کیا۔ تجدد پسندی اور فکر و نظر کی وسعت کے نام پر نوجوانوں کا جو گروہ مغرب ہی کی پیروی میں اپنی نجات اور ترقی کا سامان سمجھتا تھا، ان کے سامنے اسلام کی جامعیت، اس کی شمولیت اور اس کی آفاقیت کو واضح کیا۔ اس راہ میں جان توڑ کوششیں کیں، اخوان کے متعدد فکری قائدین: سید قطب شہید، ڈاکٹر طٰہٰ جابر علوانی، مصطفیٰ محمد الطحان، ڈاکٹر سعید رمضان، شیخ محمد غزالی، ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی، عبد الفتاح ابوغدہ، ڈاکٹر یوسف القرضاوی، محمود محمد الصواف اور ڈاکٹر نجیب کیلانی جیسے درجنوں اصحاب فکر و قلم نے فکری میدان میں کارہائے نمایاں انجام دیے۔ اخوان کی اس فکری انقلاب کا اثر پوری دنیا میں دیکھا گیا اور ہر گوشے سے داد وتحسین کی صدائیں بلند ہوئیں۔ فلسطین کے مشہور محقق ڈاکٹر اسحاق موسیٰ الحسینی لکھتے ہیں:

”سرکاری علما محض زبانی خرچ کر رہے تھے، صوفیا کا گروہ تنگ نظر روحانیت پرستوں پر مشتمل تھا، شبان المسلمین کی تنظیم محض اصلاحی انجمن تھی، مصر جس بحران میں مبتلا تھا، ہر گروہ اس کا جزوی علاج کر رہا تھا؛ آخر اخوان المسلمون کی تحریک برپا ہوئی اور اس نے خلا کو پُر کیا۔“ (اخوان المسلمون: تزکیہ، ادب، شہادت، عبید اللہ فہد فلاحی، ص 107)

فکری میدان میں اخوان یا عام پبلک کی ذہن سازی کے لیے جو کتابیں تیار کی گئیں، ان میں سے چند یہ ہیں:

- نظام الاسر (خاندانوں کا نظام) اس کتاب کو اخوان کے مرکز نے شائع کیا ہے۔ اس میں مصری سیاست کے عام پہلوؤں کو واضح

کرتے ہوئے ان داخلی عوامل کی نشاندہی کی گئی ہے، جو تحریک اخوان کی تعمیر میں شروع سے کار فرما ہیں۔ ساتھ میں خاندانی نظام کو ظاہری وباطنی طور پر مستحکم کرنے کے لیے جن اصولوں کی ضرورت ہے، ان کی نشاندہی کی گئی ہے۔

- المرأة بین البیت والمجتمع (سوسائٹی اور گھر میں عورت کا مقام) تصنیف: ڈاکٹر بہی خولی۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ قدیم تمدنوں میں عورت کا کیا مقام تھا اور پھر اسلام نے ان کو کیا مقام دیا۔ خاندان کے حقوق، شادی، ازدواجی تعلقات، طلاق، ایک سے زائد بیویاں، ضبط ولادت، عورت کی زیب وزینت، اولاد کے حقوق، گھر کا حق، عورت اور سوسائٹی، عورت اور کام، عورت کے سیاسی حقوق، ان تمام موضوعات پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔
- عقیدۃ المسلم (مسلمانوں کا عقیدہ) مصنف: محمد الغزالی۔ یہ عقیدہ پر ایک جامع تحقیقی کتاب ہے، جس میں الوہیت و توحید، صفات خداوندی، قضاوقدر، ایمان کی بنیادیں، گناہ وتوبہ، رسالت وخلود وغیرہ پر جامع انداز میں بحث کی گئی ہے۔
- الاسلام وأوضاعنا القانونیۃ (اسلام اور ہمارے قانونی احوال) مصنف: عبد القادر عودہ۔ اس کتاب میں مصنف نے یورپین سول قوانین اور ان کے بارے میں اسلام کی رائے کو پیش کیا ہے اور بتایا ہے کہ وہ سماجی نظام کے لیے کس حد تک ضرر رساں ہے۔ بحث میں انہوں نے تقابلی طرز اختیار کیا ہے اور اسلام کی امتیازی حیثیت ثابت کرتے ہوئے رفاہ عام کے لیے اس کے قوانین کو اختیار کرنے کی ضرورت پر زور دیا ہے۔
- السیاسۃ العامۃ للتربیۃ والتعلیم (تعلیم وتربیت کی عام پالیسی) اس میں تعلیم وتربیت۔ مراحل تعلیم اور نصاب تعلیم، امتحانات کے طریقوں اور ایک صالح استاد کی ٹریننگ جیسے موضوعات پر بحث کی گئی ہے۔ (تحریک اخوان المسلمون، ماضی وحال، ص-240-242)

7.4.5 عصری تقاضوں کے مطابق نظام تعلیم کی اصلاح

مدارس وجامعات نسل نو کی تربیت اور ان کی فکری نشو ونما کا اہم ذریعہ ہیں، اس لیے اس تحریک کے بانی اور اس کے وابستگان نے نظام تعلیم کو اپنی توجہات کا بنیادی مرکز سمجھا۔ تحریک کے نزدیک تعلیم کے درج ذیل مقاصد ہیں:

1. صالح نظریہ کی اشاعت
2. اخلاق فاضلہ کا فروغ
3. ماضی کے ساتھ وابستگی
4. علمی بنیادوں پر مختلف پہلوؤں میں ماہرین کی تیاری

تعلیم کے میدان میں خدمت انجام دینے کے لیے انہوں نے دو طریقے اپنائے:

1. پہلے مرحلہ میں حکومتوں تک اپنی تعلیمی اسکیم کو پہونچانے کا کام کیا گیا، ارباب اقتدار کو دعوتی خطوط لکھے گئے، ملکی قانون کو اسلامی قالب میں ڈھالنے کا مشورہ دیا گیا اور ان سے توقع ظاہر کی کہ مسلم بچوں کی تعلیم وتربیت کے لیے اسلامی ثقافت پر مبنی لٹریچر تیار کیا جائے۔ اس سلسلے میں خود اخوان نے تعلیمی اسکیم تیار کی، جس کا خلاصہ یہ ہے:

- ایسی مضبوط پالیسی وضع کی جائے اور ایسا تعلیمی مواد فراہم کیا جائے جو اوپر ذکر کردہ مقاصد سے ہم آہنگ ہوں۔
- اسلامی تاریخ اور اسلامی تہذیب وتمدن کی تاریخ پر خصوصی توجہ دی جائے۔
- دینی تعلیم کو تمام تعلیمی مراحل میں بنیادی مضمون کی حیثیت سے پڑھایا جائے۔
- لڑکیوں کے تعلیمی نظام اور نصاب پر نظر ثانی کی جائے اور ہر ہر مرحلے میں لڑکے اور لڑکیوں کے نصاب میں فرق کیا جائے۔
- ہر ایسے شخص کو تعلیم گاہوں سے دور رکھا جائے جو فساد عقیدہ اور فساد اخلاق میں مبتلا ہو۔
- سائنسی علوم پر توجہ دی جائے اور مغربی فلسفہ اور مغربی سائنس کا امتیاز واضح کیا جائے۔ (اخوان المسلمون: تاریخ، دعوت، خدمات۔ خلیل حامدی، ص 101-100)

2. دوسرے مرحلہ میں اخوان نے استطاعت بھر اپنی ایجوکیشن پالیسی کو نافذ کرنے کی کوشش کی اور اس کا سب سے آسان راستہ یہ تھا کہ اپنے زیر انتظام مکاتب، مدارس، اسکول اور تعلیمی سینٹرز قائم کیے جائیں۔ چنانچہ ملک میں اخوان کی جتنی شاخیں تھیں، ان تمام کے تحت مختلف تعلیمی سینٹرز قائم کیے گئے۔ لڑکے اور لڑکیوں کے لیے الگ الگ ابتدائی وثانوی درس گاہیں قائم کیں، عوام الناس کو دین سے آشنا کرنے کے لیے عوامی مدارس کھولے، جو طلبہ کسی حکومتی یونیورسٹی امتحان میں ناکام ہو جاتے، ان کی کوچنگ کے انتظامات کیے گئے۔ لڑکیوں کے لیے مدارس امہات المؤمنین اور جو طلبہ مدارس میں مستقل نہیں رہ سکتے، ان کے لیے "مدارس جمعہ" کے نام سے قائم مدرسوں میں ہر جمعہ کی نماز سے پہلے تین گھنٹے حلقۂ درس لگائے جاتے۔

تعلیمی اسکیم کے عملی نفاذ کے ساتھ اخوان نے اسلامی ثقافت پر مبنی لٹریچر کی تیاری اور اس کی نشرواشاعت پر بھرپوری توجہ دی ہے۔ اس کے لیے اخوان کے مرکز میں ایک شعبہ "اشاعت دعوت" کے نام سے قائم ہے، جو مختلف موضوعات پر لٹریچر کی تیاری کا کام انجام دیتا ہے۔ اخوان کے بانی رہ نمانے اس موضوع پر جو لٹریچر تیار کیا ہے، ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:

- دعوتنا (ہماری دعوت) — حسن البنا
- ھل نحن قوم عملیون (کیا ہم عملی لوگ ہیں) — حسن البنا
- الاخوان المسلمون تحت رایۃ القرآن (اخوان پرچم قرآن کے نیچے) — حسن البنا
- بین الأمس والیوم (کل اور آج) — حسن البنا
- المنہج الدراسی الاسلامی لاخوان الأسر (اخوانیوں کے اسلامی مطالعہ کا نصاب) — شعبۂ اشاعت دعوت

7.4.6 افراد سازی

افراد سازی کو اخوان کی تعلیمی اور تربیتی پالیسی کا مقصود اصلی کہا جاسکتا ہے۔ تعلیم کے میدان میں انہوں نے جو جدوجہد کی ہے، اس کے پیچھے یہی راز کار فرما تھا کہ ہماری تربیت کے نتیجے میں ایک ایسی نسل وجود میں آئے، جس کے ایک ہاتھ میں قرآن ہو، جس سے وہ زندگی کے ہر موڑ پر رہ نمائی حاصل کرتا ہو تو اس کے دوسرے ہاتھ میں دنیا کی باگ ڈور ہو، قوموں اور ملکوں کی قیادت کے لیے جو صلاحیتیں درکار ہیں، وہ ان تمام سے لیس ہو۔

افراد سازی کے لیے خاص طور پر امام حسن البنا نے ایک رسالہ ''رسالۃ التعالیم'' لکھا اور اس میں دس عناصر پر گفتگو کرتے ہوئے یہ بتایا کہ دس ایسی خصوصیات یا عناصر ہیں جو اسلام کے ذریعہ پیدا ہوتی ہیں اور ایک مثالی شخصیت بننے کے لیے ان کا پایا جانا ضروری ہیں۔ وہ دس عناصر یہ ہیں:

1۔ فہم　　2۔ اخلاص　　3۔ عمل　　4۔ جہاد　　5۔ قربانی

6۔ اطاعت گزاری　　7۔ ثابت قدمی　　8۔ یکسوئی　　9۔ بھائی چارگی　　10۔ باہمی اعتماد

ان دس عناصر کو پیدا کرنے کے لیے اخوان نے ایک پالیسی پروگرام بھی تیار کیا، جس میں اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ کسی بھی فرد کی تربیت کے تین قسم کے وسائل کا پایا جانا نہایت ہی ضروری ہے:

1۔ مربی　　2۔ صالح ماحول　　3۔ مناسب دستور العمل

اسی طرح عورتوں اور بچوں کے لیے مناسب تعلیمی مواد فراہم کیا گیا اور یہ طے کیا گیا کہ ہر شعبہ کی دو شاخیں ہوں گی: ایک نسوانی کام کے لیے اور دوسری بچوں کی صفوں میں کام کرنے کے لیے، ہر ایک کے حلقے ہوں گے، ہر ایک کی خاص رعایت ہوگی، ہر ایک کی مناسب کتابیں ہوں گی اور اس طرح کے ماحول میں کام کرنے سے جو فتنے پیدا ہو سکتے ہیں، ان سے بچنے کے لیے لازمی اور احتیاطی اقدامات کرنے چاہئیں۔ بچوں کی اس طرح تربیت کی جائے کہ وہ جسمانی، عقلی، قلبی، روحانی، عملی اور معاشی ہر طرح سے تیار ہو سکیں۔ بہادری کے کام اور بہادرانہ اخلاق کی ان کے اندر آبیاری ہو، ان کے لیے کھیل کود اور ورزش کا اہتمام کیا جائے۔ بچپن میں چوں کہ حافظہ تیز ہوتا ہے، اس لیے اسی عمر میں قرآن پاک، احادیث اور زیادہ سے زیادہ قواعد و آداب یاد کرا دیں۔ مزید یہ کہ عورتوں کو ان کے خاص مسائل کے بارے میں بھی مکمل واقفیت ہو۔ (اخوان المسلمون: مقصد، مراحل، طریق کار۔ پروفیسر سعید حویٰ۔ ترجمہ عبید اللہ فہد فلاحی، ص104-103)

علامہ یوسف القرضاوی نے اپنی کتاب ''اخوان المسلمون کا تربیتی نظام'' میں اخوان کے تربیتی نظام کی مفصل وضاحت کی ہے۔ انہوں نے پانچ اہم نکات کا ذکر کیا ہے، جن پر اخوانی تربیت اپنی توجہ مرکوز کرتی ہے:

1. ربانیت: یعنی انسان نفس پرستی کے بجائے خدا پرستی کی طرف مکمل طور پر یکسو ہو جائے۔ اس سے ملاقات اور حساب و کتاب پر یقین کامل ہو، اسی کی رحمت کا طلب گار، اس کی سزاؤں سے خائف، دنیا کی بے جا محبت سے دوری، فرائض کا اہتمام، سنت کا التزام، نماز باجماعت کی پابندی، نوافل کا شوق اور ذکر الٰہی سے رغبت ہو۔
2. جامعیت: اس میں اعتقادی، فکری، اخلاقی، جسمانی، مجاہدانہ، اجتماعی اور سیاسی ہر طرح کی تربیت شامل ہے۔ اسی طرح مومن کی تربیت اس نہج پر ہو کہ مصائب و مشکلات پر صبر اور خوش حالی میں جذبۂ شکر بندۂ مومن کا وطیرہ بن جائے۔
3. تعمیر و ایجابیت: اخوان کے بانی کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ انہوں نے فضول باتوں، بے کار مشغلوں اور دوسروں کے عیوب تلاش کرنے پر انہوں نے کبھی اپنی توجہ صرف نہیں کی۔ انہوں نے خود اپنی اور اخوان کے دوسرے نوجوانوں کی صلاحیتوں کا استعمال صرف تعمیری کام میں لگایا۔ ساتھ میں وہ گفتار کے نہیں بلکہ کردار کے غازی تھے، انہوں نے دوسروں کو ہمیشہ اسی کی دعوت دی۔ ایجابیت سے مراد یہ ہے کہ انفرادی عبادات کی لذت میں محصور ہو کر نہ رہا جائے، بلکہ سماجی برائیوں اور عوام کی مشکلات کی طرف بھی پوری توجہ کی جائے۔
4. اعتدال و توازن: اخوان کے تربیتی نظام کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ انہوں نے اعتدال و توازن کا دامن کبھی بھی ہاتھ سے چھوٹنے نہیں دیا۔ عقل و جذبات، مادہ و روح، نظریہ اور عمل، فرد اور معاشرہ، شوریٰ اور اطاعت اولی الامر، حقوق و واجبات اور قدیم و جدید کے درمیان ہمیشہ توازن برقرار رکھا۔
5. اخوت و اجتماعیت: اخوت و بھائی چارگی اخوان کی تحریک کا سب سے نمایاں عنصر ہے۔ اس تحریک کے نام ہی میں یہ عنصر نمایاں ہے کہ تمام دنیا کے مسلمان، چاہے ان کا تعلق کسی بھی نسل و رنگ اور خطے سے ہوں، بحیثیت مجموعی وہ بھائی ہیں۔ بانی تحریک نے اس عنصر کو اس لیے بھی نمایاں کیا کہ دنیا میں وحدت سے بڑی کوئی طاقت نہیں ہوتی۔ کسی بھی تحریک کی کامیابی کی پہلی شرط اس کے افراد کا باہم متحد (رحماء بینھم) ہو جانا ہے۔

7.4.7 صحافت

بیسویں صدی میں عالم اسلام میں جو انقلابات رونما ہوئے ہیں، ان میں سب سے موئثر کردار صحافت کا رہا۔ 1884ء میں سید جمال الدین افغانی اور شیخ محمد عبدہ کی کوشش سے پہلا عربی مجلہ ''العروۃ الوثقی'' کے نام سے شائع ہوا۔ اس کے بعد عالم عرب بالخصوص مصر میں مجلات و رسائل کا تانتا بندھ گیا، اس کے بعد ہر طرح کے سماجی، سیاسی اور ادبی معرکہ کا سب سے بڑا میدان صحافت ہی کو تصور کیا جانے لگا۔ امام حسن البنا نے تحریک کے آغاز ہی میں اس کی ضرورت محسوس کر لی تھی، لیکن ان کے پاس اپنا مخصوص مجلہ نہ ہونے کی وجہ سے دیگر رسائل کی مدد سے اپنے افکار و نظریات کی اشاعت جاری رکھی؛ لیکن تحریک کے بڑھتے اثرات نے تقاضا کیا کہ اخوان کے دفتر سے بھی ایک مجلہ جاری کیا جائے، چنانچہ مجلس شوریٰ کے اتفاق سے 15 / جون 1933ء میں ''مجلۃ الاخوان المسلمین'' کے نام سے پہلا شمارہ منظر عام پر آیا، جس کے ایڈیٹر شیخ طنطاوی جوھری منتخب ہوئے۔ جنوری 1938ء تک یہ مجلہ اخوان کے دفتر سے نکلتا رہا؛ لیکن چند اسباب کی وجہ سے یہ مجلہ

اخوان کے ہاتھ سے نکل گیا۔

دوبارہ اخوان نے "مجلۃ النذیر" کے نام سے مئی 1938ء میں دوسرا مجلہ جاری کیا، جس کے ایڈیٹر استاذ محمود ابوزید اور چیف ایڈیٹر استاذ صالح عشماوی منتخب ہوئے۔ اس مجلہ کے فرنٹ پر یہ الفاظ آویزاں تھے "سیاسۃ اِسلامیۃ تصدر علیٰ مبادیٔ الاخوان المسلمین"۔ اس مجلہ میں دینی، سیاسی، معاشرتی مسائل، جیسے نوجوان، مسلم خواتین، تعلیم اور سماجی اصلاحات پر مبنی مضامین شائع ہوتے تھے؛ بالخصوص عالم عرب اس وقت جن چیلنجز کا سامنا کر رہا تھا، جسے عیسائی مشنریز، قادیانیت، بہائیت، استشراق، صہیونیت، ان تمام میں اسلام کے پروزور وکیل کی حیثیت سے اس نے اپنی خدمات انجام دیں۔ اور پھر جب طٰہٰ حسین کی کتاب "مستقبل الثقافۃ فی مصر" (مصر کا ثقافتی مستقبل) منظر عام پر آئی اور انہوں نے کھلے عام مغرب کی اندھی تقلید کا نظریہ پیش کیا تو اخوانی رہ نماؤوں نے اس نظریہ کے بطلان کو واضح کرنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ بقول خلیل حامدی "اخوان نے اپنی زوردار صحافت کے ذریعے مصر کی صحافتی زندگی میں انقلاب برپا کر دیا۔ لوگ فحش قصوں اور سنسنی خیز خبروں میں دل چسپی لینے کے بجائے ٹھوس مسائل میں دل چسپی لینے لگے۔ (اخوان المسلمون: تاریخ، دعوت، خدمات۔ خلیل حامدی 100-99)

دوسری عالمی جنگ کے اثر سے 2/سال کی مدت تک یہ تحریک کوئی مجلہ شائع نہ کر سکی، 1942ء میں دوبارہ موقع ہاتھ آیا اور پھر "مجلۃ الاخوان المسلمون" ہی کے نام سے پندرہ روزہ رسالہ جاری ہوا۔ کچھ مہینے بعد ہفتہ واری نکلنے لگا اور پھر 1946ء میں یہ رسالہ، یومیہ جریدہ کی شکل میں بدل گیا۔ اس کے بعد مختلف حالات کی بنا پر ناموں کی تبدیلی کے ساتھ اخوان کے دفتر سے مختلف رسائل و جرائد نکلتے رہے، اخیر میں 28/اکتوبر 2011ء میں "صحیفۃ الحریۃ والعدالۃ" کے نام سے ایک رسالہ منظر عام پر آیا؛ لیکن 2013ء میں اس پر بھی مکمل پابندی لگادی گئی۔

مخصوص رسائل و جرائد کے علاوہ کچھ ایسے رسائل بھی تھے جن کی اشاعت کا سلسلہ دوسرے لوگوں نے شروع کیا تھا؛ لیکن بوجوہ بند ہوگئے، ان رسائل کو اخوان نے عارضی مدت کے لیے اپنی تحویل میں لے لیا، جیسے "مجلة التعارف"، "مجلة المنار"، "مجلة المباحث القضائية"، "مجلة لواء الاسلام" اور صحيفة آفاق عربية"۔

7.4.8 اقتصادیات

اخوان نے شروع ہی سے اس ضرورت کا ادراک کر لیا تھا کہ جو تحریک شعبہ ہائے حیات میں قیادت کی علم بردار اور اس کی دعوے دار ہو، اس کے لیے عملی طور پر شعبہ ہائے حیات میں رہ نمائی اور مادی ضروریات کی تکمیل کے لیے اقدامات کرنا بھی ضروری ہے۔ اس ضرورت کی تکمیل کے لیے اس نے اقتصادی قوت کو بڑھانے پر بھرپور توجہ دی، ملک کے اندر متعدد تجارتی کمپنیاں قائم کی گئیں، جن کا منافع مضاربت کے اصولوں پر تقسیم ہوتا تھا۔

1. **اسلامی معاملات کمپنی:**

یہ کمپنی 1939ء میں قائم ہوئی۔ اس کمپنی نے ٹرانسپورٹ سروسیں کھولیں، پیتل کی ایک بہت بڑی فیکٹری قائم کی، جو مکمل اسٹو

(گیس چولھے) اور اس کے مختلف پرزے بناتی تھی۔ اس کمپنی نے سمینٹ کی ایک فیکٹری بھی قائم کی۔

2. **شرکت عربیہ:**

یہ کمپنی سنگ تراشی کے جدید ترین آلات درآمد کرتی تھی۔

3. **شرکت پارچہ بافی:**

1948ء میں اس کمپنی نے کپڑے بنانے کا کارخانہ کھولا۔ یہ کارخانہ بہترین پاپلین، ریشمی کپڑا، گبرڈین اور دوسرے پارچات تیار کرتا تھا، جو بازار میں کم داموں میں فروخت ہوتے تھے۔

4. **ٹریڈنگ اینجبیز کمپنی**

اس کمپنی نے پہلے سویز کے شہر میں اپنی تجاتی اسکیم شروع کی اور اس کا کام ترقی کرکے تجارت، باربرداری (موٹر) اور فن اشتہار (ایڈورٹائزنگ) تک پہونچ گیا۔ اس کا ہیڈکوارٹر قاہرہ میں قائم کیا گیا۔ ملک کے طول وعرض میں اس کی شاخیں قائم ہوئیں۔

اس کے علاوہ شرکت مطبعہ اسلامیہ، شرکت جریدۂ یومیہ، شرکت تجارت واعمال ہندسہ اور شرکت تجاریہ کے نام سے مصر کے الگ الگ شہروں میں کمپنیاں قائم کی گئیں۔ ان کمپنیوں میں تجارت کے اصول خالص اسلامی تھے، سود سے پاک اس نظام کی طرف لوگ تیزی سے مائل ہوئے اور ایک بڑی تعداد اس میں شریک ہوگئی۔ ان کمپنیوں سے کثیر منافع کی وجہ سے بہت جلد اخوانیوں کی معاشی پوزیشن بہت ہی زیادہ مضبوط ہوگئی۔

7.5 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- اخوان المسلمون کا مقصد اسلامی نظام خلافت کا احیاء اور مسلمانوں کو مغرب کی غلامی سے نجات دلانا ہے۔
- یہ ایک ہمہ گیر تحریک ہے، جس میں اصلاح کے تمام پہلو موجود ہیں۔
- یہ تحریک اس بات کی قائل ہے کہ سیاست اسلام کا بنیادی حصہ ہے، اس کے بغیر دین کا ناقص تصور رہ جاتا ہے۔
- اس تحریک نے فکر وعقیدہ، نظام تعلیم وتربیت، سیاست، صحافت اور معیشت کے میدان میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔
- سادگی، تلاوت، نماز، سپہ گری، حسن اخلاق جیسے اہم عناصر پر توجہ مرکوز کے بعد ہی کسی کی شخصیت لائق تقلید شخصیت ہوتی ہے۔ اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ اس نے اسلامی نظام زندگی کا لائق اتباع ماڈل لوگوں کے سامنے پیش کیا۔

7.6 نمونہ امتحانی سوالات

7.6.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. اخوان المسلمون کا قیام کب ہوا؟

(a). مارچ 1927 (b). مارچ 1928 (c). جولائی 1928 (d). اگست 1929

2. اخوان المسلمون کے بانی کون ہیں؟

(a). یوسف القرضاوی (b). محمد الغزالی (c). حسن البنا (d). سید قطب شہید

3. اخوان المسلمون کے دفتر سے جاری ہونے والے پہلا رسالہ کون سا ہے؟

(a). مجلہ اخوان المسلمین (b). مجلہ المنار (c). مجلۃ النذیر (d). مجلۃ الفتح

4. اخوان المسلمون کی تشکیل میں کل کتنے افراد شریک تھے؟

(a). 10 (b). 8 (c). 4 (d). 6

5. الاسلام وأوضاعنا القانونیۃ (اسلام اور ہمارے قانونی احوال) کے مصنف کون ہیں؟

(a). محمد الغزالی (b). حسن البنا (c). عبد القادر عودۃ (d). ابو الحسن علی ندوی

7.6.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. اخوان المسلمون کے قیام کے مقصد پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالیے۔
2. امام حسن البنا کے اس قول: الله غايتنا والرسول قدوتنا والقرآن شرعتنا والجهاد سبيلنا والشهادة أمنيتنا کی مختصر تشریح کیجیے۔
3. حسن البنا کے نزدیک مثالی شخصیت بننے کے لیے کن دس عناصر کا پایا جانا ضروری ہے؟ لکھیے۔
4. اخوان المسلمون کی فکری بنیادوں پر مختصر نوٹ لکھیے۔
5. فکری انقلاب کے میدان میں اخوان کی خدمت پر روشنی ڈالیے۔

7.6.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. اخوان المسلمون نے افراد سازی کے لیے کیا پالیسی بنائی؟ تفصیل سے روشنی ڈالیے۔
2. حسن البنا کے نزدیک اسلامی عقیدہ کے عناصر کیا ہیں؟ مضمون لکھیے۔
3. اقتصادیات کے میدان میں اخوان کی کیا خدمات ہیں؟ بیان کیجیے۔

7.7 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. تحریک اخوان المسلمین : ماضی وحال۔ محمد شوقی ذکی۔ اردو ترجمہ: ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی۔ مجلس نشریات اسلام، طبع دوم1999ء
2. اخوان المسلمون کا تربیتی نظام۔ علامہ یوسف القرضاوی، ترجمہ عبید اللہ فہد فلاحی۔ ہندوستان پبلی کیشنز، دہلی1982ء
3. اخوان المسلمون: تزکیہ، ادب، شہادت، عبید اللہ فہد فلاحی۔ القلم پبلی کیشنز، کشمیر2011ء
4. اخوان المسلمون: تاریخ، دعوت، خدمات۔ خلیل احمد حامدی۔ مرکزی مکتبہ اسلامی، نئی دہلی1981ء
5. اخوان المسلمون: مقصد، مراحل، طریق کار۔ پروفیسر سعید حویٰ۔ ترجمہ عبید اللہ فہد فلاحی۔ ہندوستان پبلی کیشنز، دہلی1982ء
6. حسن البنا کی ڈائری۔ مترجم: خلیل احمد حامدی۔ مرکزی مکتبہ اسلامی، پبلشرز، نئی دہلی2005ء

اکائی 8: اخوان المسلمون (حصہ دوم)

اکائی کے اجزا:

8.0 تمہید

8.1 مقاصد

8.2 اخوان المسلمون آزمائشوں کے نرغے میں

8.2.1 عالم اسلام کو متحد کرنے کی کوشش

8.2.2 اخوان کے خلاف کریک ڈاؤن

8.2.3 اخوان پر مکمل پابندی اور حسن البنا کی شہادت

8.3 اخوان المسلمون کے مختلف رہ نما اور ان کے کارنامے

8.3.1 حسن بن اسماعیل الہضیبی

8.3.2 سید عمر تلسمانی

8.3.3 محمد حامد ابوالنصر

8.3.4 مصطفیٰ مشہور

8.3.5 شیخ مامون الہضیبی

8.3.6 محمد مہدی عاکف

8.4 اخوان المسلمون میں خواتین کی شراکت داری

8.4.1 اخوات مسلمات کی کارکردگی

8.4.2 صبر واستقامت کی انوکھی مثال: زینب الغزالی

8.5 اخوان المسلمون کی ایک سالہ حکومت

8.6 اخوان المسلمون کے عالمی اثرات

8.7 اکتسابی نتائج

8.8 نمونہ امتحانی سوالات
8.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
8.8.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات
8.8.3 طویل جوابات کے حامل سوالات
8.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

8.0 تمہید

اس اکائی میں یہ بتایا گیا ہے کہ اخوان المسلمون نے جب میدان سیاست میں قدم رکھا، حکومت کی غلط پالیسیوں پر تنقید کی اور ظالم وجابر حکومت کی جگہ ایک متبادل اور اسلامی خصوصیات کی حامل نظام حکومت کے قیام کا منصوبہ پیش کیا تو استعماری طاقتوں کی نیندیں اڑ گئیں اور پھر اس کے بعد تحریک آزمائشوں میں گھر گئی، اس کے رہ نماؤں کو قید وبند کی صعوبتیں جھیلنی پڑیں، یہاں تک کہ بانی تحریک کی شہادت کا سانحہ پیش آیا۔ اس کے بعد لگاتار آزمائشوں کا سلسلہ جاری رہا۔ اس درمیان متعدد قائدین نے اس کی باگ ڈور سنبھالی اور راہ حق پر گامزن رہے۔ خواتین اسلام بھی اس معاملے میں کسی سے پیچھے نہ رہیں، تحریک اسلامی کی راہ میں ان کا نمایاں کردار بھی تاریخ کے صفحات میں درج ہے۔ دہائیوں کی کوشش کے بعد جب اس تحریک کو تخت سلطنت پر متمکن ہونے کا موقع ملا تو اس نے وقت کو غنیمت سمجھتے ہوئے وہ سب کچھ کر دکھایا جس کا اس نے برسوں سے وعدہ کیا تھا۔ ان تمام باتوں کا تفصیلی تذکرہ اس اکائی میں موجود ہے۔

8.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد طلبہ کو یہ باور کرانا ہے کہ اخوان المسلمون نے جس راہ پر چلنے کی ٹھانی تھی، وہ کوئی آسان راہ نہیں تھی، بلکہ وہ کانٹوں سے بھری اور آزمائش ومشکلات سے پُر تھی۔ اس درمیان اس کے جیالوں نے قربانی کی جو انوکھی مثالیں پیش کیں، اور راستہ کی تنگی کے باوجود جس طرح اپنے مقصد پر گامزن رہے، وہ صبر واستقلال کی عظیم تاریخ ہے۔ اسی طرح یہ بتانا بھی مقصود ہے کہ اخوات مسلمات کے تحت اسلام کی سربلندی کا خواب دیکھنے والی خواتین کی اس راہ میں کیا قربانیاں رہی ہیں اور اخوان نے اپنی ایک سالہ دور حکومت میں کیا کارنمایاں انجام دیے۔

8.2 اخوان المسلمون آزمائشوں کے نرغے میں

8.2.1 عالم اسلام کو متحد کرنے کی کوشش

گزشتہ اکائی میں یہ بتایا گیا تھا کہ اخوان المسلمون نے سیاست کو اپنی سرگرمی کا اہم حصہ بنایا اور پختہ دلائل کی روشنی میں اس بات کو

ثابت کیا کہ اسلام کا سیاست سے بہت گہرا تعلق ہے۔ سیاست کے بغیر دین کا تصور ناقص اور بے مقصد ہو جاتا ہے۔ پانچ سال خاموش دعوت کے بعد 1933ء تا 1939 اسلامی نظریۂ سیاست کو پیش کرنے اور لوگوں میں سیاسی بیداری لانے کے لیے عام جلسوں، تقریروں اور کتابچوں کا سہارا لیا گیا۔ اس درمیان مسلم وزارتوں کو خطوط لکھنے کا سلسلہ جاری رہا۔ ان خطوط میں سب سے زیادہ اہمیت کا حامل چالیس صفحات پر مشتمل حسن البنا کا وہ خط مانا جاتا ہے، جو انہوں نے 1936ء میں شاہ مصر فاروق، مصر کے وزیر اعظم مصطفیٰ نحاس پاشا، عرب اور دیگر مسلمان ملکوں کے سربراہان کے نام لکھا۔ حسن البنا نے اس خط کو "نحو النور" (روشنی کا پیغام) کا نام دیا۔ اس خط کا بنیادی مقصد استعماری طاقتوں کے خلاف عالم اسلام کو متحد کرنا تھا۔ اس میں انہوں نے مسلم حکمرانوں کو ان کے منصب کی اہمیت اور ذمہ داری کی طرف توجہ دلاتے ہوئے پر تین اہم شعبوں میں اصلاح کی طرف توجہ دلائی:

1. **سیاسی، عدالتی اور انتظامی شعبوں میں درج ذیل اصلاحات ہونی چاہئیں**

- گروہ بندیوں اور سیاسی جماعت بازیوں کا خاتمہ کیا جائے۔ امت کی تمام سیاسی توانائیوں کو ایک رخ پر لگایا جائے اور سب ایک پلیٹ فارم پر نظر آئیں۔
- قانون کی اصلاح کی جائے، یہاں تک کہ وہ تمام شکلوں میں شریعت اسلامی سے ہم آہنگ ہو جائے۔
- فوجی قوت مضبوط کی جائے، نوجوانوں کی زیادہ سے زیادہ ٹیمیں بنائی جائیں اور ان کے اندر جہاد کی اسپرٹ پیدا کی جائے۔
- خلافت اسلامیہ کی بازیابی کے لیے تمام عرب ممالک سے تعلقات استوار کیے جائیں۔
- سرکاری دفاتر میں اسلامی روح عام کی جائے۔ افسروں اور ملازموں کے شخصی معاملات کی نگرانی کی جائے، اگر ان میں سے کوئی رشوت لیتے ہوئے پکڑا جائے تو اسے سخت تعزیری سزا دی جائے۔

2. **تعلیمی اور اجتماعی شعبہ میں**

- عوام کو اسلامی آداب کا خوگر بنایا جائے۔
- عورت کے مسئلے کو اس طرح حل کیا جائے کہ وہ بھی ترقی کی دوڑ میں حصہ لے سکیں اور اس کے دامن عصمت پر کوئی چھینٹ تک نہ آسکے۔
- کھلی چھپی عصمت فروشی کا سدباب کیا جائے۔ زنا کو انتہائی گھناؤنا اور سنگین جرم تصور کیا جائے۔
- مخلوط تعلیم پر مکمل پابندی عائد کی جائے اور اس کے بالمقابل لڑکے اور لڑکیوں دونوں کے لیے علیٰحدہ تعلیم گاہیں بنائی جائیں اور ان کے لیے ایسے معلمین اور معلمات کا انتخاب کیا جائے، جو کسی قسم کے فسق وفجور میں ملوث نہ ہوں۔

3. **معاشی میدان میں**

- زکوٰۃ کا اجتماعی نظام قائم کیا جائے اور اس سے ضرورت مندوں کی کفالت کی جائے۔

سود کا مکمل سد باب کیا جائے۔ غیر سودی بنک قائم کرے۔ تجارت کے فروغ اور امت کی معاشی پوزیشن بحال کرنے کے لیے لوگوں کو صنعتی قرضے دیے جائیں۔ جو لوگ معاشی اسکیم کا حصہ بننا چاہیں، ان کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

- بے روزگاروں کو روزگار فراہم کیا جائے۔ جو اسکیمیں غیروں کے ہاتھوں میں ہیں، اس سے ان کو بے دخل کیا جائے۔
- ذخیرہ اندوز کمپنیوں کی زیادتیوں پر روک لگائی جائے۔
- مزدوروں کی صنعتی و معاشرتی ضروریات پر توجہ دی جائے اور ان کا معیار زندگی کچھ اور بہتر بنایا جائے۔

اس طویل خط میں اور بھی بہت سے مشورے دیے گئے، سب سے اہم بات یہ کہ حسن البنا نے مسلم حکومتوں کے سامنے یہ پیش کش نہیں رکھی کہ اقتدار ہمارے حوالے کر دیا جائے، صرف اصلاحات کا مطالبہ کیا، مزید یہ امید بھی دلائی کہ اگر کوئی حکومت ان اصلاحات کو عملی جامہ پہنانے کے لیے آگے بڑھے تو ہم تن من دھن سے اس کے ساتھ کھڑے ہیں:

”ہم اپنی جانیں اور صلاحیتیں اور تمام چیزیں، ہر ایسی انجمن یا حکومت کے حوالے کرتے ہیں جو امت اسلامیہ کی ترقی کے لیے فکر مند ہو، ہم اس کی پکار پر لبیک کہیں گے اور تن من دھن سے اس پر قربان ہوں گے“ (مجاہد کی اذاں، ص277)

خطوط کا سلسلہ جاری رکھنے کے ساتھ حسن البناؒ نے 1938ء کے پانچویں کانفرنس میں ایک جامع اور پُر مغز خطبہ پیش کیا، اس میں انہوں ایک تاریخی حقیقت لوگوں کے سامنے رکھی کہ جس سعادت کی تلاش ہم مسلمانوں کو ہے، اس کے چشمے خود ہمارے اندرون سے ابلتے ہیں۔ جس شقاوت و بدبختی سے ہم دوچار ہیں، اس کا سرچشمہ بھی ہمارا اندرون بھی ہے: إِنَّ اللَّهَ لاَ يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ (سورہ رعد:11) مزید انہوں نے اخوان المسلمون کی فکری بنیادوں کو آشکارا کرتے ہوئے استعماری طاقتوں کے خلاف کھل کر جہاد کی دعوت دی۔

اخوان کی اس واضح دوٹوک دعوت اور عملی میدان میں ان کے بے شمار اصلاحی اور تعمیراتی کام نے یونیورسٹی کے اساتذہ و طلبہ کو بے حد متاثر کیا۔ ان کے علاوہ تاجر، صنعت کار، انجینئر، ڈاکٹر اور وکلاء کی غیر معمولی تعداد اخوان سے قریب ہو گئی۔ زمینی سطح پر اخوان کے بڑھتے اثرات ہی وہ چنگاری تھی جس نے بے غیرت مسلم حکمرانوں اور اتحادی طاقتوں کی نیندیں اڑادیں۔

8.2.2 اخوان کے خلاف کریک ڈاؤن

اخوان کے خلاف پہلا کریک ڈاؤن حسین سرّی کی وزارت میں ہوا، جو برطانوی سفارت خانہ کے دباؤ کی وجہ سے ہوا۔ اس مرحلہ میں اخوانی سربراہوں کو الگ الگ شہروں میں منتقل کر دیا گیا، ان کے ماہناموں، کتابچوں اور رسائل کی اشاعت یکسر روک دی گئی۔ لیکن جب محسوس ہوا کہ ساری پابندیوں کے باوجود عوام کے درمیان ان کی مقبولیت میں کچھ کمی نہ آئی تو حسن البنا اور اخوان کے جنرل سکریٹری کو گرفتار کر لیا گیا، لیکن پھر عوامی دباؤ میں چند ہی دنوں میں رہا کر دیے گئے۔ حسین سرّی کے بعد مصطفیٰ نحاس کی وفد پارٹی کے اقتدار میں آجانے کے بعد حسن البنا نے ”اسماعیلیہ“ حلقہ انتخاب سے پارلیمنٹ کا الیکشن لڑنا چاہا، لیکن وزیر اعظم نحاس نے حسن البنا کو نامزدگی واپس لینے

کا مطالبہ کیا، مصلحت کے تحت حسن البنا نے اس مطالبہ کو تسلیم کر لیا، اس کا فوری اثر یہ ہوا کہ اس سے پہلے حکومت نے اخوان پر جو پابندیاں لگائی تھی، ان میں تخفیف کر دی گئی۔ لیکن یہ سلسلہ زیادہ دنوں جاری نہ رہ سکا۔ نحاس کے بعد احمد ماہر کی وزارت میں پہلے کے مقابلہ میں کہیں زیادہ تشدد کا معاملہ کیا گیا۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران مصری حکومت نے اتحادی طاقتوں کے دباؤ میں آکر جرمنی اور اٹلی کے خلاف اعلان جنگ کیا، اخوانی تحریک کی جانب سے اس کی پرزور مخالفت ہوئی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ 1945ء میں جنگ کے خاتمہ کے بعد اخوانیوں پر ابتلاء وآزمائش کا سب سے شدید ترین مرحلہ شروع ہو گیا۔

ایک طرف آزمائشوں میں شدت آئی تو دوسری طرف تحریک اخوان کی صدائے بازگشت مصر کے باہر بھی سنائی دینے لگی۔ تجارتی کمپنیوں کے قیام کے بعد مالی پوزیشن بھی مضبوط ہو گئی۔ اب یہ منصوبہ بنایا گیا کہ امت مسلمہ کے ہر فرد کی روحانی تربیت کے ساتھ اس کی جسمانی ٹریننگ بھی کی جائے، اس کے لیے فوجی دستے قائم کیے، ٹریننگ کے لیے جگہیں خاص کی گئیں۔ ممبران کو مستقل ذمہ داریاں سونپی گئیں۔ اخوان کے بڑھتے اثرات پر روشنی ڈالتے ہوئے ان حالات کے عینی شاہد محمد شوقی ذکی لکھتے ہیں:

”صرف مصر میں اس کے باقاعدہ ممبروں کی تعداد اس سے کئی گنا زیادہ تھی۔ تنہا مصر میں اس کے شعبوں کی تعداد دو ہزار ہے اور سوڈان میں پچاس شعبے، وہ شاخیں الگ ہیں جو بہت سے عربی ممالک اور اسلامی ممالک میں قائم ہیں۔ اسی طرح وہ مؤیدین بھی الگ ہیں، جو تمام اسلامی ممالک اور یورپ وامریکہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ جماعت کا یہ حیرت انگیز پھیلاؤ، قبولیت اور دقیق عصری تنظیم یہی وہ چیزیں تھیں، جو دوسری جنگ عظیم کے بعد آنے والی مصری حکومتوں کی طرف سے اس کے مقابلے اور اس پر سخت گیری کا سبب بنیں۔“ (تحریک اخوان المسلمون، ماضی وحال۔ محمد شوقی ذکی، ص:74-75)

8.2.3 اخوان پر مکمل پابندی اور حسن البنا کی شہادت

1948ء میں تحریک اخوان پر حکومت کی طرف سے مکمل پابندی لگا دی گئی، تحریک کے تمام کاغذات، عہد نامے، رسالے، مطبوعات، املاک وجائداد اور سرمایوں پر قبضہ کر لیا گیا، اس کے دو بڑے اسباب بتائے جاتے ہیں:

1. اخوان کے سربراہ نے برطانوی حکومت سے مصالحت کے بجائے کھلے عام جہاد کا نعرہ لگایا، اخبار ورسائل میں اس پر مضامین لکھے۔
2. اخوانیوں نے عرب لیگ کے ساتھ مل کر فلسطین کی جنگ میں حصہ لیا تھا۔
3. چند مہینوں کے بعد 12 / فروری 1949ء کی شام اخوان کے سربراہ امام حسن البنا پر ایک حکومتی افسر نے گولی چلادی اور وہ شہید کر دیے گئے۔

8.3 اخوان المسلمون کے مختلف رہ نما اور ان کے کارنامے

حسن البنا کو مزاحمت کے راستہ سے ہٹا دیے جانے کے بعد اب استعماری طاقتوں کے لیے راستہ بالکل آسان ہو گیا، چنانچہ فوری طور پر ملک بھر میں پھیلے ہوئے اخوان کے نمائندوں اور کارندوں کی گرفتاری کا عمل شروع ہو گیا۔ ان کی شہادت گویا اس بات کا اعلان تھی کہ

اب آزمائشوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو چکا ہے۔ لیکن تحریک کے افراد نے ہمت نہ ہاری، بلکہ اپنے مشن پر پہلے سے زیادہ مستعدی کے ساتھ لگ گئے۔ اس درمیان اخوان کے مختلف رہ نماؤں نے تحریک کی باگ ڈور سنبھالی اور تن من دھن سے تحریک کی آبیاری کرتے رہے۔ ذیل میں چند رہ نماؤں کا تذکرہ کیا جارہا ہے، جنہوں نے اپنی قربانیوں سے اسلامی تاریخ میں انمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔

8.3.1 حسن بن اسماعیل الہضیبی

17 / اکتوبر 1951ء کو اخوان نے شیخ حسن بن اسماعیل الہضیبی کو اپنا دوسرا مرشد عام منتخب کیا۔ انہوں نے یہ کوشش کی کہ اخوان حکومت سے کوئی تصادم مول نہ لیں اور ان کے اندر جبر و تشدد در نہ آنے پائے۔ اس سلسلہ میں انہیں اخوانی نوجوانوں کے ایک گروہ کی مخالفت کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ چنانچہ آپ نے اخوان کی فکر پر مشتمل ایک ضخیم کتاب لکھی، جس کا نام تھا "دعاۃ لا قضاۃ" (ہم داعی ہیں، داروغہ نہیں) اس کی گیارہ فصلوں میں آپ نے یہ واضح کیا کہ افراد و اقوام کو زبردستی اور قوت کا استعمال کرکے راہ راست پر لانا ہمارا کام نہیں ہے۔ اسی طرح بعض اخوانی نوجوانوں کی طرف سے قوت کے استعمال یا دیگر مسائل میں سوالات پوچھے گئے، ان کا بھی قرآن و سنت کی روشنی میں تشفی بخش جواب دیا۔

اسی درمیان 1954ء کو جمال عبد الناصر پر قاتلانہ حملہ ہوا، جس کا الزام اخوان پر لگایا گیا اور چند ہفتوں میں اس کے پچاس ہزار کارکن گرفتار کرلیے گئے۔ فوجی عدالت نے 7 / نومبر کو چھ ممتاز اخوانی رہ نماؤں کے خلاف سزائے موت کا فیصلہ سنایا۔ ان میں ساتواں نام شیخ حسن ہضیبی کا تھا؛ لیکن درازی عمر کی وجہ سے ان کو عمر قید کی سزا سنائی گئی۔ 1964ء میں تمام سیاسی قیدی رہا کردیے گئے، ان میں شیخ بھی تھے۔ ایک سال کے اندر ہی جولائی 1965ء میں حکومت کا تختہ الٹنے کی سازش میں تقریباً پچاس ہزار اخوانی پھر سے گرفتار کرلیے گئے، ان میں مرشد عام شیخ حسن الہضیبی، سید قطب، ان کے بھائی محمد قطب، ان کی دو بہنیں حمیدہ قطب اور امینہ قطب بھی شامل تھیں۔ تین سال کی قید بامشقت کے بعد شیخ ہضیبی رہا ہوئے؛ لیکن ان کے ساتھ جو زیادتی اور ناروا سلوک کیا گیا، تعذیب کے جن مراحل سے گزرنا پڑا، ان سب کی وجہ سے وہ پہلے کی طرح مستعد اور فعال نہ رہ سکے۔ پھر اسی حالت میں 1972ء میں اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔

شیخ ہضیبی کا یہ جملہ مشہور تھا کہ "أقیموا دولۃ القرآن فی أنفسکم تقم في أرضکم" (قرآن کی حکومت اپنے دلوں میں قائم کرلو، زمین پر خود بہ خود قائم ہو جائے گی۔)

8.3.2 سید عمر تلسمانی

سید عمر تلسمانی کی امام حسن البنا سے پہلی ملاقات 1933ء میں ہوئی، جس کے بعد وہ اس تحریک سے وابستہ ہوگئے۔ دوسرے اخوانی رہ نماؤں کے ساتھ انہوں نے بھی قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ مرشد دوم کی شہادت کے بعد وہ بالاتفاق مرشد عام (سوم) منتخب ہوئے۔ قیادت کا باگ ڈور سنبھالتے ہی انہوں نے سب سے پہلے حکومت کی پر تشدد پالیسی کے پس منظر میں حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے اپنی ساری توجہ تعلیمی اور تربیتی امور پر صرف کی۔ سید عمر تلسمانی نے زندگی بھر اسرائیلی ریاست کے قیام اور یہودیوں سے دوستانہ تعلقات رکھنے کی مخالفت کی۔ ان کا دور امارت 13 / برس پر محیط ہے۔

8.3.3 محمد حامد ابو النصر

سید عمر تلسمانی کی وفات کے بعد شیخ محمد حامد ابو النصر اخوان کے چوتھے مرشد عام منتخب ہوئے۔ ان کے دور میں تحریک اخوان کو پھر سے داخلی استحکام نصیب ہوا۔ لوگوں میں احساس ذمہ داری اور باہمی تعاون کے جذبے کو فروغ ملا۔ عصر حاضر میں عالمی تحریکات پر گہری نظر رکھنے والے مبصر و نقاد پروفیسر عبید اللہ فہد، اس عہد کی کامیابیوں اور اخوان کی سیاسی پوزیشن کا خلاصہ اس طرح بیان کرتے ہیں:

"استاد محمد حامد ابو النصر کے دس سالہ دور قیادت میں اخوان نے سیاسی سطح پر غیر معمولی کامیابیاں حاصل کیں۔ گرچہ تنظیمی سطح پر وہ اب بھی خلاف قانون رہیں، مگر عوام میں اس کی جڑیں پھر گہری ہوئیں اور اس کے وجود کو برابر تسلیم کیا گیا۔ ملک کی پیشہ ورانہ تنظیموں اور کالجوں اور یونیورسٹیوں کی تدریسی انجمنوں پر اخوان کے کارکن اور رہنما حاوی رہے۔ ان کے تمام انتخابات میں اسلام پسندوں کو فتح حاصل ہوئی۔ اپریل 1987ء کے پارلیمانی انتخابات میں حزب العمل اور حزب الاحرار سے مفاہمت کرکے اخوانی کارکنوں نے حصہ لیا اور پہلی بار جماعت کی تاریخ میں مصری پارلیمنٹ میں 36/ اخوان امیدوار کامیاب ہو کر پہونچے اور کامیاب حزب اختلاف کا کردار ادا کیا۔ 1989ء کی مجلس شوریٰ کے وسط مدتی انتخابات میں بھی اخوان نے حصہ لیا۔ 1990ء کے پارلیمانی انتخابات کے مقاطعہ میں بھی اخوانی کارکنوں نے قائدانہ رول ادا کیا، بعد میں دوسری سیاسی پارٹیوں کو بھی اس مقاطعہ میں شامل ہونا پڑا۔ اخوان نے بائیکاٹ کا یہ فیصلہ ایمر جنسی کے قانون کی توسیع کے خلاف کیا تھا۔ 1992ء کے مقامی انتخابات میں بھی اخوان شامل رہے۔"(اخوان المسلمون: تزکیہ، ادب، شہادت، عبید اللہ فہد فلاحی۔ ص26-27)

8.3.4 مصطفیٰ مشہور

اخوان کے پانچویں مرشد عام مصطفیٰ مشہور کی شخصیت کئی اعتبار سے اہم ہے۔ 1996ء میں مرشد عام منتخب ہونے کے بعد سے انہوں نے اخوان کی پالیسی اور منہج عمل میں بہت کچھ تبدیلیاں کیں۔

حکومت کے سخت رد عمل اور مخصوص حالات (جن میں خاص طور پر مصر پر اتحادی طاقتوں کا وجود تھا) کے پس منظر میں بعض اخوان سے منسوب افراد کی جانب سے تشدد کے واقعات بھی سامنے آئے۔ لیکن مصطفیٰ مشہور نے اپنے پہلے خطاب میں یہ صراحت کی کہ تشدد کو کبھی بھی ہماری جانب سے اچھا نہیں سمجھا گیا۔ استاد مصطفیٰ مشہور کی شخصیت ایک ادیب، مصنف، خطیب اور مفکر کی حیثیت سے مشہور ہے۔ ان کا ایک بڑا کارنامہ قضیۂ تکفیر کا تجزیہ اور فکری انحراف کا محاکمہ ہے۔ قضیۂ تکفیر کے سلسلے میں انہوں نے یہ موقف واضح کیا کہ:

- دوسرے کے ایمان واسلام کے بارے میں فیصلہ دینا کسی مسلمان پر واجب نہیں۔
- ہر مسلمان کی جان ومال اور عزت وآبرو محترم ہے۔ اسے داغدار کرنے کا کسی کو حق نہیں۔
- راہ حق کی آزمائشیں انسانی غلطیوں کا نتیجہ نہیں، بلکہ یہ سنت الٰہی کا حصہ ہیں۔ (اخوان المسلمون: تزکیہ، ادب، شہادت، عبید اللہ فہد فلاحی۔ ص:39)

پروفیسر خورشید احمد کی رائے میں ان کے تین کارنامے ایسے ہیں جو عرب دنیامیں تحریک کی تاریخ میں نمایاں ہیں:

- انہوں نے بڑے پُر آشوب دور میں تحریک کے پیغام ہی نہیں، اس کے پیغام کو عالمی بنیادوں پر استوار کیا اور وہ ہزاروں اخوان جو ہجرت کر کے دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچ گئے تھے، ان کو پھر تحریک کے شیرازے سے منسلک کیا۔
- دوسری عظیم خدمت وہ حکمت عملی اور طریق کار کی تبدیلی ہے، جو ان کی قیادت میں آخری 30/ سال میں واقع ہوئی۔

نوجوانوں سے ان کی محبت، انہیں اپنی طرف کھینچنے اور تحریک میں سمو دینے کی ان کے اندر بھرپور صلاحیت تھی۔(اخوان المسلمون: تزکیہ، ادب، شہادت، عبید اللہ فہد فلاحی۔ ص:43)

8.3.5 شیخ مامون الہضیبی

مصطفیٰ مشہور 2002ء تک مرشد عام کی حیثیت سے اپنے فرائض ادا کرتے رہے، اس کے بعد شیخ مامون الہضیبی کا انتخاب عمل میں آیا۔ انہوں نے نوجوانوں کے فعال کردار کو خوب سراہا۔ مصطفیٰ مشہور کے دور میں اخوان کی پالیسی اور منہج عمل میں جو تبدیلی ہوئی اس کو عملی جامہ پہنانے کا انہوں نے کام کیا۔ صرف 14/ مہینے خدمت انجام دینے کے بعد اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔

8.3.6 محمد مہدی عاکف

ان کے بعد شیخ محمد مہدی عاکف مرشد عام منتخب ہوئے، انہوں نے 2004ء سے 2010ء تک اس ذمہ داری کو نبھایا۔ ان کے زمانے کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ ان کی قیادت میں اخوانی رہ نماؤں نے آزاد امیدوار کی حیثیت سے 8/ دسمبر 2005ء کے پارلیمانی انتخابات میں حصہ لیا اور اپنی حیران کن جیت سے عرب دنیا اور مغربی میڈیا کو ششدر کر دیا۔

شیخ محمد مہدی کے بعد شیخ محمد بدیع کا انتخاب ہوا، جو 2010ء سے 2013 سے اس منصب پر فائز رہے۔ پھر شیخ محمود عزت ابراہیم کو قائم مقام مرشد عام کے عہدہ پر سرفراز کیا گیا، وہ 2020ء تک اپنی ذمہ داری ادا کرتے رہے۔ ان کے قید میں جانے کے بعد ابراہیم منیر کو قائم مقام کا عہدہ دیا گیا، ایک سال تک اس منصب پر فائز رہنے کے بعد ان کا انتقال ہو گیا۔

اس وقت مرشد عام یا قائم مقام مرشد عام کی جگہ ایک کمیٹی قائم ہے، جو مرشد عام کے امور کو انجام دیتی ہے۔ اس کمیٹی کے سربراہ مصطفیٰ فہمی طلبہ حسن ہیں۔

8.4 اخوان المسلمون میں خواتین کی شراکت داری

اسلام کے نزدیک خواتین معاشرہ کی اہم یونٹ ہیں۔ سماج کی تعمیر و ترقی میں ان کا بنیادی رول ہوتا ہے۔ ان کے تعاون اور فعال مشارکت کے بغیر کوئی بڑا انقلاب نہیں لایا جا سکتا ہے۔ تحریک اخوان المسلمون نے اس اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے ان کو اپنی تحریک کا حصہ بنایا اور انہیں بھی ذمہ داریاں سونپی گئی۔ اخوان کی تاسیس کے 5 سال بعد 26/ اپریل 1933ء میں حسن البنا نے 'اسماعیلیہ' میں "شعبۂ خواتین" کی بنیاد رکھی اور اس کی پہلی سربراہ مصر کی بہت ہی متحرک، فعال، باصلاحیت اور نیک سیرت خاتون سیدہ لبیبہ احمد منتخب ہوئیں۔

اس حلقہ کے تحت اسماعیلیہ کی پُرجوش، دینی غیرت وحمیت رکھنے والی خواتین نے نمایاں سرگرمی انجام دیں۔ ان کے عمل کا دائرہ گھر، خاندان اور محلہ کی خواتین اور بچیوں کی تعلیم وتربیت تک محدود تھا۔ اس کے لیے یومیہ اور ہفتہ واری دروس کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ یہ سلسلہ 1937ء تک اپنی پوری سرگرمی کے ساتھ جاری رہا؛ لیکن اسی سال سیدہ لبیبہ کے حج پر جانے اور وہیں قیام پذیر ہو جانے کی وجہ سے دعوت وارشاد کے اس شعبہ میں وہ جوش باقی نہ رہا۔ چنانچہ 1944ء میں خواتین نے پھر سے اپنے شعبہ کو منظم کرنے کی ٹھانی۔ سربراہی کے لیے سیدہ نفیسہ حسین منتخب ہوئیں۔ تنظیم نو کے ساتھ "لجنة إرشاد عامة للأخوات" (جنرل گائڈینس کمیٹی برائے اخوات) بھی قائم کی گئی، اس کے ممبران میں سیدہ آمال عشماوی، سیدہ فاطمہ عبد الہادی، سیدہ امینہ علی اور سیدہ فاطمہ توفیق شامل تھیں۔ شعبہ کی بڑھتی سرگرمی کا نتیجہ تھا کہ 1948ء تک اس کی 50 / شاخیں قائم ہو گئیں، جن سے پانچ ہزار خواتین منسلک تھیں۔

1948ء میں جب اخوان کو غیر قانونی جماعت قرار دیا گیا تو اخوات مسلمات کی سرگرمیاں بھی رک گئیں، لیکن اس دور ابتلا میں انہوں نے گرفتار اور قیدی اخوان کے خاندانوں کی نگہ داشت، ان کے یہاں آمد ورفت، ان کی دل بستگی اور ہمت افزائی میں بہت اہم رول ادا کیا۔ انہوں نے ایسے خاندانوں کو "کفالت باہمی" کی روح سے آشنا کیا، جس کا اسلام حکم دیتا ہے۔ (تحریک اخوان المسلمون، ماضی وحال۔ محمد شوقی ذکی، ص:244)

8.4.1 اخوات مسلمات کی کارکردگی

شعبہ اخوات مسلمات نے جن میدانوں میں نمایاں اثرات مرتب کیے، ان میں چند یہ ہیں:

1. اسلامی لباس

کہا جاتا ہے کہ جس وقت اخوات مسلمات نے اسلامی طرز لباس کو اختیار کرنے کی کوشش کی اور اپنے سر کو ڈھانپنے کے لیے ایک مخصوص کپڑے منتخب کیا، سماج بالخصوص عورتوں کی طرف سے ان کا مذاق اڑایا جاتا۔ اس کی دو وجہ تھی:

- اس وقت مصر مغربی تہذیب کا بہت زیادہ دلدادہ ہو چکا تھا، اس سماج میں اسلامی لباس کا اختیار کرنا خود ایک چیلنج تھا۔
- دوسری بڑی وجہ یہ تھی کہ سر کو ڈھانپنے کے لیے انہوں نے جس کپڑے کو منتخب کیا تھا، اس کا رنگ کالا تھا، اور کالے لباس کو غم کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ ان دونوں وجوہات کی وجہ سے ان کی انگلیاں اٹھائی جاتیں۔

انہوں نے اس مشکل کا حل یہ نکالا کہ کالے کپڑے کے بجائے سفید چادر استعمال کی جائے، جس کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ ان کا استہزا بند ہوا، ملک میں مقبول بھی ہو گیا اور دوسری معزز خواتین نے بھی اس کا استعمال شروع کر دیا۔

2. خواتین کی دینی وروحانی تربیت

شعبہ اخوات نے شروع میں خواتین کی تعلیم وتربیت کے لیے خطابات کا نظام بنایا تھا، جس کے تحت اخوانی خطبا کی ان کے درمیان تقریر رکھی جاتی۔ لیکن بعد میں یہ احساس ہوا کہ یہ طریقہ زیادہ کارگر اور مفید نہیں ہے۔ چنانچہ پالیسی میں تبدیلی لاتے ہوئے سب سے پہلے عمر کے اعتبار سے خواتین کے الگ الگ گروپ بنائے گئے اور ہر گروپ کو "أُسَر" (خاندان) کا نام دیا گیا۔ پھر ان کی ذہنیت کے مطابق انہیں

قرآن، حدیث، فقہ اور اخوانی لٹریچر سے آشنا کرایا جاتا۔

3. تربیت گاہ بنات

اس تربیت گاہ میں پہلے 42 لڑکیوں کو رکھا جاتا تھا، جن کی عمر 15 / سال سے زائد نہ ہو۔ اس میں دو درجے تھے، ان میں سے ہر ایک میں قرآن کریم اور دین کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ سلائی، کشیدہ کاری، دستکاری اور عملی طور پر گھر چلانے کی ٹریننگ دی جاتی تھی۔ 1949ء کے بعد اس کا دائرہ وسیع ہو گیا، اب 42 کے بجائے 124 بچیوں کا انتظام کیا گیا۔

4. طبقۂ نسواں میں اسلامی نظریۂ حیات کی اشاعت

اس کے لیے رسالے و پمفلٹ چھاپنا اور ان کو مختلف نسوانی حلقوں میں تقسیم کرنا، مکانوں پر پہنچانا، اسکولوں اور یونیورسٹی کی طالبات میں تقسیم کرنا، وغیرہ شامل ہے۔ (تحریک اخوان المسلمون، ماضی وحال۔ محمد شوقی ذکی، ص:255)

8.4.2 صبر واستقامت کی انوکھی مثال: زینب الغزالی

اخوات مسلمات کی کارکردگی کی داستان نامکمل رہ جاتی ہے، اگر مصر کی باہمت، پُر عزم اور صبر واستقامت کی انوکھی مثال سیدہ زینب غزالی کا تذکرہ نہ ہو۔ 1937ء میں انہوں نے "سیدات مسلمات" کے نام سے ایک تنظیم کی بنیاد ڈالی، جس کا مقصد دعوت حق کی اشاعت اور ایک ایسی مسلم امت تیار کرنا تھا، جو اسلام کی عزت وآبرو اور اسلام کی حکمرانی بحال کرے۔ ایک سال بعد ہی ان کا تعارف اخوان المسلمون سے ہوا۔ امام حسن البنا نے ان سے "اخوات مسلمات" میں شامل ہونے کی خواہش ظاہر کی؛ لیکن پہلے مرحلہ میں انہوں نے تنظیم میں براہ راست شامل ہونے کے بجائے باہمی تعاون کا عہد کیا اور یہ سلسلہ شروع بھی ہو گیا۔ 1948ء میں خود انہوں نے اپنی تنظیم کو "اخوات مسلمات" میں ضم ہونے کی خواہش کی؛ لیکن حالات نامساعد تھے، اس لیے امام حسن البنا نے مشورہ دیا کہ مصلحتاً "سیدات مسلمات" کو اخوان میں ضم نہ کیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور پھر وہ ایک متحرک اور فعال سربراہ کی حیثیت سے اس تحریک کی سرگرمیوں سے وابستہ ہو گئیں۔

حسن البنا کی شہادت کے بعد دوسرے اخوانی رہ نماؤں کی قیادت وسرپرستی میں زینب الغزالی کا کام پورے زور وشور سے جاری رہا۔ اس درمیان جو اخوانی گرفتار ہوتے، ان کے بچوں کی کفالت ونگہ داشت، کھانے پینے کا انتظام، ان کی حوصلہ افزائی جیسے امور کو انجام دینے میں سرگرم رہتیں۔ ساتھ ہی نئی نسل کے اندر درس وتدریس کے ذریعے اسلام کی تبلیغ بھی کرتی تھیں۔ یہ وہی زمانہ تھا جس میں جمال عبد الناصر کا طوطی بول رہا تھا، اخوانیوں کی طرف نظر کرم اٹھا کر دیکھنا بھی سنگین جرم تھا۔ بالآخر 20 / اگست 1965ء کو ایک سورج ایسا طلوع ہوا، جس میں دوسرے قائدین کے ساتھ انہیں بھی گرفتار کر لیا گیا۔ زینب الغزالی اور دوسرے اخوانی قائدین وکارکنان کے ساتھ جیل میں جو کچھ پیش آتا ہے، اس کی تفصیلی روداد خود زینب غزالی نے "أيام من حياتي" کے نام سے مرتب کی ہے، اس کا اردو ترجمہ "زنداں کے شب وروز" کے نام سے خلیل احمد حامدی نے کیا ہے۔ جب انہیں پہلی مرتبہ جیل کی کال کوٹھری میں بند کیا گیا اور ان کے ساتھ جو وحشیانہ سلوک کیا گیا، اس کو بیان کرتی ہوئی لکھتی ہیں:

"کوٹھری داخل کیا ہوئی، گویا کوٹھری نے مجھے نگل لیا۔ میں نے قدم رکھتے ہی کہا: بسم اللہ، السلام علیکم"۔ دروازہ بند کر دیا گیا اور نہایت شدید و تیز روشنیاں جلادی گئیں۔ یہ بھی تعذیب کی ایک شکل تھی۔ کوٹھری کتوں سے بھری ہوئی تھی۔ نجانے کتنے کتے تھے!

میں نے آنکھیں موند لیں۔ شدت خوف سے ہاتھ سینے پر رکھ لیے۔ کوٹھری کا دروازہ زنجیروں اور تالوں سے مسدود کر دیا گیا اور کتے مجھے چمٹ گئے۔ میر اسارا جسم ان کی زد میں آگیا؛ میرا سر، میرے ہاتھ، میری چھاتی، میری پشت۔ مجھے احساس ہو رہا تھا کہ میرے جسم کے ہر حصے میں کتوں کے دانت پیوست ہو رہے ہیں۔ گھبرا کر پھر میں نے آنکھیں کھول لیں، مگر وحشتناک کیفیت دیکھ کر جلدی سے بند کر لیں۔ ہاتھ بغلوں میں دے لیے اور اسمائے حسنیٰ کا ورد شروع کر دیا۔" (زنداں کے شب و روز، ترجمہ: خلیل احمد حامدی، ص74)

زینب غزالی کی طرح اخوان المسلمون کے رہ نماؤں کی مجاہد بیویاں بھی مردوں کے شانہ بہ شانہ اس کار عزیمت میں مصروف تھیں۔ حسن البنا، شیخ اسماعیل ہضیبی اور دیگر قائدین کی شریک حیات کے تذکرہ میں یہ بات ملتی ہے کہ تحریک کے مشکل ترین حالات میں بھی انہوں نے ایک نیک بیوی کے ساتھ بہترین مربی کا کردار نبھایا۔

8.5 اخوان المسلمون کی ایک سالہ حکومت

اخوان المسلمون نے تقریباً سات دہائی سے زیادہ عرصہ تک اسلامی نظام حکومت کو قائم کرنے کی لگاتار کوششیں کیں؛ لیکن یہ زریں موقع ان کے ہاتھ 24/جون 2012ء کو آیا جب مشہور اخوانی رہ نما ڈاکٹر محمد مرسی مصری عوام کی بھرپور تائید کے بعد باقاعدہ صدر منتخب ہوئے۔ یہ حکومت 3/جولائی 2013ء تک رہی۔ اس درمیان مصری سیاست میں جو تبدیلیاں آئیں اور جو کارنامے اس حکومت کے ذریعے انجام دیے گئے، اس کی فہرست طویل ہے۔ اختصار کے ساتھ چند چیزیں ذکر کی جاتی ہیں:

1. **داخلی محاذ میں کی گئی اصلاحات**

- **فوجی راج کا خاتمہ اور اجتماعی نظام عدل کا قیام:** 60 برس تک اقتدار پر قابض رہنے والی سیاہ و سفید کی مالک فوج کو حکومت کے ساتھ بیرک میں پہونچا کر عدل و انصاف پر مبنی نئے نظام حکمرانی کو متعارف کرایا اور ملک کو خود مختاری، تعمیر و ترقی، خوش حالی اور کامیابی کی طرف لے جانے والا نیا دستور عطا کیا۔
- **صدارتی کونسل کی تشکیل:** صدر کی من مانی کو کنٹرول کرنے کے لیے صدارتی کونسل کی تشکیل کی جن میں مختلف میدانوں کے ماہرین کو داخلی، خارجی اور سیاسی امور کی ذمہ داریاں دی گئیں۔
- **عوامی نمائندہ حکومت کا قیام:** ڈاکٹر ہشام قندیل کی سربراہی میں ایسی حکومت قائم کی جس میں جماعتی و سیاسی وابستگی سے اوپر اٹھ کر فنی مہارت اور قومی نمائندگی کو ترجیح دی گئی۔ 135/افراد کی کابینہ میں صرف 5/افراد اخوان کیڈر کے شامل کیے گئے، باقی افراد حریف جماعتوں کے نمائندے یا فنی ماہرین تھے۔
- **اداروں کی تشکیل جدید:** انتظامی اداروں سے بدعنوان افسر کو برطرف کرکے لائق اور ایمان دار افسران کی تقرری کی اور جدید

آلات کے تناظر میں نئی منصوبہ بندی کی تا کہ ارتقاء کے عمل میں تیزی لائی جاسکے۔

- **سیاسی قیدیوں کی رہائی:** حسنی مبارک کے ظالمانہ نظام میں ہزاروں افراد بلا کسی جرم یا سلطان جائر کے سامنے کلمہ حق بلند کرنے کے جرم میں جیلوں میں بند تھے۔ ڈاکٹر مرسی نے ایسے ہزاروں معصوموں کو قانونی طریقے سے رہائی دلائی۔

2. خارجی محاذ پر انجام دیے گیے کارنامے

- **مسئلہ فلسطین:** ڈاکٹر مرسی نے مسئلہ فلسطین کو حل کرنے کے لیے سنجیدہ کوششیں کیں۔ حماس کو خاطر خواہ اہمیت دی، ان کے لیے سہولیات بہم پہونچائیں۔ رفاہ کے دروازے کھول دیے، جس سے 16 / لاکھ فلسطینیوں کو راحت ملی۔ اپنے وزیر اعظم کو فلسطینیوں کی حمایت کا اعلان کرنے کے لیے عین جنگ کے دوران فلسطین بھیجا اور اسرائیل کو دوٹوک انداز میں معاہدات کی پاسداری کی تلقین کی۔ اس کے علاوہ سعودی عرب، افریقی یونین، ایران، چین اور ہندوستان سے روابط مضبوط کیے۔
- **معاشی اصلاحات:** پائیدار معاشی استحکام کے لیے 'النہضہ' پروجیکٹ کا تفصیلی خاکہ پیش کیا، جو بیس سالہ طویل المیعاد منصوبہ تھا اور جس کے ذریعے توقع تھی کہ سماجی اور معاشی استحکام کی طرف ملک زبردست پیش رفت کرے گا۔ اسی طرح توانائی، زراعت اور تعمیر نو کے کئی منصوبوں کے لیے ترکی۔ قطر، چین اور سعودی عرب سے اربوں ڈالی کی سرمایہ کاری کی، وغیرہ۔
- **تعلیم:** اقتدار سنبھالتے ہی ڈاکٹر مرسی نے پرائمری اور ثانوی درجات کے اسکولوں کی تعداد میں اضافہ کیا، اس کے نصاب تعلیم کو اخلاقیات سے آراستہ کرنے کے لیے انقلابی تبدیلیاں کیں۔ جامع ازہر کو مذہبی پیشوائی کا مقام دلایا، ملکی جامعات کی اسناد کا بیرون ممالک کی جامعات سے معادلہ کرایا۔ سائنس و ٹکنالوجی کے میدان میں اعلیٰ سطح کے اداروں کے قیام کے لیے کئی نئے پروجیکٹ شروع کرائے۔ اساتذہ کی تنخواہ میں اضافہ کروایا۔

8.6 اخوان المسلمون کے عالمی اثرات

اخوان المسلمون کے عزائم ومقاصد، عظیم کارناموں اور اس کے قائدین کی قربانیوں نے بہت ہی جلد اس تحریک کو ایک عالمی تحریک کی شکل دے دی۔ وادئ نیل سے اٹھنے والی یہ لہر دنیا کے گوشے گوشے تک پہنچ گئی۔ اس تحریک کی برکت سے تمام عربی ممالک میں ذہنی، اخلاقی اور تہذیبی حرکت کا رخ بدل گیا۔ قوم پرستی، الحاد اور مغربی تقلید کا زور ٹوٹ گیا۔

شاید ہی دنیا کا کوئی ملک ہو، جہاں کی اسلامی تحریکات اور اسلام پسند افراد اخوان المسلمون کی فکر سے متاثر نہ ہو۔ سر فہرست ممالک میں: فلسطین، شام، عراق، اردن، لبنان، سوڈان، کویت، ایران، بحرین، متحدہ عرب امارات، جزائر، افغانستان، سعودی عرب، پاکستان، مراکش اور الجزائر۔ ان تمام ممالک میں بڑی تعداد میں اخوان سے وابستہ افراد موجود ہیں۔ لیبیا، مغرب اور تیونس میں بھی اس کے اراکین کی ایک تعداد ہے۔ ملایشیا کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہاں اسلام پسند لوگوں کی ایک بڑی تعداد اگرچہ پہلے سے موجود تھی اور وہ تبدیلی کے خواہاں بھی تھے؛ لیکن ان کے ساتھ کوئی مستحکم اور منصوبہ بند پالیسی نہیں تھی۔ البتہ جب اخوان المسلمون سے ان کی آشنائی بڑھی تو پھر اسی

طرز پر وہاں بھی 1951ء میں ایک تنظیم کی بنیاد ڈالی گئی۔

یورپ و امریکہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہاں موجود اکثر اسلامی تحریکات اخوان المسلمون کی کوششوں کا نتیجہ ہیں۔ چنانچہ جو لوگ مصری حکومت کی ظلم و زیادتی کی وجہ سے یورپین ممالک منتقل ہوئے، انہوں نے باضابطہ وہاں اخوان کے طرز پر تحریکیں قائم کیں، جو اسی روح کے ساتھ کار فرما ہیں۔2020 کے جائزہ کے مطابق صرف فرانس میں 147 / مساجد اور 18 / اسلامی مدارس اخوان کے تحت چلتے ہیں، جب کہ اخوانی کارکنوں کی تعداد پچاس ہزار رہے۔ اٹلی میں 1990ء میں ایک اسلامی تنظیم Ucoii کا قیام ہوا۔ اٹلی کی 500 / مساجد میں سے 150 اسی کے تحت ہیں۔ اسی طرح امریکہ میں بھی 1992ء میں Muslim American Society کے نام سے ایک اسلامی تنظیم اخوان کے طرز پر اپنی خدمات انجام دے رہی ہے۔

8.7 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- اخوان المسلمون نے جب سیاست کے میدان میں قدم رکھا، تبھی سے ان پر مشکلات کی بارش شروع ہو گئی، بار بار انہیں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں، ایک بڑی تعداد میں شہید کیے گئے، لیکن کبھی بھی اپنے موقف سے پیچھے نہیں ہٹے۔
- بانی تحریک کی طرح دوسرے قائدین نے بھی ہر طرح کی قربانیاں پیش کیں، اور حسب ضرورت منہج کار میں تبدیلی لاتے رہے۔
- دینی غیرت و حمت رکھنے والی خواتین ہمیشہ سے اس تحریک کا حصہ رہیں، اور امور خانہ داری کے ساتھ مردوں کے شانہ بہ شانہ انہوں نے بھی مجاہدانہ زندگی گزاریں۔
- اخوان کی ایک سالہ حکومت میں جو انقلابات اور اصلاحات ہوئیں، وہ پچھلے ساٹھ سال میں بھی نہیں ہوئیں۔
- اخوان المسلمون کا قیام اگرچہ مصر کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں ہوا، لیکن اس وقت یہ دنیا کی سب سے بڑی اسلامی تحریک ہے۔ دنیا کے ہر گوشے میں ان کے کارکن موجود ہیں۔

8.8 نمونہ امتحانی سوالات

8.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. زنداں کے شب و روز کس کی تصنیف ہے؟

(a). سیدہ لبیبہ احمد (b). زینب الغزالی (c). حمیدہ قطب (d). سیدہ فاطمہ توفیق

2. اخوان کی ایک سالہ حکومت کب قائم کوئی اور اس کے صدر کون تھے؟

(a).جولائی2010۔ڈاکٹر محمد عمارہ (b).جون2013مہدی عاکف

(c).اگست2012مامون الھضیبی (d).جون2012ڈاکٹر محمد مرسی

3. امام حسن البنا کی شہادت کب ہوئی؟

(a).12فروری1949 (b).14جولائی1948 (c).10فروری1950 (d).26دسمبر1948

4. شعبۂ خواتین کی پہلی سربراہ کون تھیں؟

(a).حمیدہ قطب (b).سیدہ فاطمہ توفیق (c).سیدہ لبیبہ احمد (d).زینب الغزالی

5. حسن البنا کی شہادت کے کون سب سے پہلے اخوان کے مرشد عام منتخب ہوئے؟

(a).سید عمر تلسمانی (b).حسن بن اسماعیل الھضیبی (c).مصطفٰی مشہور (d).محمد حامد ابوالنصر

8.8.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. زنداں کے شب وروز میں کس چیز کی روداد بیان کی گئی ہے؟ تحریر کیجیے۔
2. پروفیسر خورشید کی رائے میں مصطفٰی مشہور کے کون سے تین کارنامے ایسے ہیں، جو عرب دنیا میں تحریک کی تاریخ میں نمایاں ہیں؟
3. تنظیم "سیدات مسلمات" کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں، مختصراً تحریر کریں؟
4. اخوان پر مکمل پابندی کے دو بڑے اسباب بیان کیجیے۔
5. اسلامی لباس کے سلسلے میں اخوانی خواتین کو کیا مشکل در پیش آئی؟ جائزہ لیجیے۔

8.8.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. اخوان المسلمون کی ایک سالہ حکومت میں انجام دی گئیں خدمات پر روشنی ڈالیے۔
2. حسن البنا نے عالم اسلام کو متحد کرنے کے لیے کون سا طریقہ اپنایا؟
3. شعبۂ خواتین "اخوات مسلمات" کی سرگرمیوں کو بیان کریں؟

8.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. اخوان المسلمون: تزکیہ، ادب، شہادت۔ پروفیسر عبید اللہ فہد فلاحی۔ القلم پبلی کیشنز، کشمیر 2011ء
2. تحریک اخوان المسلمین: ماضی وحال۔ محمد شوقی ذکی۔ اردو ترجمہ: ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی۔ مجلس نشریات اسلام، طبع
3. اخوان المسلمون: تاریخ، دعوت، خدمات۔ خلیل احمد حامدی۔ مرکزی مکتبہ اسلامی، نئی دہلی 1981ء دوم 1999ء
4. زنداں کے شب وروز، زینب الغزالی۔ ترجمہ: خلیل احمد حامدی۔ ہندوستان پبلی کیشنز، دہلی

اکائی 9: نہضۃ العلماء

اکائی کے اجزا:

9.0 تمہید

9.1 مقاصد

9.2 نھضۃ العلماء کا تعارف

9.3 تاریخی پس منظر

9.3.1 مذہبی

9.4 تنظیمی ڈھانچہ

9.4.1 نھضۃ العلماء کی روایتی (پیری مریدی) تعلیم پر ایک نظر

9.5 مذہبی و سماجی مسائل

9.6 سیاسی سرگرمیاں

9.7 سو سالہ جلسہ اور قرارداد

9.8 اکتسابی نتائج

9.9 نمونہ امتحانی سوالات

9.9.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

9.9.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

9.9.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

9.10 تجویز کردہ اکتسابی مواد

9.0 تمہید

عالم اسلام میں استعماریت اور اس کے مابعد اثرات کی بنا پر مسلم دنیا کے تمام خطوں میں حالات یکساں نہیں رہے۔ اسی لیے اسلام کی بقا اور مسلمانوں کی اصلاح، فلاح و بہبود کے لیے رونما ہونے والی تحریکیں بھی ہر ملک میں مختلف تناظر کے ساتھ وجود پذیر ہوئیں۔ اور عالم

اسلام کی یہ تحریکات باہم ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہوئے بھی مسلم دنیا کی تعمیر جدید میں اہم کردار کی حامل رہیں اور ان میں سے ہر جماعت اور تحریک اپنی اپنی سطح پر اپنے مفوضہ کردار کو ادا کر رہی ہی ہیں اور اثرات کے اعتبار سے بھی اپنے اپنے علاقے میں نہایت موثر ہیں ۔اس اکائی میں آپ مشرق بعید کے ایک ملک انڈونیشیا کے ملک میں رونما ہنے والی ایک تحریک نہضۃ العلماء کے بارے میں جانیں گے کہ کس پس منظر میں اس تحریک کا آغاز ہوااور آج یہ کن عوامل اور کارناموں کی بنیاد پر مسلم دنیا کی سب سے بااثر غیر سرکاری تنظیم کے طور پر جانی جاتی ہے۔

9.1 مقاصد

اس اکائی کا بنیادی مقصد ہے کہ انڈونیشیا کی سماجی، مذہبی اور سیاسی صورت حال کا ایک جائزہ لیا جائے اور نھضۃ العلماء کے قیام کے اغراض و مقاصد بیان کیئے جایں تا کہ طلبہ نھضۃ العلماء کا مذہبی رجحانات، اس کا نشان، تنظیمی ڈھانچہ ، طرز تعلیم ،مذہبی و سماجی مسائل سے وابستگی، سیاسی سرگرمیاں اور اس کے صد سالہ جلسہ میں لیئے گئے فیصلوں سے واقف ہو سکیں۔

9.2 نھضۃ العلماء کا تعارف

نھضۃ العلماء کے مرکزی بورڈ Pengurus Besar Nahdatul Ulama(PBNU) کا دعویٰ ہے کہ انڈونیشیا میں 60 ملین اراکین ہیں اور پوری دنیا میں تقریباً 30 ملین مزید ہیں۔ یہ نھضۃ العلماء کو پوری دنیا کی سب سے بڑی آزاد اسلامی تنظیم بنا تاہے۔عوام سے رابطہ اور ان کی بنیادی ضروریات و خدمات کو پورا کرنے کے لئے نھضۃ العلماء نے جکارتہ میں مرکزی بورڈ(Pengurus Besar)، صوبوں میں علاقائی بورڈ(Pengurus Wilayah)، قصبوں یا اضلاع میں برانچ بورڈ(Pengurus Cabang)، ذیلی اضلاع میں مجلیس وکیل(CabangMajelis Wakil) اور دیہات میں برانچ بورڈ (Pengurus Ranting) وغیرہ پورے انڈونیشیا میں پھیلے ہوے ہیں۔اسی طرح بیرون ملک میں مقیم ممبران کے لیے، نھضۃ العلماء نے کئی ممالک میں خصوصی برانچ بورڈز (Pengurus Cabang Istimewa) کا آغاز کیا ہے۔ اس کے علاوہ نھضۃ العلماء میں خواتین، یونیورسٹی کی طالبات، اسکولوں یا مدارس کی طالبات، علماء، کاروباری افراد اور دیگر لوگوں کے لیے نیم خود مختار تنظیمیں ہیں، جو مرکزی بورڈ سے لے کر برانچ بورڈ تک پھیلی ہوئی ہیں، قائم کی گئی ہیں۔

اس کے اراکین اور کمیونٹیز کے ذمہ داریوں میں سطحی تنظیموں کو تشکیل دینا، ان کی نگرانی کرنا، تمام سطحوں پر قیادت کرنا، نظر ثانی کرنا، مختلف مقاموں کے دورے کرنا اور دیگر تنظیمی ضروریات کو پورا کرنا شامل ہیں۔ان کے خدمات میں تنظیمی ورکشاپس اور عوام کی تربیت شامل ہیں تا کہ نھضۃ العلماء کی تاریخ، تھیولوجی، سرگرمیوں، مصنوعات، نیٹ ورکس، سیاسی پالیسیوں اور حکمت عملیوں اور مستقبل کے متعلق معلومات فراہم کی جاسکے۔ علاوہ بریں نھضۃ العلماء ہسپتال اور صحت کی خدمات، اسکولوں سے لے کر یونیورسٹیوں تک کے تعلیمی ادارے، زرعی گروپس کو بہت سی سہولیات بھی فراہم کرتا ہے۔ علاوہ بریں نھضۃ العلماء غیر اراکین کے لیے بھی خدمات فراہم کرتا ہے کیونکہ اس کے رہنما احمد صدیق اور عبدالرحمٰن واحد نے 1984 میں تحریک کی نیشنل کانگریس میں باضابطہ طور پر "پنج سیلا

(Pancasila) کے سرکاری نظریے کو اس کی 'واحد بنیاد' کے طور پر قبول کیا تھا"۔

9.3 تاریخی پس منظر

نھضۃ العلماء کی تاریخ کو چار مراحل میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

1. ابتدائی مرحلہ میں نہضۃ العلماء نے سماجی مذہبی تنظیم کے طور پر خدمات انجام دیں۔
2. 1930 کی دہائی کے آخر سے 1984 تک یہ سیاسی سرگرمیوں میں شامل رہا۔ 1952-1971 تک اس کی اپنی سیاسی جماعت تھی اور اس نے قومی کابینہ میں حصہ لیا۔
3. جب سہارتو حکومت نے اپنے جابرانہ ضوابط سے تمام سیاسی جماعتوں کو غیر موثر کر دیا تو نہضۃ العلماء نے سیاست چھوڑنے کا فیصلہ کیا۔ اس کا اظہار 1984 میں کیا گیا جسے 'کمبلی کے کھٹہ' (Kembali ke khittah) کہا جاتا ہے، جو 1926 کے اصل چارٹر کی طرف واپسی ہے۔
4. 1998 میں سہارتو کے خاتمے کے بعد نہضۃ العلماء دوبارہ قومی سیاست میں شامل ہو گئی۔ اس نے نیشنل اویکننگ پارٹی (PKB) کا آغاز کیا جبکہ اس کے قومی سربراہ عبدالرحمن واحد کو مختصر مدت (1999-2001) کے لیے انڈونیشیا کا چوتھا صدر منتخب کیا گیا۔

نھضۃ العلماء باضابطہ طور پر 31 جنوری 1926 (16 رجب 1344 ہجری) میں قائم کیا گیا۔ نھضۃ العلماء (The Revival of Ulama') انڈونیشیا کے جزیرہ نما یا جنوب مشرقی ایشیا کی تاریخ میں یکایک ظاہر نہیں ہوا۔ مورخین اس تحریک کی ابتدا 1926 کے اوائل میں بتاتے ہیں تاہم اس کا سراغ بیسویں صدی سے پہلے بھی ملتا ہے۔ اس کے علمی اور نظریاتی آثار اس جزیرہ نما میں اسلام کی آمد سے ہی ملتے ہیں۔ نھضۃ العلماء کی بنیاد میں ہاشم اشعری اور عبد الوہاب حسب اللہ کے کارنامے قابل ذکر ہیں۔ ان دونوں کا آپسی تعلق استاذ اور طالب علم کا ہے۔ ہاشم اشعری (1871-1947) نے عبد الوہاب حسب اللہ (1888-1971) کو مشورہ دیا کہ وہ 1908 میں Tebuireng، Jombang میں اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد مکہ میں تعلیم جاری رکھیں۔ مکہ میں عبد الوہاب حسب اللہ اور ان کے ہم عصر جن میں عبد الحلیم، احمد سنوسی اور ماس منصور شامل ہیں جنہوں نے سریکت اسلام (Sarekat Islam) کی مکہ شاخ کی مشترکہ بنیاد رکھی۔ عبد الوہاب حسب اللہ اس کے آرگنائزر تھے۔ اس طرح ہاشم اشعری کے علاوہ عبد الوہاب حسب اللہ اس روایتی تنظیم کے موجدوں میں سے ایک تھے۔ 1914 میں تعلیم مکمل کرنے کے بعد عبد الوہاب حسب اللہ سورابایا، انڈونیشیا لوٹے اور نھضۃ الوطن (The Revival of Homeland) قائم کیا، جسے جزیرہ نما انڈونیشیا میں ایک قومی اور اعتدال پسند کردار کا پہلا مذہبی ادارہ قرار دیا گیا ہے۔ نھضۃ الوطن نے دو منزلہ عمارت میں مدرسہ شروع کیا جو تیزی سے ترقی کرتا گیا اور دو سال کے اندر ہی سورابایا میں مشہور و معروف ہوا۔ اس کی شاخیں مشرقی اور وسطی جاوا میں خوب پھیلی جن میں ملنگ، گریسک، جومبنگ، سیمارنگ اور دیگر مقامات شامل ہیں۔ نھضۃ الوطن نے تعلیمی اور فکری ترقی کو فروغ دیا۔ عبد الوہاب حسب اللہ نے سیوبن الوطن (Youth of Homeland) اور نھضۃ التجار (Revival of Tradesmen) کی بنیاد بھی رکھی جس کے اراکین زیادہ تر جاوانی علماء (کیائی) تھے۔ عبد الوہاب حسب اللہ کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے نھضۃ الفکر

(فکر کا احیاء) بھی قائم کیا تھا۔

انڈونیشیا میں پہلے 'تحریک محمدیہ' کی داغ بیل رکھی گئی، جس کی بنیاد احمد دہلان (1868–1923) نے 18 نومبر 1912 کو یوگیاکارتا (Yogyakarta) میں رکھی۔ تحریک محمدیہ کی بنیاد ایک اصلاح پسند اور جدید سماجی مذہبی تحریک کے طور پر رکھی گئی تھی۔ اس کا مقصد اسلام کو مقامی ہم آہنگی کے طریقوں سے پاک کرنا تھا مثلاً تخیل پسندی، بدعت (مذہبی اختراع) اور توہم پرستی۔ احمد دہلان مصری مصلح محمد عبدہ (متوفی 1905ء) سے بہت متاثر تھے، اور اسلام کی اصلاح کو ایک بنیادی فریضہ سمجھتے تھے۔ لہٰذا، انہوں نے تقلید کی مخالفت کی اور اجتہاد کی وکالت کی۔ نھضۃ العلماء انڈونیشیا میں تحریک محمدیہ کے بعد دوسری سب سے بڑی اسلامی تحریک ہے۔ اور یہ دونوں تنظیمیں اپنی اجتماعی تاریخ میں، سیاسی سرگرمیوں کو چھوڑ کر، ایک دوسرے کی حریف ہیں۔

بیسویں صدی کے شروع میں اسلامی دنیا کی سیاسی تغیر نے بھی نھضۃ العلماء کیے قیام پر زور دیا۔ 1926 کے اوائل میں جب ابن سعود نے حجاز میں اقتدار سنبھالا اور سعودی عرب کی ریاست قائم کی تو جنوب مشرق ایشاء کے جزیرہ نما میں مسلم تنظیموں کے درمیان ایک بحث و مباحثہ کا مدعہ بنا کہ شاہ ابن سعود سے ملاقات کے لیے ایلچی بھیجا جائے یا نہیں۔ اصلاح پسند اور جدید تنظیموں نے اس خیال کو مسترد کر دیا۔ نتیجتاً روایت پسند مسلمانوں نے فیصلہ کیا کہ بادشاہ سے ملاقات کے لیے اپنا ایلچی بھیجا جائے۔ ایلچی (جسے 'حجاز کمیٹی' کہا جاتا ہے) نے بادشاہ کو تین درخواست پیش کئے: پہلا حجاز میں ہر فرقہ کے مسلمانوں کو مذہبی آزادی ملے؛ دوسرا یہ کہ وہ پیغمبر اسلام سے جڑے تاریخی مقامات بشمول ان کی بیٹیوں کے مقبرے تک رسائی کھولیں اور تیسرا یہ کہ وہ حج کے اخراجات کو عام کریں۔ یہ ایلچی نھضۃ العلماء کے قیام کے پہلے روانہ ہوا اور مئی 1928 کو مکہ پہنچا۔

9.3.1 مذہبی

نھضۃ العلماء ایک سنی مسلم تنظیم ہے۔ انڈونیشیائی سیاق و سباق میں، 'سنی' اہل سنت والجماعت کے مترادف ہے، جسے عام طور پر انڈونیشیائی زبان میں 'اسوجا' کہا جاتا ہے۔ نھضۃ العلماء مذہبی طور پر عقلیت پسندی اور سخت گیر صحیفہ پرستی کے درمیان ایک درمیانی راستہ ('اعتدال') ہے۔ نھضۃ العلماء کے لیے اسلامی قانون کا ماخذ نہ صرف قرآن اور احادیث ہیں، بلکہ تجرباتی حقائق کو سمجھنے کے لیے انسانی عقل کو بھی جگہ دی گئی ہے۔ نھضۃ العلماء اپنے فقہ کے اعتبار سے اہل سنت والجماعت کے چار بڑے مذاہب (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) میں سے شافعی مذہب کا پیروکار ہے اور کلام کے میدان میں ابوالحسن اشعری (874-936) اور ابو منصور الماتریدی (853-944) کی پیروی کرتا ہے۔ اسی طرح تصوف میں ابو حامد الغزالی (1058-1111) اور جنید البغدادی (830-910) کے طریقہ کو اپناتا ہے۔ اس کا واضح ثبوت نھضۃ العلماء کے مقدّمہ سے ملتا ہے، جو کہ نھضۃ العلماء کا ایک بنیادی آئین ہے۔ نھضۃ العلماء کے بنیادی عقائد میں ایمان، اسلام (عبادت و رسومات) اور احسان (اچھا ہونا) تینوں کا سنگم ہونا لازمی ہے۔ نھضۃ العلماء مسلمانوں کو اشعری اور الماتریدی کے کلام کی تعلیمات کے ذریعہ ایمان میں مضبوطی پیدا کرتے ہیں۔ چار بڑے مذاہب (خصوصاً شافعیہ) میں سے کسی ایک کی پیروی نھضۃ العلماء کے لیے اسلام کا بنیادی جزو ہے۔ اسی طرح ان کی روحانیت کو الغزالی اور البغدادی کی تعلیمات پر مبذول کرنا نھضۃ العلماء کے نزدیک حسن کی علامت ہے۔ صوفی عناصر

کا یہ اعتراف نھضۃ العلماء کو روایت پسند کے طور پر نشان زد کرتا ہے، جب کہ جدیدیت پسند محمدیہ نے اسلام کو مقامی اور علاقائی تاثرات، صوفی عقائد اور طریقوں سے نجات دلانے کی بھرپور کوشش کی ہے۔

21 مئی 1998 کو انڈونیشیائی صدر سہارتو کے استعفیٰ کے بعد انڈونیشیا میں اصلاحی اور جمہوری تغیور کے نتیجے میں، انڈونیشیا میں بین الاقوامی اسلامی تحریکوں جیسے وہابیت، سلفیت، حزب التحریر، اور دیگر چھوٹے چھوٹے گروہوں کے اثرات دکھائی دینے لگے۔ یہ سبھی تحریکیں سنی یا 'اسوجا' تھیں۔ ان کو جب بھی موقع ملتا عوام میں سنی 'اسواجا' تعلیم کی تبلیغ کرنے لگتے۔ اس کی وجہ سے انڈونیشیا میں سنی گروہوں میں مقابلہ شروع ہوا۔ نھضۃ العلماء ان بین الاقوامی اسلامی تنظیموں سے مختلف ہے۔ اس لئے نھضۃ العلماء ان غیر مقامی اسلامی تنظیموں سے امتیاز پیدا کرنے کے لیے اپنے آپ کو 'اہل سنت والجماعت النہضۃ' کے طور پر متعارف کراتی ہے۔ اس مذہبی رجحان کی بنا پر، نھضۃ العلماء نے مختصر مدت میں طویل مدتی مقاصد کے حصول کے لیے چاروں سنی فقہی مسالک کے اصولوں پر اسلام کو ترقی دینے اور متحد کرنے میں کامیاب ہے۔ نھضۃ العلماء چاروں سنی فقہی مسالک پر مبنی اسلامی تعلیمات کو عام کرتا ہے۔ وہ مساجد، مدارس، اسلامک بورڈنگ اسکولوں (پیسنتر ین) کی تعمیر کر کے عوام کی فلاح و بہبود اور ان کی زندگی کو بہتر بنانے کی کوشش کرتا ہے۔

نھضۃ العلماء کا لوگو (logo)

نھضۃ العلماء کا لوگو کچھ خاص علامتوں پر مشتمل ہے، جو اس کے دینیات، کرداروں اور نظریات کی نمائندگی کرتا ہے۔ لوگو کے مختلف عناصر قرآن کی آیات کا حوالہ دیتے ہیں۔ قرآن 20:55 (اس زمین میں سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں واپس لوٹائیں گے اور اسی سے پھر دوبارہ تم سب کو نکال کھڑا کریں گے) کی بنیاد پر نھضۃ العلماء دنیا کی اس جگہ کی نشاندہی کرتی ہے جہاں انسان رہتے ہیں اور آیندہ رہیں گے، اس کا مطلب ہے کہ نھضۃ العلماء کا مقصد موجودہ اور آنے والی نسلوں کی خوشحالی کے لیے زمین کے تحفظ کو برقرار رکھنا ہے۔ نھضۃ العلماء کا یہ آفاقی آئیڈیل اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ نھضۃ العلماء نہ صرف اپنے اراکین اور عوام کے لیے بلکہ عام طور پر بنی نوع انسان کے لیے بھی کام کرتا ہے۔ لوگو میں دنیا کے گرد گھومنے والی رسیوں کا مطلب ہے کہ نھضۃ العلماء کے پاس ایسے نظریات ہیں جو زمین کی آبادی کو انسانیت کے لحاظ سے قرآن 3:103 (اللہ تعالیٰ کی رسی کو سب مل کر مظبوط تھام لو اور پھوٹ نہ ڈالو، اور اللہ تعالیٰ کی اس وقت کی نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی، پس تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو

گئے۔) کی بنیاد پر باندھتے ہیں، رسی پر لکیروں کی تعداد اللہ کے 99 خوبصورت ناموں کی نمائندگی کرتی ہے۔ انڈونیشیا کے نقشے اور رسی کے حوالے سے نھضۃ العلماء نے بنی نوع انسان کو تین قسم کے تعلقات سے جوڑنے اور متحد کرنے کی کوشش کی ہے: اخوہ بشریہ (انسانی بھائی چارہ)، اخوہ وطنیہ (قومی بھائی چارہ)، اور اخوۃ اسلامیہ (اسلامی بھائی چارہ)۔

لوگو پر نو ستارے ہیں جو تاریخ اسلام کی عظیم شخصیات کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اوپر کا سب سے بڑا ستارہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نمائندگی کرتا ہے۔ اس بڑے ستارے دائیں اور بائیں دو دو ستارے ہیں جو چار خلفائے راشدین، حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی علامت ہیں۔ نیچے کے چار ستارے چار عظیم ائمہ مذھب: امام ابو حنیفہ، امام مالکی، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کی نشاندہی کرتے ہیں۔ یہ نو ستارے اس لیے بھی اہم ہیں کہ نھضۃ العلماء ان عظیم ہستیوں کی پیروی کرتا ہے، یا دوسرے لفظوں میں نھضۃ العلماء اہل سنت والجماعت کا وفادار ہے۔ مقامی سیاق وسباق میں یہ نو ستارے چودھویں صدی کے جزیرہ نما کے نو بزرگوں کی بھی نشاندہی کرتے ہیں جو نھضۃ العلماء کے فکر کے مطابق ایک ہی روایت پسند اسلامی نظریے کا اشتراک کرتے ہیں۔

لوگو میں دو رنگ ہیں: سبز اور سفید۔ سبز جزیرہ نما کی زرخیز اور پر تعیش زمین کی علامت ہے جہاں نھضۃ العلماء پیدا ہوا اور قائم ہوا۔ سفید رنگ نھضۃ العلماء کے کرداروں کی عفت اور پاکیزگی کی علامت ہے۔ عربی تحریر میں 'نھضۃ العلماء' پڑھا جاتا ہے، جبکہ رومن متن 'NU' مخفف ہے۔ یہ لوگو کیائی رضوان عبد اللہ نے ڈیزائن کیا تھا، جو ہاشم اشعری اور عبد الوہاب حسب اللہ کے ہم عصر تھے۔ یہ نشان نھضۃ العلماء کی کہانیوں، اسلامی نظریات، الہیات، اس کے نظریات اور مقاصد کو مجسم کرتا ہے۔

9.4 تنظیمی ڈھانچہ

نھضۃ العلماء کے مرکزی بورڈ (Pengurus Besar Nahdhatul Ulama) (PBNU) کے قیادت اور تنظیمی ڈھانچہ کا نظام جس میں مشاورتی بورڈ (Mustasyar)، سپریم کونسل (Syuriyah)، اعوان (Expert Board) اور ایگزیکٹو کونسل (Tanfidziyah) شامل ہیں۔ اس تنظیم کا اعلیٰ ترین عہدہ دار سپریم کونسل کا صدر ہوتا ہے جسے رئیس عام، اس کے نائب کو نائب رئیس اور سیکرٹری کو کاتب کہا جاتا ہے۔

ایگزیکٹو بورڈ کی قیادت جنرل چیئرپرسن (Ketua Umam) اور سیکرٹری جنرل کرتے ہیں۔ سپریم کونسل کے رئیس عام اور ایگزیکٹو کونسل کے چیئرپرسن کا انتخاب ہر پانچ سال بعد کانفرنس (Muktamar) کے ذریعے ہوتا ہے۔ ایک اور ادارہ جو دونوں کونسلوں کو مشورہ فراہم کرتا ہے مشاورتی بورڈ (Mustasyar) ہے جو جید علماء اور دیگر اراکین پر مشتمل ہوتا ہے۔

تنظیم کو چلانے کے لیے نھضۃ العلماء کے کئی چھوٹے بڑے محکمے (lembaga) بنائے گئے ہیں۔ لیمباگا محکمہ جاتی اداروں کے طور پر کام کرتے ہیں اور معاشرے کو تربیت کرنے اور اسے اپنے عقیدے کے مطابق راہ راست پر لانے کی مسلسل کوشش کرتے رہتے یں۔ نھضۃ العلماء کئی اہم پروگراموں کو منعقد کرتا ہے اور ذیلی ادارے (lajnah) کے ذریعہ ان کی نگرانی بھی کرتا ہے۔ اس کے علاوہ نھضۃ العلماء کے

پاس متعدد نیم خود مختار تنظیمیں بھی ہیں جو مخصوص کمیونٹی کے مذہبی مفادات کی خدمت کرتی ہیں۔ نھضۃالعلماء کے کئی محکمے ہیں، جو حسب ذیل ہیں:

1. اسلامی تبلیغ کے لیے Lembaga Dakwah Nahdhatul Ulama
2. تعلیم کے لیے Pendidikan Ma᾿arif Nahdhatul Ulama
3. صحت کی خدمات کے لیے Pelayanan Kesehatan Nahdhatul Ulama
4. معاشیات کے لیے Lembaga Perekonomian Nahdhatul Ulama
5. زراعت کے لیے Lembaga Pengembangan Pertanian Nahdhatul Ulama
6. اسلامی بورڈنگ اسکولوں کے لیے Rabithah Maʿahid Islamiyah Nahdhatul Ulama
7. برائے خاندان Lembaga KemaslahatanKeluarga Nahdhatul Ulama
8. مساجد کی فلاح وبہبود کے لیے Lembaga Takmir Masjid Nahdhatul Ulama
9. انسانی وسائل کے لیے Lembaga Kajian dan Pengembangan Sumberdaya Manusia Nahdhatul Ulama
10. قانونی مسائل کے لیےLembaga Penyuluhan dan Hukum Nahdhatul Ulama Bantuan
11. حلال کے لیےLembaga Badan Halal Nahdhatul Ulama
12. کارکنوں کے لیے Sarikat Buruh Muslimin Indonesia

اس کے علاوہ نھضۃالعلماء کے مرکزی بورڈ (Pengurus Besar Nahdhatul Ulama) کے کئی ادارے یا بورڈز (lajnah) ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

- اسلامی مذہبی معاملات کے لیے Lajnah Bahtsul Masail Nahdhatul Ulama
- فلکیات کے لئے Lajnah Falakiyah Nahdhatul Ulama
- اشاعتوں کے لیے Lajnah Ta'lif wan Nasyr Nahdhatul Ulama
- اوقاف کے لئے Lajnah Auqaf Nahdhatul Ulama
- صدقہ کے لیے Lajnah Zakat, Infaq, dan Shadaqah Nahdhatul Ulama

علاوہ بریں نھضۃالعلماء کے خود مختار بورڈز بھی ہیں؛

- صوفی گروپوں کے لیے Jam᾿iyyah Ahli Thariqah Al-Mu᾿tabarah An-Nahdhliyah

- خواتین کے لیے Muslimat Nahdhatul Ulama
- نوجوانوں کے لیے Gerakan Pemuda Ansor Nahdhatul Ulama
- خواتین نوجوانوں کے لیے Ulama Fatayat Nahdhatul
- یونیورسٹی کے طلبہ کے لیے Keluarga Mahasiswa Nahdhatul Ulama
- مرد طلبہ کے لیے Ikatan Pelajar Nahdhatul Ulama
- طالبات کے لیے Ikatan Sarjana Nahdhatul Ulama
- قاری اور حفاظ کے لئے Jami'iyyatul Qurrowal Huffadz Nahdhatul Ulama
- اساتذہ اکرام کے لئے Persatuan Guru Nahdhatul Ulama

اس طرح نھضۃ العلماء کا مرکزی بورڈ صوبائی و ضلع سطح تک پھیلا ہوا ہے۔ صوبائی سطح پر ولایہ نھضۃ العلماء، ضلع سطح کے لیے Pengurus Cabang Nahdhatul Ulama، ذیلی ضلع سطح کے لئے مجلس وکیل کبانگ (Majelis Wakil Cabang)، اور Pengurus Anak Ranting Nahdhatul Ulama سب سے چھوٹے علاقائی بورڈ کے طور پر کام کرتے ہیں۔ نھضۃ العلماء ایک منظم تحریک ہے، جس میں کیائی اور بورڈنگ اسکول کے طلبہ بنیادی عملے اور ادارے ہیں۔

9.4.1 نھضۃ العلماء کی روایتی (پیری مریدی) تعلیم پر ایک نظر

نھضۃ العلماء کی روایتی تعلیم انڈونیشیا میں کیائی (مذہبی علماء) کے ذریعہ قائم کیا گیا، جو عام طور پر دیہی آبادیوں اور مدارس کے طلبہ پر مشتمل ہے۔ روایتی اور ثقافتی طور پر انڈونیشیا کی دیہی آبادی نھضۃ العلماء کے کیائوں کی پیروکار ہیں۔ وہ مقامی کیائوں کے تجویز کردہ اسلامی طریقوں کا تحفظ کرتے ہیں اور انہیں انجام دیتے ہیں، مثال کے طور پر اولیاء کی قبروں کی زیارت، وسیلہ (شفاعت)، میلاد (پیغمبر کی سالگرہ)، صلوات (پیغمبر کی حمد)، بیس رکعت تراویح نماز، قرآنی آیات، ذکر، اور دعائیں کرنا اور آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی حکایات بیان کرنا، سلوک یا طریقت کے معمولات وغیرہ۔ یہ رسمیں بہت عام ہیں اور دیہی انڈونیشیا میں لوگوں کی زندگی کا حصہ بن چکی ہیں۔ کیائی کے ذریعے ادا کیے جانے والے کلیدی کردار کا مطلب یہ بھی ہے کہ اراکین کی ایک بڑی تعداد روایتی اور قدامت پسند اسلامی رجحانات سے آتی ہے۔ وہ روایت کو مضبوطی سے پکڑے رہتے ہیں۔ یہ روایتیں مدارس کے طلبہ اور صوفیوں کی کاوشوں سے انڈونیشیا کے تہذیب و ثقافت اور اسلامی تعلیمات کا حسین امتزاج ہے۔

انڈونیشیا میں بورڈنگ اسکول اور اس سے ملتے جلتے اسکولوں کی موجودہ تعداد تقریباً 30,000 ہیں، جس میں بورڈنگ اسکول کے طلباء (پیسنٹرین سنتری) اور فارغ التحصیل سابق طلباء پر مشتمل ایک تنظیم ہے جو اس روایتی درس وتدریس کی پیروی کرتی ہے جہاں نہ صرف عامل علماء ہیں بلکہ وہ مذہبی استدلال کو واضح کرنے کی قابلیت بھی رکھتے ہیں۔ بورڈنگ اسکول کے طلبہ ہونے کے ناطے وہ علمی اور عملی

طور پر بہ شعور ہیں۔ ان کے درس و تدریس میں عربی نحو (گرامر)، صرف (مورفولوجی)، بالاغہ (بیانات) اور ادب شامل ہیں۔ روایتی تعلیم کی اہم خصوصیات یہ ہے کہ طلبہ قرآن اور احادیث کو حفظ کرنے کے ساتھ ساتھ عربی گرامر کے کتابچے جو مختصر متن جیسے 'متن الاجرومیہ' یا 'الامرتی' سے لے کر 'الفیہ ابن مالک' جیسی وسیع متن جو ایک ہزار سے زیادہ عربی اشعار پر مشتمل ہے کو حفظ کرتے ہیں۔

مزید بر آں، طلبہ (سنتری) جو بورڈنگ اسکول میں رہتے ہیں وہ روایتی طور پر کیائی (صوفی پیر) کی اتباع واطاعت کرتے ہیں۔ کیائی اور سنتری دونوں استاذ اور شاگرد، نگراں اور نگرانی جس طرح والدین اور بچوں میں ایک خاص رشتہ ہوتا ہے اسی طرح رہتے ہیں۔ سنتری کو تعظیما کیائی کی مصافحہ کے دوران ہاتھ کا بوسہ لینا، مشورہ سننا اور اس پر عمل کرنا، وفادار رہنا ہوتا ہے۔ بورڈنگ اسکول کے طلبہ کی چھ سے نو سال تک بہت سخت تربیت کی جاتی ہے۔ تعلیم مکمل ہونے کے بعد کیائی سند (علم کی ترسیل کا سلسلہ) عطا کرتا ہے۔ اس کے بعد، طلبہ اکثر اپنے گاؤں واپس آجاتے ہیں اور اسی نہج کے نئے بورڈنگ اسکول کو قائم کرکے اسی تربیت و تعلیم کی پیروی کرتے ہوئے نئے سنتری تیار کرتے ہیں اور اس طرح انڈونیشیا میں روایتی تعلیم اور اقدار کو فروغ دینے کا کام کرتے ہیں۔

9.5 مذہبی و سماجی مسائل

جیسا کہ ہم نے دیکھا، نھضۃ العلماء کے بورڈز مکڑی کے جالے کی طرح پورے ملک میں پھیلے ہوئے ہیں، جو انڈونیشیا میں مسلم معاشروں میں پیدا ہونے والے مذہبی وسماجی معاملات پر نظر رکھتے ہیں اور 'بحث لیلۃ الاجتماع نھضۃ العلماء' کے نام سے منعقد مجلس میں ہر سوال کا اسلامی رو سے جواب تلاش کرتے ہیں۔ مذہبی معاملات کو قانونی حیثیت دینے کے لیے یہ ایک فکری میدان ہے۔ بحث لیلۃ الاجتماع نھضۃ العلماء باقاعدہ طور پر جلسہ منعقد کرتا ہے جہاں کیائوں کے ذریعہ علاقائی بورڈز کے اراکین کے سامنے اسلامی تعلیمات کی رو سے سماجی و مذہبی معاملات کو پیش کرتا ہے اور اس پر بحث کرتا ہے۔

اس طرح 'بحثۃ المسائل نھضۃ العلماء' اجتہاد اور فتویٰ کے میدان میں ایک تخلیقی اور اہم اسکیم پر کام کر رہا ہے۔ یہ کام کم از کم دو وجوہات کی بنا پر اہم اور اختراعی ہے۔ سب سے پہلے، عرب ممالک سے باہر کے مسلمان اپنے آبائی ممالک میں مذہبی مسائل پر مشرق وسطیٰ کے علماء سے مشورہ اور فتویٰ حاصل کرتے تھے۔ بحثۃ المسائل نھضۃ العلماء نے مذہبی اسلامی معاملات کے جوابات دے کر کامیابی سے اس پریکٹس کو ختم کر دیا ہے۔ دوسرا، بحثۃ المسائل نھضۃ العلماء کے قیام سے پہلے، اسلامی حکام و علماء اپنی آزاد اور انفرادی قانونی رائے، یا اجتہاد، یا مسلم کمیونٹیز کے درپیش مختلف مذہبی مسائل سے متعلق فتویٰ پیش کرتے تھے۔ بحثۃ المسائل نھضۃ العلماء نے اجتماعی اجتہاد یا اجتہاد اجماعی کی شکل دے کر اس کام مزید تقویت بخشی ہے۔

'بحثۃ المسائل نھضۃ العلماء' بڑے اور چھوٹے علماء یا فارغ التحصیل طلبہ پر مشتمل ہوتا ہے جنہیں اسلامی معاملات کا مستند عالم سمجھا جاتا ہے، یہ علماء عربی گرامر، تفسیر اور حدیث، اسلامی قانون، اسلامی تاریخ اور دیگر معاون علم کے ماہر ہوتے ہیں۔ خاص طور پر وہ فقیہ النفس، فقہ اور اس کے اطلاق میں تجربہ کار، اور فقہ اور اس کی دلیلیں پیش کرنے کی قابلیت رکھتے ہیں۔

9.6 سیاسی سرگرمیاں

نھضۃ العلماء بنیادی طور پر ایک سماجی مذہبی تنظیم ہے۔ نھضۃ العلماء کے آئین میں بھی سیاست یا سیاسی معاملات کے متعلق ذکر نہیں ہے۔ تاہم، اسلامی عقائد اور رسومات کی وجہ سے اس کے ممبران سیاست سے اپنے آپ کو الگ نہیں رکھ پائے۔ چونکہ فقہ کے اصول ہمیشہ سیاست سے متعلق ہوتے ہیں جیسے امامت کا معاملہ، قضا (جج سے متعلق موضوعات)، بغاوت، حدود و تعزیرات (سزا اور بدلہ)، قصاص اور عدل۔ یہ تمام مسائل فقہاء کے یہاں ابتدائی طور پر بیان کی جاتی ہیں۔

روایتی پیروکاروں کی بہت بڑی تعداد کی وجہ سے نھضۃ العلماء، خاص طور پر انڈونیشیا میں، ایک سیاسی طاقت کے طور پر ابھر کر سامنے آیا۔ نھضۃ العلماء ابتدائی طور پر اس وقت سیاست سے جڑا جب اس نے 1935 میں زمینی دفاع پر ایک حکم نامہ جاری کیا، اس میں کہا گیا کہ جزیرہ نما مسلمانوں کی سرزمین ہے۔ ایک اور موقع پر نھضۃ العلماء نے یہ بھی کہا کہ بحر الکاہل (Pacific Ocean) کی جنگ میں جاپان کا ساتھ دینا مسلمانوں کے لیے، یا عام طور پر جزیرہ نما میں رہنے والے لوگوں کے لیے نہ واجب ہے اور نہ ہی فرض۔ 1938 کے کانفرنس میں ایک تجویز رکھی گئی کہ نھضۃ العلماء کو اپنے نمائندوں کو 'عوامی کونسل'، جو ابتدائی طور پر ایسٹ انڈیز (انڈونیشیا) میں ڈچ انتظامیہ کے ذریعہ 1916 میں تشکیل دی گئی تھی، میں بھیجنا چاہیے۔ لیکن کانفرنس کے شرکاء کی اکثریت نے اس خیال کو مسترد کر دیا اور وہ نھضۃ العلماء کو ایک سماجی و مذہبی تنظیم کے طور پر رکھنا چاہئے کا مشورہ دیا۔

نھضۃ العلماء اور محمدیہ کے درمیان کچھ بنیادی اور اصولی اختلافات کے باوجود، ان دونوں اسلامی تنظیموں نے 1937 میں 'مجلس اسلام اعلیٰ انڈونیشیا' (سپریم اسلامک کونسل آف انڈونیشیا) قائم کی تاکہ جزیرہ نما میں تمام اسلامی گروہوں کے لیے ایک وفاقی تنظیم کا افتتاح کیا جا سکے۔ اس وفاقی تنظیم نے انڈونیشیا میں مسلمانوں کی آواز کو متحد اور مربوط کیا تاکہ ڈچ پالیسیوں، خاص کہ مسلمانوں کے لیے شادی کا آرڈیننس اور فوجی خدمات، کے خلاف آواز اٹھائی جا سکے۔ انڈونیشیا میں جاپانی قبضے نے سیاسی ماحول کو تبدیل کر دیا اور 1945 میں جب ہاشم اشعری قومی چیئرپرسن بنے تو انڈونیشین مسلمانوں کی مشاورتی کونسل کی بنیاد رکھی۔

انڈونیشین مسلمانوں کی مشاورتی کونسل میں نھضۃ العلماء کے بنیادی کردار کی وجہ سے نھضۃ العلماء ایک سیاسی تحریک بننا شروع ہوئی۔ نھضۃ العلماء کے سالانہ کانفرنس، 28 اپریل تا یکم مئی 1952، میں نھضۃ العلماء کو ایک سیاسی جماعت بنانے کی سفارش کی گئی۔ اس کے بعد نھضۃ العلماء نے 30 اگست 1952 کو انڈونیشین مسلم لیگ کی بنیاد رکھی، جس میں کئی پارٹیاں شامل تھیں مثلا ایسوسی ایشن آف انڈونیشین ایجوکیشن، اسلامک ایسوسی ایشن پارٹی آف انڈونیشیا، جنوبی سولاویسی پر مبنی درود دعوت و ارشاد اور انڈونیشین چینی مسلم ایسوسی ایشن وغیرہ۔

نھضۃ العلماء کی پارٹی نے 1955 کے انتخابات میں حصہ لیا اور الکشن میں 45 نشستیں حاصل کیں۔ آئینی اسمبلی کے اگلے انتخابات میں، نھضۃ العلماء پارٹی نے 91 نشستیں حاصل کیں۔ 1973 میں نیو آرڈر پالیسی کے تحت، نھضۃ العلماء پارٹی نے 'یونائیٹڈ ڈویلپمنٹ پارٹی' کے

ساتھ الحاق کیا، جس نے 1977 اور 1982 کے انتخابات میں دوسری سب سے بڑی تعداد میں نشستیں حاصل کیں۔ لیکن یونائیٹڈ ڈویلپمنٹ پارٹی کے ساتھ یہ الحاق زیادہ دن نہیں چل سکا اور عدم اطمینان کی وجہ سے، نھضۃ العلماء کے چیئرمین، عبدالرحمن واحد نے یونائیٹڈ ڈویلپمنٹ پارٹی سے علیحدگی اختیار کی، جس کی وجہ سے یونائیٹڈ ڈویلپمنٹ پارٹی کے ووٹوں کی تعداد 1982 میں 28 فیصد سے کم ہو کر 1987 کے انتخابات میں 16 فیصد رہ گئی۔ تب سے نھضۃ العلماء نے اپنے آپ کو سیاست سے الگ کر اپنے بنیادی مقاصد یعنی ایک سماجی اور مذہبی تنظیم کی طرح کام کرتی ہے۔

9.7 سو سالہ جلسہ اور قرارداد

7 فروری 2023 (16 رجب 1444 ہجری) کو نھضۃ العلماء نے اسلامی ہجری کیلنڈر کے مطابق اپنے قیام کی 100 ویں سالگرہ انڈونیشیا کے شہر Sidoarjo میں منائی۔ اس تاریخی تقریب میں ہزاروں ممبران اور مہمانوں نے شرکت کی جن میں سرکاری افساران، مذہبی رہنما اور کمیونٹی کے سرکردہ افراد شامل تھے۔ 1926 میں قائم ہونے والی نھضۃ العلماء دنیا کی سب سے بڑی اسلامی تنظیموں میں سے ایک ہے اور اس نے انڈونیشیائی معاشرے اور ثقافت کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ امن، رواداری، اور سماجی انصاف کو فروغ دینے کی اس کی ایک طویل اور قابل فخر تاریخ ہے۔

سو سال پورے ہونے پر نھضۃ العلماء کے ارکان نے اس کی کامیابیوں اور کارناموں کے ساتھ ساتھ گزشتہ سالوں میں درپیش چیلنجوں پر بھی غور و فکر کیا۔ نھضۃ العلماء کے سکریٹری جنرل Robikin Emhas نے اپنی تقریر مین تنظیم کے ماضی، حال اور مستقبل کے بارے میں گفتگو کی۔ انہوں نے روایتی اسلامی اقدار کے تحفظ کی اہمیت پر زور دیا، جیسے ہمدردی، خیرات، بلا تفریق مذہب و رنگ سب کا احترام۔ اس کے ساتھ ہی تعلیمی اور سماجی بہبود کے اقدامات کے لئے نھضۃ العلماء کے عزم اور انڈونیشی معاشرے میں امن اور ہم آہنگی کے فروغ کے لئے اس کی کوششوں پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ ان اقدامات کے لئے تنظیم کی وابستگی نے انڈونیشیا میں لاتعداد لوگوں کی زندگیوں پر نمایاں اثر ڈالا ہے۔ انہوں نے مذہبی رواداری اور افہام اور تفہیم کو فروغ دینے میں نھضۃ العلماء کے کلیدی کردار اور انتہا پسندانہ نظریات کا مقابلہ کرنے کی اس کی کوششوں پر بھی اظہار خیال کیا۔ انہوں نے مزید ہم آہنگی اور انصاف پسند معاشرے کی تعمیر کے لئے مختلف مذاہب اور پس منظر کے لوگوں کے ساتھ مل کر کام کرنے کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے کہا کہ نھضۃ العلماء اپنے اس مشن مین ثابت قدم ہے اور آنے والے سالوں میں نھضۃ العلماء اپنا اہم کردار ادا کرتا رہے گا۔ روایتی اسلامی اقدار، تعلیم اور سماجی بہبود کے اقدامات کے لئے تنظیم کی وابستگی اس بات کو یقینی بنائیگی کہ یہ آنے والے برسوں تک انڈونیشی معاشرے میں ایک طاقتور اور بااثر قوت بنی رہے۔

گزشتہ برسوں میں نھضۃ العلماء کو درپیش سب سے بڑے چیلنجوں میں سے ایک تیزی سے بدلتی ہوئی دنیا میں اپنی آزادی اور مطابقت کو برقرار رکھنا ہے۔ تنظیم کو انڈونیشیا میں بدلتے ہوئے سیاسی منظر پر اپنے وجود کو بچانا اور روایتی اسلامی اقدار کے ساتھ اپنی وابستگی کو جدیدیت اور ترقی کے ساتھ متوازن کرنا ہے۔ ان چیلنجوں کے باوجود، نھضۃ العلماء امن، رواداری، اور سماجی انصاف کے فروغ کے لیے اپنے

عزم پر ثابت قدم ہے اور اسلام کے اعتدال پسند اور جامع وژن کے لیے ایک مضبوط حامی ہے۔

نھضۃ العلماء کو ایک اور چیلنج کا سامنا ہے جو انڈونیشیا اور دنیا بھر میں انتہا پسندی اور دہشت گردی کو لے کر ہے۔ نھضۃ العلماء نے انتہا پسندی اور دہشت گردی کی کھل کر مخالفت کی ہے اور اس نے اسلام کے پر امن اور بھائی چارے کو فروغ دینے کے لیے کام کیا ہے۔ اس کے علاوہ، یہ تنظیم بین المذاہب مکالمے کو فروغ دینے میں رہنمائی کا کام کیا ہے اور انڈونیشیا میں مختلف مذہبی برادریوں کے درمیان پل بنانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ان چیلنجوں کے باوجود، نھضۃ العلماء انڈونیشیا کے معاشرے میں ایک اہم اور بااثر قوت بنی ہوئی ہے اور اس نے ملک کے سیاسی، ثقافتی اور سماجی منظر نامے کی تشکیل میں اہم رول ادا کیا ہے۔

اپنی قیام امن کی کوششوں کو آگے بڑھانے کے لیے، نھضۃ العلماء نے اپنے راہ عمل میں یہ طے کیا کہ سے پہلے مذہبی سفارت کاری کے ذریعے امن کو فروغ دینا اور مذہبی آزادی کی وکالت، خاص طور پر انڈونیشیا اور عالمی سطح پر اقلیتی مذہبی برادریوں کے لیے، کرے گا۔ دوسرا، اپنے اثرات کو بڑھانے کے لیے انڈونیشیا اور دنیا بھر میں دیگر مذہبی اور سول سوسائٹی کی تنظیموں کے ساتھ اپنی شراکت داری کو مضبوط کرے گا۔

ان مراحل کو لے کر، نھضۃ العلماء مزید پر امن اور ہم آہنگ انڈونیشیا کی تعمیر میں اپنا حصہ ڈال سکتی ہے اور دیگر مذہبی تنظیموں کے لیے ایک مثال قائم کر سکتی ہے۔ نہضۃ العلماء جیسی تنظیموں کی طرف سے مذہبی سفارت کاری مؤثر طریقے سے امن کو فروغ دے سکتی ہے اور کئی طریقوں سے تنازعات کو حل کر سکتی ہے، مثال کے طور پر: تقسیم کو ختم کر کے، اعتماد پیدا کر کے، تنازعات کے پر امن حل کو فروغ دے کر، اور ثقافتی اور مذہبی تناظر فراہم کر کے۔

آخر میں، مذکورہ بالا تمام چیلنجوں کے باوجود، نھضۃ العلماء ایک اچھی پوزیشن میں ہے کہ وہ جنوب مشرقی ایشیا اور دنیا بھر میں امن کو فروغ دینے اور تنازعات کو حل کرنے میں اہم کردار ادا کرتا رہے گا۔

9.8 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- نھضۃ العلماء کی بنیاد 31 جنوری 1926 (16 رجب 1344 ہجری) کو رکھی گئی۔ اس کو ہاشم اشعری نے قائم کیا۔ یہ دنیا کے بڑے تنظیموں میں سے ایک ہے۔ انڈونیشیا میں 60 ملین اراکین ہیں اور پوری دنیا بھر میں تقریباً 30 ملین اراکین پھیلے ہوئے ہیں۔
- جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے، نھضۃ العلماء کی شروعات عربی اسلامی علماء سے ہوئی جو وقت کے ساتھ ساتھ انڈونیشیا میں بورڈنگ اسکول اور علاقائی مدارس میں پروان چڑھے۔

- نھضۃ العلماء کی بنیاد اسلامی تعلیمات اور انڈ نیشیائی روایتی تہذیب پر مبنی ہے اور اسلامی تعلیمات کو روایتی تہذیب کی بنیادوں پر واضح کرتا ہے۔ اس حقیقت کی بنیاد پر، کچھ لوگ نھضۃ العلماء کو فکری پسماندگی، سیاست میں موقع پرستی، اور مذہب میں روایتی ہم آہنگی کو منافقانہ سمجھتے ہیں۔
- اس کے برعکس، مذہبی روایت پسندی نے نھضۃ العلماء کو ایک ترقی پسند مذہبی تنظیم بننے کے قابل بنایا ہے۔ خود شعوری روایت پسندی نھضۃ العلماء کو جدیدیت اور تبدیلیوں کا سامنا کرنے کے قابل بناتا ہے۔
- سماج کی فلاح و بہبود کے لئے سیاسی سطح نھضۃ العلماء نے تحریک محمدیہ سے بھی الحاق کیا۔ ان دونوں اسلامی تنظیموں نے 1937 میں 'مجلس اسلام اعلیٰ انڈونیشیا' (سپریم اسلامک کونسل آف انڈونیشیا) قائم کی تاکہ جزیرہ نما میں تمام اسلامی گروہوں کے لیے ایک وفاقی تنظیم کا افتتاح کیا جاسکے۔
- نھضۃ العلماء کا صد سالہ جلسہ 16 رجب 1444 یعنی 7 اپرل 1923 کو منایا گیا جس میں اس کے کارناموں اور چیلنجز کا تجزیہ کراسکے میشن کی حصولیابی کا عہد کیا گیا۔
- نھضۃ العلماء بنیادی طور پر ایک سماجی و مذہبی تنظیم ہے۔

9.9 نمونہ امتحانی سوالات

9.9.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. تحریک نھضۃ العلماء کی بنیاد کس نے ڈالی؟

(a). ہاشم اشعری (b). شبلی نعمانی (c). سید کتب (d). رشید رضاء

2. 'اسوجا' سے کیا مراد ہے؟

(a). اہل تشیع (b). اہل سنت والجماعت (c). طالب علم (d). عیسائی

3. نھضۃ العلماء کس فقہی مسلک کا پیروکار ہے؟

(a). شافعی (b). حنبلی (c). حنفی (d). مالکی

4. نھضۃ العلماء کی بنیاد کب رکھی گئی؟

(a).1926 (b).1930 (c).1947 (d).1876

5. نھضۃ العلماء کے نشان میں سب سے بڑا استارہ کس سے منسوب ہے؟

(a). اللہ سبحان تعالیٰ (b). حضرت محمد ﷺ (c). انڈونیشیا کا صدر (d). انڈونیشیا کا آئین

6. نھضۃ العلماء کے نشان میں جو رسی ہے اس مین کتنی مروڑیں ہیں؟

(a).100 (b).99 (c).91 (d).10

7. تحریک محمدیہ کے بانی کون ہیں؟

(a). عبد الوحید حسب اللہ (b). ہاشم اشعری (c). احمد دہلان (d). جمال الدین افغانی

8. نھضۃ العلماء کی فقہی مسائل کے لئے قائم کئے گئے مجلس کا کیا نام ہے؟

(a). بحث لیلۃ الاجتماع (b). دار الافتاء (c). نھضۃ الوطن (d). تمام صحیح

9. نھضۃ العلماء بنیادی طور پر تنظیم ہے؟

(a). اقتصادی (b). سیاسی (c). سماجی اور مذہبی (d). سب

10. پسنتران اور سنتری سے کیا مراد ہے؟

(a). مجلس صدر (b). دفتر دفاع (c). بورڈنگ اسکول اور طلبہ (d). صوفی

9.9.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. نھضۃ العلماء کیے آغاز کے پس منظر پر روشنی ڈالئے۔
2. نھضۃ العلماء تحریک محمدیہ سے کس طرح مختلف ہے؟
3. نھضۃ العلماء کے تنظیمی ڈھانچے پر روشنی ڈالئے۔
4. نھضۃ العلماء سماجی و مذہبی مسائل کو کس طرح حل کرتا ہے؟
5. نھضۃ العلماء کی نظر میں علاقائی روایتوں کی کیا اہمیت ہے؟

9.9.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. نھضۃ العلماء کے نشان (Symbol) پر تفصیلی گفتگو کریں۔
2. نھضۃ العلماء کے قیام واستحکام اور کارناموں پر ایک مفصل مضمون قلمبند کیجیے۔
3. عبد الواحد حسب اللہ اور ہاشم اشعری کی کاوشوں کا جائزہ لیجئے۔

9.10 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. Encyclopaedia of Islam and the Muslim World, Ed., Richard C Martin, Macmillan

Reference, USA, 2004

2. Robin Bush, Nahdatul Ulama, Yusof Ishaq Institute, ISEAS, 2009
3. Faried F. Saenong, Nahdatul Ulama (NU): A Grassroote Movement Advocating Moderate Islam. (Download from Brill.com), https://creativecommons.org/licenses/by-nc-nd/4./
4. F. Ismail, "The Nahdatul Ulama: Its early History and Contribution to the Establishment of Indonesian State",Journal of Indonesian Islam, Vol.5, Issue.2, 2011
5. .N Hosen, "Nahdatul Ulama and Collective Ijtihad", New Zealand Journal of Asian Studies, Vol.6, Issue.1, 2004
6. A Feillard, "NahdatulUlama in Indonesia", Ed by J. Esposito and E. Shahin, The Oxford Handbookof Islam and Politics, Oxford University Press, 2013,

اکائی 14. دارالعلوم دیوبند

اکائی کے اجزا:

14.0 تمہید
14.1 مقصد
14.2 قیام دارالعلوم کا پس منظر
14.3 دیوبند
14.4 قیام دارالعلوم
14.5 انتظامی امور
14.5.1 دفاتر دارالعلوم:
14.6 تعلیمی نظام
14.6.1 دارالعلوم کے تعلیمی شعبہ جات
14.7 دارالعلوم کا مقصد اور اس کی خصوصیات
14.8 اکتسابی نتائج
14.9 نمونہ امتحانی سوالات
14.9.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
14.9.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات
14.9.3 طویل جوابات کے حامل سوالات
14.10 تجویز کردہ اکتسابی مواد

14.0 تمہید

ہندستان میں مدارس عربیہ کی تاریخ بہت قدیم ہے، مسلمانوں کے ہندستان میں باضابطہ داخلہ کے بعد ہی سے مسلم حکام اور امراء

نے علم کی نشر و اشاعت کی کوششیں شروع کر دیں، ملتان میں ناصر الدین قباچہ نے 1226ء ہی میں ایک مدرسہ تعمیر کیا اور اس کا انتظام وانصرام مشہور عالم قاضی منہاج سراج کو سپرد کیا، محمد بختیار خلجی نے اسی زمانے میں جب بنگال فتح کیا تو وہاں ایک شہر رنگ پور آباد کیا اور وہاں متعدد مسجدیں، خانقاہیں اور مدرسے آباد کیے، سلطان محمد تغلق کے زمانے میں ہی صرف دہلی میں ایک ہزار سے زائد مدارس موجود تھے، ان کے مدرسین کے لئے شاہی خزانہ سے تنخواہیں مقرر تھیں، ان مدارس میں علوم دینیہ کے ساتھ ساتھ معقولات اور ریاضی کی بھی تعلیم دی جاتی تھی، گجرات کے فرمانروا سلطان محمد عادل شاہ متوفی ۱۵۱۰ء نے اپنی حدود مملکت میں متعدد مدارس کھولے، ان میں حکومت کی جانب سے طلبہ کو بہترین شاہی کھانے کھلائے جاتے تھے، ہر طالب علم کو ماہانہ وظیفہ بھی ملتا تھا، سلاطین شرقیہ نے جونپور میں متعدد مدارس تعمیر کئے ،ان میں درس وتدریس کے لئے دور دراز سے علماء کو بلایا، ان میں سے متعدد مدارس کے باقیات آج بھی موجود ہیں، مغلیہ عہد میں بھی مدارس کو خوب نشو ونما حاصل ہوا، شاہ جہاں کے عہد میں دہلی، لاہور، سیالکوٹ، احمد آباد اور جون پور علم وفن کے ایسے مراکز تھے جہاں ہندستان کے علاوہ دوسرے ممالک سے بھی طلبہ حصولِ علم کے لئے آیا کرتے تھے، اس دور میں مسجدوں سے متصل مدارس بھی ہوا کرتے تھے، شاہ جہاں کے عہد میں مسجد فتح پوری اور مسجد اکبر آبادی قائم ہوئی ان میں باقاعدہ مدرسے قائم تھے، مسجد فتح پوری آج بھی دلی میں موجود ہے، لکھنو کا فرنگی محل کا مدرسہ اورنگ زیب کے عہد کی یادگار ہے۔

مدارس صرف بڑے بڑے شہروں ہی میں نہیں بلکہ گاؤں اور دیہاتوں میں بھی موجود تھے، شاہی خزانے سے ان مدارس کی سرپرستی ہوا کرتی تھی اس کے علاوہ مختلف حکمرانوں نے متعدد جاگیریں اور گاؤں اس کے لئے وقف کر رکھے تھے، بادشاہوں کے علاوہ مسلم امراءاور مخیر حضرات بھی مدارس قائم کرتے تھے اور ان کی سرپرستی کرتے تھے اور اس خدمت کو سعادتِ دارین سمجھتے تھے، مگر اسلامی حکومت کے زوال کے ساتھ ساتھ مسلمانوں میں علمی سرگرمی بھی کم ہو گئیں اور عوام تن آسانی میں مشغول ہو گئے، بالآخر 1857ء میں مغلیہ عہد کے خاتمہ کے بعد انگریزی حکومت نے مدارس کے نظام کو بھی ختم کر دیا اور اس کی جگہ نیا نظام تعلیم جاری کر دیا، جس سے علماء کو یہ خوف ہونے لگا یہ تعلیم کم اور لوگوں کو مسیحی بنانے کی مشینری زیادہ ہے، ایسے ہی مشکل حالات میں چند صالح نفوس نے یہ ارادہ کیا کہ علم دین کی ایک ایسی تحریک شروع کی جائے جو پورے ہندستان میں دینی علوم وفنون کے پھیلانے کا کام کرے۔

14.1 مقصد

اس مضمون کا مقصد دار العلوم دیوبند کا تعارف ہے، یہ ادارہ محض ایک مدرسہ ہی نہیں بلکہ ایک تاریخ اور تحریک ہے، اس کے قیام کے پس منظر میں ایک پوری تاریخ پوشیدہ ہے، اس مضمون کو پڑھ کر آپ اس تاریخ سے بھی واقف ہوں گے اور خود دارالعلوم کے قیام کی تاریخ اور دار العلوم کے قیام کے مقاصد اور اس کی خصوصیات سے بھی واقف ہوں سکیں گے۔

14.2 قیام دار العلوم کا پس منظر

دار العلوم دیوبند کا قیام کسی وقتی جوش اور جذبہ کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ اس کے پیچھے کچھ ایسے محرکات تھے جو ایک طویل عرصہ سے

امتِ مسلمہ کے فکر مند طبقہ کو اس کے قیام کے لئے قدم اٹھانے کے لئے مجبور کر رہے تھے، درالعلوم دراصل ایک ایسی تحریک کا نام ہے جس کا مقصد علم دین کا فروغ اور امت کو ان لادینی تہذیب وثقافت سے بچانا ہے جو ایمان وعقیدہ لئے خطرہ ہیں، لہذا دار العلوم کا قیام ایک ایسے دور میں ہوا جب ہندستان میں مسلم حکومت کا خاتمہ ہو چکا تھا اور انگریز اقتدار میں آچکے تھے، مسلم حکومت کے خاتمہ کے بعد اسلامی تہذیب وتمدن اور اسلامی علوم فنون کی سرپرستی کرنے والا کوئی نہیں تھا، مسلم دور حکومت میں جو مدارس اسلامی علوم وفنون کی تعلیم دے رہے تھے وہ سب یک بعد دیگرے بند کئے جارہے تھے، ان کی عمارتیں گرائی جارہی تھیں، امراء اور بادشاہوں نے مدارس کے لئے جو مختلف اوقاف قائم کر رکھے تھے ان سب کو ختم کیا جارہا تھا، نئی نسل کو دینی تعلیم سے آراستہ کرنے کے ذرائع مفقود ہوتے جارہے تھے، علماء کرام چوں کہ انگریزی اقتدار کے خلاف تھے لہذا یا تو انھیں قتل کیا جارہا تھا یا وہ قید وبند کی صعوبتیں برداشت کرنے پر مجبور تھے، یا حالات سے تنگ آکر دیگر اسلامی ممالک کی طرف ہجرت کر رہے تھے، وہ علماء جو کسی طرح بچے ہوے تھے انھیں بھی انگریزی حکومت کی طرف سے ہمیشہ خطرہ لگا رہتا تھا، دوسری طرف انگریز ایک نئی تعلیمی پالیسی لے کر ہندستان آئے تھے، جس کا خالص مقصد ہندستان میں اپنی حکومت چلانے کے لئے مناسب کارندوں کو تیار کرنا اور انھیں عیسائی بنانا تھا، چنانچہ عیسائی مبلغین کھلے عام پورے ہندستان میں گھوم گھوم کر اسلام کو چیلنج کر رہے تھے اور اسلامی تعلیمات کے سلسلے میں عوام الناس کے درمیان شکوک وشبہات پیدا کر رہے تھے، عیسائیت کی تبلیغ کے لئے مختلف سوسائٹیز، چھاپے خانے اور تعلیم گاہیں قائم کی جارہی تھیں، جو تعلیم کم اور عیسائیت کی تبلیغ کی مشینریاں زیادہ تھیں۔

سیاسی شکست کے ساتھ مسلمانان ہند ذہنی شکست سے بھی دوچار ہو رہے تھے، دینی شعور رخصت ہو رہا تھا، مختلف جاہلانہ رسوم ورواج جڑ پکڑ رہے تھے، مسلمانوں میں کفر والحاد کے پھیلنے کا خطرہ بڑھتا جارہا تھا، اور یہ ڈر پیدا ہو رہا تھا کہ اگر عیسائیت کے اس سیلاب کے سامنے بندھ نہیں باندھا گیا تو یہ عوام کے ایمان واعتقاد کو بہالے جائے گا، لہذا ایسے ادارہ کے قیام کی اشد ضرورت محسوس ہو رہی تھی جو پورے ہندستان میں مسلمانوں کی علمی اور دینی رہنمائی کر سکے اور پورے ملک کے لئے ایک نمونہ بن سکے تاکہ مسلمانوں کے ایمان کی حفاظت کی جائے اور ان کی دینی، سماجی اور سیاسی زندگی کو اسلامی رنگ میں ڈھالا جائے اور علوم دینیہ کو فروغ دیا جائے اور انگریزی فتنہ جو عوام الناس کے دلوں میں اسلام تعلیمات کے لئے شکوک وشبہات پیدا کر رہا ہے اس کا مقابلہ کیا جا سکے۔

یہی وہ پس منظر تھا جسے دیکھ کر حاجی عابد حسین دیوبندی، مولانا قاسم نانوتوی جیسے کچھ اور مخلصین نے یہ عزم کیا کہ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جس طرح اپنے عہد میں علم دین کے روشنی پھیلائی تھی اور ملک وقوم کی علمی وفکری تشکیل کی تھی اسی طرز پر ایک مدرسہ قائم کیا جائے، لہذا اللہ کے ان نیک بندوں نے اسی مقصد کے تحت دیوبند کی سرزمین پر دار العلوم قائم کیا۔

14.3 دیوبند

دار العلوم جس سرزمین پر قائم ہوا اس کا نام دیوبند ہے، گرچہ یہ وسعت یا صنعت وتجارت کے اعتبار سے کوئی قابل ذکر علاقہ نہیں ہے، مگر اپنی علمی اور دینی اہمیت کی وجہ سے آج پوری دنیا میں مشہور ہے، یہ ضلع سہارنپور کی ایک تحصیل ہے، یہاں قدیم زمانے سے ہندوؤں

کا ایک معروف مندر "دیوی کنڈ" ہے جو بن یعنی جنگل میں واقع ہے، اسی مناسبت سے اس علاقہ کو"دیوی بن" کہاجاتا تھاجو کہ کثرت استعمال سے دیوبند ہوگیا، یہ ملک کی راجدھانی دلی سے ۱۴۴ کلومیٹر کی دوری پر دوآبہ (گنگاجمنا) کے سرسبز علاقہ میں واقع ہے، اس کی تاریخ بہت ہی قدیم ہے، قدیم کتبوں اور تاریخ کی کتابوں میں اس کا ذکر ملتا ہے، مسلم دور حکومت کے متعدد آثار یہاں پائے جاتے ہیں، یہاں شہنشاہ اکبر کے عہد کا اینٹ سے بناہوا ایک قلعہ موجود تھا، دیگر مسلم عہد حکومت میں بھی یہاں متعدد مساجد کی تعمیر ہوئی، مثلاً مسجد قلعہ سلطان سکندر لودھی، مسجد خانقاہ شہنشاہ اکبر، مسجد ابو المعالی شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر، یہ سبھی مساجد اپنے عہد کے بادشاہوں کے دور میں تعمیر ہوئیں۔

جب ذمہ داران دار العلوم نے مدرسہ کے قیام کا ارادہ کیا تو اہل دیوبند نے پوری گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا، اور بہت ہی فیاضی کے ساتھ اپنا مال خرچ کیا، ابتدا میں تمام ہی طلبہ کے قیام وطعام کی جتنی بھی ضرورت تھی وہ محض اہل دیوبند کے چندے سے پوری ہوگئی۔

14.4 قیام دار العلوم

برطانوی حکومت کے قیام کے بعد اب دینی مدارس کے قیام وانتظام کی ذمہ داری عام مسلمانوں کے کندھوں پر آگئی تھی، لہذا چند صالح نفوس نے یہ ارادہ کیا کہ سرزمین دیوبند میں ایک ایسے ادارے کا قیام ہو جس میں بغیر کسی فیس اور معاوضہ کے نئی نسل کی دینی تربیت ہوسکے اور وہ ہندستان میں دینی علوم کی ایک ایسی تحریک ہو جو پورے ہندوستان میں پھیل جائے، ان میں سرفہرست حاجی محمد عابد، مولانا ذوالفقار علی، مولانا فضل الرحمان، مولانا مہتاب علی اور مولانا قاسم نانوتوی علیہم الرحمۃ تھے، ان حضرات کے پیش نظر ایسے مدرسہ کا قیام تھا جہاں طلبہ اسی طرح سے بنا کسی خرچ کے تعلیم حاصل کرسکیں جس طرح اسلامی دور حکومت میں کرتے تھے، جب ان حضرات نے اس جانب قدم بڑھایا تو انھیں سب سے پہلے پیسے کی ضرورت پڑی جس سے ان کا دامن خالی تھا، لہذا انہوں نے عوامی چندے کا راستہ اختیار کیا، اس زمانے میں یہ بالکل انوکھا طریقہ تھا، کیوں کہ اس پہلے مدارس ومساجد کی ذمہ داری بادشاہ اور امراء کے ذمہ تھی، اور ان کے لئے جاگیریں وقف تھیں، سوانح قاسمی میں لکھاہے بروز جمعہ ماہ ذی قعدہ 1282ھ حاجی سید محمد عابد جو دیوبند کے رہنے والے تھے فجر بعد دیوبند کی مسجد چھتہ سے نکلے، اپنا رومال کو ہی جھولا بنایا اور اس میں تین روپئے اپنی جیب سے ڈالے پھر مولوی مہتاب علی مرحوم کے پاس تشریف لائے انہوں نے چھئے روپئے عنایت کئے اور دعا کی، مولوی فضل الرحمان نے بارہ روپئے دئے، مولوی ذوالفقار علی نے بارہ روپئے پھر محلہ ابو البرکات پہونچے، اس طرح ایک ہی دن میں دوسو روپئے جمع ہوگئے۔

خاطر خواہ چندہ اکٹھا ہونے کے بعد ایک بہت ہی محدود پیمانے پر 15 محرم الحرام 1283ھ بروز پنجشنبہ مطابق ۳۱ مئی 1866ء کو چھتے کی قدیم مسجد کے کھلے صحن میں انار ایک چھوٹے سے درخت کے سائے میں بڑی ہی سادگی کے ساتھ مدرسہ کا افتتاح عمل میں آیا، مختصر سے سرمائے اور محض ایک استاذ اور اور ایک طالب علم کے ساتھ درس وتدریس کا آغاز ہوا، ذمہ داروں کے پاس سوائے توکل علی اللہ، اخلاص اور خدمتِ دین کے جذبہ کے، کوئی دنیوی سرمایہ نہ تھا جس سے یہ امید کرتے کہ یہ مدرسہ ایک دن ہند کا جامعہ ازہر بن جائے گا، گرچہ سرمایہ

مختصر تھا، لیکن ان کا خلوص اور عزم بہت بلند تھا، لہذا اسی اخلاص کے نتیجہ تھا کہ چند ہی سالوں میں یہ پورے ہندستان کا ایک مرکزی ادارہ بن گیا، اور اپنے رقبے اور طلبہ کی تعداد کے اعتبار سے بھی پورے ہندستان میں ام المدارس کا درجہ حاصل کر لیا۔

مدرسہ تو قائم ہو گیا، لیکن مدرسہ کے قیام کے بعد اس کو چلانے کے لئے بھی سرمایہ کی ضرورت پڑتی ہے، اور مدرسہ جتنا وسیع ہوتا جاتا ہے اتنی ہی زیادہ پیسوں کی ضرورت بڑھتی جاتی ہے، لہذا قیام کے بعد مزید پیسوں کی ضرورت پڑی، چنانچہ اس بار چندے کے لئے باضابطہ اشتہار دیا گیا، اس میں درج ذیل عبارت لکھی ہوئی تھی۔

الحمد للہ مقام قصبہ دیوبند ضلع سہارنپور میں اکثر اہل علم نے جمع ہو کر کسی قدر چندہ جمع کیا اور ایک مدرسہ عربی پندرہ تاریخ محرم الحرام 1283ھ جاری ہوا اور مولوی محمد محمود صاحب بالفعل بمشاہرہ 15 روپئے ماہوار مقرر ہوئے، چوں کہ لیاقت مولوی صاحب کی بہت کچھ ہے اور تنخواہ بسبب قلت چندہ کے کم، ارادہ مہتمان مدرسہ کا ہے کہ بشرط وصول زر چندہ قابل اطمئنان جس کی امید رکھی ہے تنخواہ مولوی صاحب موصوف کی زیادہ کی جاوے اور ایک مدرس فارسی وریاضی کا مقرر ہو، جملہ اہل ہمت وخیر خواہان ہند خصوصا مسلمانان سکنائے دیوبند وقرب وجوار پر واضح ہو کہ جو لوگ اب تک شریک چندہ نہیں ہوے بدل شریک ہو کر امداد کافی دیویں اور واضح ہو کہ چندہ مفصلہ فہرست ہذا کے کہ جس کی میزان کل 401 روپئے 8 آنے ہے دوسرا چندہ واسطے خوراک ومدد خرچ طلبہ بیرونجات کے جمع ہوا ہے اور سولہ طالب علموں کا صرفہ جمع ہو گیا ہے اور ان شاء اللہ روز بروز جمع ہوتا جاتا ہے اس میں طلبہ بیرونجات کو کھانا پکا پکایا اور رہنے کو ملے گا، کتابوں کا بندوبست بھی متعاقب ہو گا۔ نام مہتمان کے درج ذیل ہیں، جس صاحبوں کو روپیہ بھیجنا منظور ہو تو بنام ان کے بذریعہ خط بیرنگ ارسال فرمادیں، رسید اس کی بصیغہ پیڈ بھیجی جائے گی، فقط۔ حاجی عابد حسین، مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی، مولوی مہتاب علی صاحب، مولوی ذوالفقار علی صاحب، مولوی فضل الرحمان صاحب، منشی فضل حق صاحب، شیخ نہال صاحب۔

العبد فضل حق، سرابراہ کار مدرسہ عربی فارسی وریاضی قصبہ دیوبند ضلع سہارنپور، تحریر بتاریخ 19 محرم الحرام 1283ھ روز دو شنبہ۔

اس طرح عوامی چندے کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا اور مدرسہ مسلسل دن بدن آگے بڑھتا رہا، جس شخصیت کو اس درسگاہ کے اولین استاذ ہونے کا شرف حاصل ہوا اس کا نام مولانا ملا محمود دیوبندی تھا، آپ کی بطور عربی استاذ پندرہ روپئے ماہانہ تنخواہ پر تقرری ہوئی، آپ کافی ذی استعداد استاذ تھے اور لیاقت کے اعتبار سے تنخواہ کم تھی، اس کا احساس ذمہ داران مدرسہ کو بھی تھا اور یہ ارادہ تھا کہ چندہ اگر زیادہ مقدار میں آئے تو آپ کی تنخواہ میں بھی اضافہ کیا جائے اور مزید کچھ اور استاذ کی بھی تقرری کی جائے جو بچوں کو فارسی اور ریاضی کی تعلیم دے سکے، جس شخصیت کو اس درسگاہ کا اولین طالب علم ہونے کا شرف حاصل ہوا اس کا نام محمود حسن تھا جو بعد میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی نام سے مشہور ہوے، اس طرح دار العلوم کے پہلے استاد اور طالب علم دونوں ہی نام اور صفات دونوں ہی اعتبار سے محمود تھے، حاجی عابد حسین صاحب چوں کہ محرک اول تھے لہذا وہی مدرسہ کے سب سے پہلے مہتمم قرار پائے، مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب اپنی علمی وقار اور عظمت کی بنا پر مدرسہ کے سرپرست مقرر ہوئے، مولانا یعقوب نانوتوی جو اجمیر، بنارس اور سہانپور وغیرہ میں محکمہ تعلیم میں ڈپٹی انسپکٹر رہ چکے

تھے پہلے صدر مدرس قرار پائے۔

14.5 انتظامی امور

اس وقت دار العلوم دیوبند ایشیا کا سب سے بڑا اور اہم ادارہ ہے، اس کے نظم وانصرام کے لئے ضروری تھا کہ اس کا پورا ایک سسٹم بنایا جائے، لہذا اس کے لئے مختلف سطح پر متعدد کمیٹیاں، شعبہ جات اور عہدے بنائے گئے ہیں، جس کے تحت پورے دار العلوم کا نظم ونسق چلتا ہے، ان کا ذکر مندرجہ ذیل ہے۔

مجلس شوری: دار العلوم دیوبند کی سب اہم کمیٹی مجلس شوری ہے، اس کی یہ ذمہ داری ہے کہ مدرسہ کے تمام کاموں کی نگرانی ور ہنمائی کرے، اس کی پیش کردہ تمام ہی تجاویز پر عمل پیرا ہونا سب لئے لازم ہوتا ہے، چاہے وہ مالیات سے متعلق ہوں، یا کسی نئے قانون کو وضع کرنا ہو یا دار العلوم کے تمام ہی جائداد کی نگرانی کرنی ہو یا دار العلوم کے کسی ملازم کو برخواست کرنا ہو، غرض تمام ہی امور میں اس کا فیصلہ واجب التعمیل ہوتا ہے، چنانچہ آغاز قیام ہی سے دار العلوم نے اپنا نظم انصرام حکم خداوندی "وأمرهم شوری بینهم" کے تحت رکھا، اس میں پورے ملک سے وہ منتخب افراد ہوتے ہیں جو علم دین، اخلاص وللہیت اور عقل ودانش کے اعتبار سے ممتاز ہوں، چنانچہ دار العلوم کی ابتدائی مجلس شوری سات اراکین پر مشتمل تھی، ان کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں:

حاجی عابد حسین، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا مہتاب علی، مولانا ذوالفقار علی، مولانا فضل الرحمان، منشی فضل حق، شیخ نہال احمد رحمہم اللہ۔

موجودہ دور میں مجلس شوری کے ارکان کی تعداد اکیس ۲۱ ہوتی ہے، اس میں کم از کم گیارہ (۱۱) علماء کا ہونا ضروری ہے، باقی ارکان دوسرے شعبہ سے ہوسکتے ہیں، اس بات کی بھی کوشش ہوتی ہے کہ کم از کم دو افراد مقامی یعنی دیوبند کے ہوں، دارالعلوم کا مہتمم اور صدر مدرس بحیثیت اپنے عہدہ کے اس کے ممبر ہوتے ہیں، اس مجلس کی سال میں دو میٹنگ ہوتی ہے، میٹنگ کے انعقاد کے لئے کم از کم ایک تہائی تعداد کا موجود ہونا ضروری ہوتا ہے۔

مجلس عاملہ: یہ کمیٹی مجلس شوری کے کاموں کی تعمیل میں مدد کرتی ہے، شوری میں منظور کی گئ تجاویز کو عملی جامہ پہناتی ہے، نظم تعلیم اور دفاتر کے حسابات کی نگرانی اسی کے ذمہ ہوتی ہے، یہ نو (۹) ممبران پر مشتمل ہوتی ہے، سات ممبران مجلس شوری کے ہوتے ہیں، دارالعلوم کا مہتمم اور صدر مدرس بحیثیت اپنے عہدہ کے اس کے ممبر ہوتے ہیں۔

مہتمم: یہ دار العلوم کا سب سے بڑا عہدہ ہوتا، اس ذمہ داری پر وہی لوگ فائز کئے جاتے ہیں جو علم وفضل، تقوی وللہیت، انتظامی صلاحیت کے ساتھ ساتھ ملک میں اپنا ایک ممتاز مقام رکھتے ہوں، مہتمم دار العلوم شعبہ تعلیمات اور دیگر روز مرہ کی تمام تدریسی اور غیر تدریسی امور کے صحیح طریقہ سے انجام دہی کا ذمہ دار ہوتا ہے، مجلس شوری اور مجلس عاملہ کا ممبر ہوتا ہے، دار العلوم کی پوری تاریخ میں جتنے بھی مہتمم رہے ہیں وہ اپنی علمی، انتظامی اور دیگر اعلی صلاحیتوں کی وجہ سے پورے ملک شہرت رکھتے تھے، دار العلوم کے پہلے مہتمم حاجی عابد

حسین صاحب تھے اور موجودہ مہتمم مولانا ابوالقاسم نعمانی صاحب ہیں۔

نائب مہتمم: مہتمم کے کاموں میں تعاون کے لئے نائب مہتمم کا تقرر کیا جاتا ہے، یہ مہتمم کے تفویض کردہ اختیار کے مطابق کام کرتا ہے اور مہتمم کی عدم موجوگی وہی مدرسہ وہی مہتمم کے قائم مقام ہوتا ہے۔

صدر مدرس: یہ تمام ہی تعلیم امور کا نگراں ہوتا ہے، تمام ہی طلبہ کی دینی واخلاقی تربیت اس کے ذمہ ہوتی ہے، تمام ہی تعلیمی امور کے نظم وانصرام کے لئے مجلس تعلیمی کے نام سے ایک کمیٹی ہے جو صدر مدرس کو ان تمام امور سے متعلق مشورہ دیتی ہے، ان مجلس کے ارکان مہتمم، صدر مدرس، نائب مہتمین اور طبقہ علیا کے دو اساتذہ ہوتے ہیں، اب تک جتنے بھی صدر المدرسین رہے ہیں وہ اپنے علم وفضل اور انتظامی امور کی وجہ پورے ملک میں شہرت رکھتے تھے، دار العلوم کے سب سے پہلے صدر مدرس مولانا یعقوب نانوتوی صاحب تھے اور موجودہ صدر مدرس مولانا ارشد مدنی صاحب ہیں۔

ناظم تعلیمات: ناظم تعلیمات صدر مدرس کے ساتھ تعلیمی امور کی نگرانی کرتا اور دفتر تعلیمات کا سربراہ ہوتا۔

14.5.1 دفاتر دار العلوم:

دار العلوم کو بہت ہی وسیع ادارہ ہے، اس کے انتظام کو چلانے کے لئے مختلف دفاتر کی ضرورت تاکہ یہ وسیع ادارہ بہتر طریقہ سے اپنا کام کرسکے، لہذا مندرجہ ذیل دفاتر سے ہی دار العلوم کا پورانظام چلتا ہے۔

دفتر اہتمام: یہ دار العلوم کا سب سے بڑا اور اہم انتظامی شعبہ ہے، اسی دفتر سے دار العلوم کی تمام سرگرمیوں کے لئے احکام صادر کئے جاتے ہیں، مجلس شوری اور مجلس عاملہ میں لئے گئے تمام ہی فیصلوں کی تعمیل یہیں سے ہوتی ہے، اس دفتر کا ذمہ دار مہتمم دار العلوم دیوبند ہوتا ہے۔

دفتر تعلیمات: یہ دفتر بھی کلیدی اہمیت کا حامل ہے، یہ شعبہ دار العلوم کی تمام ہی علمی سرگرمیوں کی نگرانی کرتا ہے، یہ تمام ہی کلاسز کا صحیح سے اجراء، امتحانات، طلبہ کے داخلے، ان کی حاضری، تمام ہی طلبہ کا ریکارڈ، سند کا اجراء وغیرہ کا ذمہ دار ہوتا ہے۔

شعبہ محاسبی: قیام دار العلوم کے دوسرے سال ہی اس شعبہ کا قیام کردیا گیا تھا، تمام ہی مالیاتی امور یہیں سے دیکھے جاتے ہیں، ہر قسم کے آمد وصرف کی تفصیل رکھنا اس کی ذمہ داریوں میں شامل ہے، اساتذہ کی تنخواہیں اور طلبہ کے وظائف یہیں سے جاری کئے جاتے ہیں۔

محافظ خانہ: یہ شعبہ ۱۹۳۷ء میں قائم ہوا، اس میں دار العلوم کے تمام ہی تاریخی ریکارڈ محفوظ رکھے جاتے ہیں، دار العلوم کے انتظام وتعلیم سے متعلق افراد کے ریکارڈ، مجلس شوری وعاملہ کی تمام کاروائیوں کے ریکارڈ، دار العلوم کی تمام رسیدات اور سندات کی طباعت کا کام بھی یہیں سے ہوتا ہے نیز تمام شعبہ جات کو اسٹیشنریز وغیرہ یہیں سے فراہم کی جاتی ہیں اور دفتر اہتمام سے صادر ہونے والے جملہ احکامات اور کاغذات کی نقول یہاں جمع ہوتی ہے۔

کتب خانہ: دار العلوم کا کتب خانہ ہندستان کے چند بڑے کتب خانوں میں شمار ہوتا ہے، اس میں اہم کتابوں کے ساتھ ساتھ نادر

مخطوطات بھی موجود ہیں، اس میں بہت سی کتابیں دار العلوم نے خرید کر جمع کی ہیں، جب کہ بہت ساری کتابیں مختلف افراد اور ممالک کے سربراہان نے بطور ہدیہ پیش کی ہیں، اب تک اس کتب خانہ میں تقریباً دولاکھ کتابیں موجود ہیں، جس میں بڑی تعداد اسلامی علوم وفنون سے متعلق ہیں، جب کہ دیگر فنون سے متعلق بھی کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے، تمام ہی کتابوں کو جدید طریقہ سے مرتب کر کے رکھا گیا ہے، لہذا مدرسہ کے اساتذہ وطلبہ کے علاوہ دیگر شائقین علم وفن بھی تحقیق کے لئے مسلسل آتے رہتے ہیں، کتب خانہ کی قدیم عمارت ۱۹۰۶ء میں تعمیر ہوئی تھی، جس میں مسلسل توسیع بھی ہوتی رہی، اس وقت شیخ الہند کے نام سے ایک مستقل شاندار سات منزلہ گول عمارت تعمیر ہو چکی ہے، اس میں پانچ لاکھ سے زائد کتابوں کے رکھنے کی گنجائش ہے، مزید مطالعہ اور دیگر امور کے لئے علیحدہ ہال بھی موجود ہیں۔

شعبہ تنظیم وترقی: دار العلوم کا یہ شعبہ 1355 ہجری میں قائم ہوا، اس کا کام مالیات اور غلہ کی فراہمی ہے، طلبہ کو غلہ فراہم کرنے کی ذمہ داری اسی شعبہ کی ہے، عطیات وصول کرنے کے لئے متعدد سفراء مامور ہوتے ہیں جو ملک بھر میں چندہ جمع کرتے ہیں۔

دار الاقامہ: یہ دار العلوم کا نہایت ہی اہم شعبہ ہے، اس کے تحت طلبہ کے کمروں اور سیٹ کا الاٹمنٹ، ان کی نگرانی، طلبہ کے مسائل، طلبہ کا شناختی کارڈ کا اجراء وغیرہ اہم امور شامل ہیں، دار الاقامہ میں اس وقت دار جدید، رواق خالد، شیخ الہند منزل، شیخ الاسلام منزل، حکیم الامت منزل وغیرہ شامل ہیں، ان سب میں تقریباً چار ہزار طلبہ اور اساتذہ کا قیام رہتا ہے، ہاسٹل میں طلبہ کی نگرانی کے لئے اساتذہ کرام ہر وقت موجود رہتے ہیں۔

شعبہ مطبخ: اس شعبہ کا قیام ۱۹۱۰ء میں عمل میں آیا، اس شعبہ میں تقریباً پچاس افراد کام کرتے ہیں جو ہر وقت چار ہزار طلبہ کے لئے صبح وشام کا کھانا تیار کر کے تقسیم کرتے ہیں، مطبخ کی عمارت احاطہ دار العلوم کے جنوبی گوشہ میں چھتہ مسجد کے پاس واقع ہے، اس کے فرائض میں کھانے کے ضروری سامان کی فراہمی، کھانا پانے والے تمام ہی طلبہ کا ریکارڈ اور اس کا مکمل حساب رکھنا شامل ہے، دار العلوم کی طرف سے طلبہ کو مفت کھانا فراہم کیا جاتا ہے، مستطیع طلبہ کو اختیار ہوتا ہے وہ قیمتاً کھانا حاصل کر سکیں، طلبہ کے لئے پرہیزی کھانے کی بھی سہولت موجود ہے۔

شعبہ تعمیرات: یہ شعبہ ۱۹۱۴ء میں قائم ہوا، یہ دار العلوم کے تمام ہی تعمیراتی کاموں کی نگرانی کرتا ہے، نئی عمارتوں کی تعمیر، پرانی عمارتوں کی اصلاح ومرمت، رنگ وروغن اس کے فرائض میں شامل ہیں، اس کے تحت کئی شاندار عمارتیں تعمیر ہوئیں، اس میں سنگ مرمر کی پرشکوہ مسجد جامع رشید، مدرسہ ثانویہ، دار المدرسین، شیخ الہند منزل، شیخ الاسلام منزل، شیخ الہند لائبریری وغیرہ جیسی اہم عمارات شامل ہیں۔

شعبہ اوقاف: اہل خیر حضرات ہر دور میں دار العلوم کے لئے جائداد وقف کرتے رہے ہیں، یہ اوقاف ہندستان کے مختلف علاقوں میں موجود ہیں، لہذا ان کی دیکھ بھال، عمارتوں کے کرایہ کی وصولی، نادینے والوں نیز قبضہ کرنے والوں کے خلاف قانونی کاروائی کرنے جیسے اہم امور کے لئے یہ شعبہ 1917ء میں قائم ہوا۔

مکتبہ دار العلوم: دار العلوم کا یہ ایک اشاعتی ادارہ ہے، اس کے تحت دار العلوم کے اساتذہ وعلماء کی کتابیں شائع کی جاتی ہیں، یہ اب

تک ساٹھ سے زیادہ کتابیں شائع کر چکا ہے، جس میں فتاوی دار العلوم بھی شامل ہے، کچھ دیگر اکیڈمیوں سے شائع ہونے والی کتابیں بھی یہاں ملتی ہیں، طلبہ کو دی جانے والی انعامی کتابیں بھی اسی مکتبہ سے شائع ہوتی ہیں۔

شعبہ برقیات: یہ شعبہ 1952ء میں قائم ہوا، دار العلوم کی وسیع عمارتوں میں بجلی کے صحیح انتظام کے لئے یہ شعبہ قائم کیا گیا، درسگاہوں، دار الاقامہ، دفاتر، مساجد، راستوں میں بجلی اور پنکھوں کی دیکھ بھال، پانی کی سپلائی، واٹر ٹینکو کی دیکھ بھال، نیز دار العلوم کی گاڑیوں کی دیکھ بھال، ان کی مرمت اور مختلف جلسوں میں بجلی اور لاوڈ اسپیکر کے انتظامات اس کی ذمہ داریوں میں شامل ہے۔

عظمت ہسپتال: دار العلوم نے طب یونانی کی تعلیم کے لئے دار الشفاء قائم کیا تھا، یہ بعد میں عظمت ہسپتال کے نام سے موسوم ہوا، اس میں طلبہ کو مفت اور غیر طلبہ کو نہایت کم قیمت پر علاج دستیاب ہوتا ہے، یہاں یونانی اور ایلوپیتھک دونوں کے قسم کے علاج کا نظم ہے، اس سے مستفید ہونے والوں کی تعداد نہایت وسیع ہے۔

مہمان خانہ: مہمان خانہ 1899ء میں قائم ہوا، 1951ء میں اس کی مستقل عمارت تعمیر ہوئی، اس میں میٹنگ ہال، طعام ہال، کمرے ، وغیرہ شامل ہیں، مجلس شوری اور عاملہ کے اجلاس یہیں ہوتے ہیں، اس کے علاوہ سال بھر ملک اور بیرون ملک سے آنے والے مہمانوں کا سلسلہ قائم رہتا ہے۔

شعبہ خریداری: دار العلوم میں جتنی بھی خریداری ہوتی ہے وہ اسی شعبہ کے تحت ہوتی ہے، یہ شعبہ 1998ء میں قائم ہوا۔

اسٹاک روم: خریداری کے بعد تمام سامان یہاں رکھے جاتے ہیں اور حسب ضرورت متعلقہ شعبوں کو فراہم کئے جاتے ہیں۔

دفتر صفائی وچمن بندی: دار العلوم کے اندر جملہ صفائی ستھرائی اور پارکوں وکیاریوں کی دیکھ بھال اسی شعبہ کے ذمہ ہے۔

14.6 تعلیمی نظام

اس وقت دار العلوم میں جو نصاب رائج ہے اسے درس نظامی کہا جاتا ہے، ان نظام کے کے بانی ملا نظام الدین سہالوی لکھنوی تھے، آج ملک کے زیادہ تر مدارس میں جو نظام رائج ہے وہ انہیں کی یادگار ہے، اس نظام میں فقہ کو خصوصی اہمیت حاصل ہے، دار العلوم نے اپنے قیام کے بعد اسی نصاب کو اپنایا، لیکن چوں کہ یہ نصاب کافی پرانا ہو چکا تھا، وقت کے ساتھ اس میں تبدیلیوں کی ضرورت تھی، لہذا دار العلوم نے اسے بعین ہی اپنانے کے بجائے ضروری ترمیم کے بعد اپنایا، چنانچہ موجودہ درس نظامی اپنے اصل درس نظامی سے کافی مختلف ہے، لیکن چوں کہ اسی نصاب کو اخذ کیا گیا تھا لہذا آج بھی اسے درس نظامی ہی کہا جاتا ہے، موجودہ درس نظامی میں تقریبا تیس موضوعات پر پچاس سے زائد کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، ان میں تفسیر وترجمہ قرآن، حدیث واصول حدیث، فقہ واصول فقہ، نحو وصرف، علم بلاغت، منطق وفلسفہ، تاریخ وتصوف، عقائد وادب اور تجوید جیسے علوم پڑھائے جاتے ہیں، ابتدائی چند کتابوں کو چھوڑ کا زیادہ تر کتابیں عربی ہی میں ہیں، وقت اور حالات کے ساتھ اس میں حذف واضافہ بھی ہوتا رہا، چوں کہ دار العلوم کے نصاب کا اصل مقصد قرآن وحدیث اور فقہ کی تعلیم ہے، لہذا تمام ہی تبدیلیاں اس کے پیش نظر رکھ کر کی جاتی ہیں، دوسرے علوم وفنون کی گنجائش اسی حد تک ہے جب تک قران وحدیث اور فقہ اور ان

کو پڑھنے اور سمجھنے میں جن جن علوم کی ضرورت ہے وہ تبدیلیاں ان علوم کی تدریس میں مخل نہ ہوں اور بنیادی مقصد کو متاثر نہ کریں۔

14.6.1 دار العلوم کے تعلیمی شعبہ جات

دار العلوم نے اسی نصاب کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مختلف درجات اور شعبے قائم کئے ہیں، جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

شعبہ عربی و تکمیلات: شعبہ عربی میں آٹھ سالہ کورس ہوتے ہیں، پہلا سال عربی اول اور آخری سال دورہ حدیث کا کہلاتا ہے، اس میں قرآن وحدیث، عربی زبان وادب، فقہ، اصول فقہ منطق، بلاغت، جیسے علوم کی تدریس ہوتی ہے، دورہ حدیث کی تکمیل اور امتحان میں کامیابی کے بعد طلبہ کو فاضل کی سند دی جاتی ہے، یہ سند ملک ہندستان کی بیشتر جامعات اور اسلامی ممالک کی متعدد جامعات میں انٹر اور بی اے کے برابر تسلیم کی جاتی ہیں۔

تکمیل تفسیر: یہ ایک طرح سے تخصص فی التفسیر کا درجہ ہے، اس میں دورہ حدیث سے فارغ ہونے والے منتخب طلبہ داخلہ پاتے ہیں، اس میں تفیسر ابن کثیر، تفسیر بیضاوی، مناہل العرفان اور اس طرح کی دیگر کتابوں کی تدریس ہوتی ہے۔

تخصص فی الحدیث: اس میں دورہ حدیث یا تکمیلات سے فارغ ہونے والے منتخب طلبہ کو داخلہ دیا جاتا ہے، اس میں علوم حدیث، اصول حدیث، فن تخریج جیسے علوم سے متعلق کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔

تکمیل افتاء: یہ شعبہ دار الافتاء کی نگرانی میں کام کرتا ہے، یہ ایک سالہ کورس ہے، اس میں بھی دورہ حدیث سے فارغ شدہ طلبہ ہی داخلہ کے اہل ہوتے ہیں، اس میں طلبہ کو فتوی نویسی، فقہ وافتاء کی اعلی کتابوں کی تعلیم ہوتی ہیں، اس سے فارغ ہونے والے والے طلبہ کو افتاء کی سند دی جاتی ہے اور وہ اسلامی تعلیمات کی روشنی نئے آنے والے مسائل کا حل پیش کرنے کے اہل ہوتے ہیں۔

تدریب فی الافتاء: یہ کورس تکمیل افتاء سے فارغ ہونے والے طلبہ کے لئے ہے، یہ دو سالہ کورس ہے، اس میں طلبہ کو فتوی نویسی کی مشق کرائی جاتی ہے اور اہم فقہی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، اس سے فارغ ہونے کے بعد طلبہ کو فقہ وفتوی کے میدان میں دسترس حاصل ہو جاتی ہے۔

تکمیل علوم: یہ ایک سالہ کورس ہے، دورہ حدیث سے فارغ ہونے والے منتخب طلبہ اس میں داخلہ کے لئے اہل ہوتے ہیں، یہ کورس طلبہ کو اسلامی علوم میں مزید ماہر بنانے کے لئے ہے، اس میں اہم اسلامی کتابیں مثلا "حجۃ اللہ البالغہ"، "مقدمہ ابن الصلاح"، تفسیر بیضاوی" وغیر جیسی اہم کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔

تکمیل ادب عربی: یہ ایک سالہ کورس ہے، دورہ حدیث سے فارغ ہونے والے وہ طلبہ جو مزید عربی زبان وادب میں مہارت حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ اس میں داخلہ لے سکتے ہیں، اس میں عربی انشاء پردازی، صحافت، عربی بول چال کی مشق کرائی جاتی ہے۔

تخصص فی الادب: اس میں تکمیل ادب سے فارغ ہونے والے طلبہ داخلہ کے اہل ہوتے ہیں، اس میں طلبہ عربی زبان وادب میں مہارت حاصل کرتے ہیں، یہ کورس دو سال پر مشتمل ہے۔

شعبہ انگریزی زبان وادب: یہ شعبہ 2002ء میں قائم ہوا، یہ دو سالہ کورس ہے، جو طلبہ دورہ حدیث سے فارغ ہو چکے ہیں وہ اس میں داخلہ لے سکتے ہیں، اس میں طلبہ کو انگلش گرامر، انگریزی، اردو اور عربی ترجمہ اور انگریزی بول چال کی مشق کرائی جاتی ہے، اس کا مقصد یہ ہے کہ طلبہ کو موجودہ دور میں انگریزی نہ جاننے کہ وجہ سے جن مشکلات کا سامنا ہوتا ہے ان کا مقابلہ کر سکیں اور اسلام کو پیش آنے والے نئے چیلنجز کا سامنا کرنے کے اہل ہوں۔

شعبہ کمپیوٹر: اس شعبہ کا قیام 1996ء میں عمل میں آیا، اس میں منتخب فاضل طلبہ کو داخلہ دیا جاتا ہے، اس میں ڈی ٹی پی (DTP) سے متعلق تمام ہی چیزیں سکھائی جاتی ہیں ساتھ ہی ساتھ انگریزی کی بھی تعلیم دی جاتی ہے، یہ ایک سالہ کورس ہے، سال کے آخر میں کامیاب ہونے والے طلبہ کو ڈپلومہ کی سند دی جاتی ہے، اس سے فارغ ہونے والے طلبہ اپنے روزگار کو بہتر طریقہ سے چلانے اور اچھی ملازمت کے لئے اہل ہو جاتے ہیں۔

شعبہ خوش خطی: اس میں دو درجہ ہیں، پہلے درجہ میں محض اچھی تحریر لکھنے کی مشق کرائی جاتی ہے، جب کہ دوسرے درجہ میں باقاعدہ فن کتابت کی تعلیم دی جاتی ہے، اس میں طلبہ کو وظائف بھی دئے جاتے ہیں، یہ ایک اختیار مضمون کے طور پر پڑھایا جاتا ہے، کورس پورا کرنے کے بعد طلبہ کو سند بھی دی جاتی ہے۔

شعبہ دار الصنائع: طلبہ علم کے ساتھ ساتھ کچھ ہنر بھی سیکھ سکیں تاکہ بوقت ضرورت یہ کام آسکے، اس مقصد کے تحت یہ شعبہ ۱۹۴۵ء میں قائم کیا گیا، اس میں خیاطی اور جلد سازی کی تعلیم دی جاتی ہے، طلبہ کرتا پاجامہ، صدری وشیروانی کی کٹنگ ایک سال میں سیکھ لیتے ہیں، کچھ طلبہ مستقل طور پر اس شعبہ میں داخلہ لیتے ہیں، جب کہ کچھ طلبہ دوسرے کورسز کے دوران اختیاری مضمون کے طور پر اس میں داخلہ لیتے ہیں۔

شعبہ تجوید وقرءات: اس میں قراءت وتجوید کی تعلیم دی جاتی ہے، اس کے مختلف کورسز ہیں، مثلا حفص اردو ایک سالہ، حفص عربی ایک سالہ، سبعہ ایک سالہ اور عشرہ ایک سالہ کورس ہوتا ہے، اس میں تجوید کی کتابیں اور قراءت کی مشق کرائی جاتی ہے، فضیلت کے بعد اس میں مستقل طور پر داخلہ بھی ہوتا ہے، اس کے علاوہ عربی کے طلبہ کو پارہ عم کی مشق بھی کرائی جاتی، یہ ایک لازمی پیپر ہوتا ہے جس کو پاس کرنا سبھی طلبہ کے لئے ضروری ہوتا ہے۔

شعبہ تحفیظ القرآن وناظرہ: اس میں چھوٹے بچوں کو باقاعدہ حفظ وناظرہ کی تعلیم دی جاتی ہے، اس میں صرف مقامی بچے یا جن کا کوئی مقامی سرپرست ہو وہی داخلہ لے سکتے ہیں۔

شعبہ دینیات وفارسی: یہ پرائمری درجات کی جگہ ہے، پہلے یہ دو الگ شعبہ تھے، اب دونوں کو ملا کر پانچ سالہ کورس بنایا گیا ہے، اس میں دینیات کے علاوہ تاریخ، جغرافیہ، حساب، ہندی اور انگریزی وغیرہ کی تعلیم دی جاتی ہے، یہاں سے پڑھنے کے بعد طالب علم کسی بھی نظام تعلیم میں بآسانی اپنی تعلیم جاری رکھ سکتا ہے۔

14.7 دارالعلوم کا مقصد اور اس کی خصوصیات

انگریزوں نے حکومت حاصل کرنے کے بعد تعلیم وتربیت کے نظام کو بھی تباہ کر دیا تھا، اور ایک ایسا نظام تعلیم جاری کر دیا تھا جس سے مسلمانوں کا شیر ازہ عملا بکھر رہا تھا، انگریزی تعلیم حاصل کرکے لوگ دین سے بے زار اور اسلامی عقائد سے منحرف ہو رہے تھے اور انگریزوں کے آلہ کار بن رہے تھے، لہذا ضرورت تھی ایک ایسی تحریک کی جو پورے ہندستان میں اسلامی تعلیم وتربیت کی نشر واشاعت، پوری ملت اسلامیہ ہند کی دینی قیادت اور ان کے ذہن وفکر کے اندر آزادی کی روح پھونک سکے، انھی مقاصد کے تحت دار العلوم دیوبند کا قیام ہوتا ہے، دار العلوم کو قائم کرنے کے بعد اکابر دیوبند نے باقاعدہ طور مدرسہ کے دستور اساسی میں ان مقاصد کو بھی درج کیا اور اسے مندرجہ ذیل طریقہ سے بیان کیا:

قرآن مجید، تفسیر، عقائد، حدیث، عقائد وکلام اور ان کے علوم کے متعلق ضروری اور مفید فنون آلیہ کی تعلیم دینا، اور مسلمانوں کو مکمل طور پر اسلامی معلومات بہم پونچانا، رشد وہدایت اور تبلیغ کے ذریعہ اسلام کی خدمت انجام دینا، ثانوی مرتبہ میں دیگر علوم فنون کی جو عربی زبان کی تحصیل یا مذہبی اغراض کی تکمیل کے لئے ضروری یا مفید ہوں، اسی طرح فارسی اور دیگر زبانوں کی بقدر ضرورت تعلیم دینا، دوسرے فنون وحروف کو بقدر ضرورت اسی حد تک اختیار کرنا کہ اصل مقصد تعلیم میں نقصان واقع نہ ہو، اور جنھیں اصل مقصد کے لئے معین ومفید سمجھا گیا ہو۔

اعمال واخلاق اسلامیہ کی تربیت اور طلبہ کی زندگی میں اسلامی روح پیدا کرنا۔

اسلام کی تبلیغ واشاعت اور دین کا تحفظ ودفاع اور اشاعت اسلام کی خدمت بذریعہ تحریر وتقریر بجالانا اور مسلمانوں میں تعلیم وتبلیغ کے ذریعہ سے خیر القرون اور سلف صالحین جیسے اخلاق واعمال اور جذبات پیدا کرنا۔

حکومت کے اثرات سے اجتناب واحتراز اور علم وفکر کی آزادی کو برقرار رکھنا۔

علوم دینیہ کی اشاعت کے لئے مختلف مقامات پر مدارس عربیہ قائم کرنا اور ان کا دار العلوم سے الحاق۔

دار العلوم دیوبند کے سابق مہتمم مولانا قاری محمد طیب نے دار العلوم کی خصوصیات کی تشریح مندرجہ ذیل الفاظ میں کی ہے:

اول مذہبیت: دار العلوم مذہبی قوت کا سرچشمہ ہے اور اول سے آخر تک اسلام کے دستور وآئین کا پابند ہے، یہی وجہ ہے کہ یہاں کا ہر فرد اسلام کا نمونہ کامل ہے۔

دوم آزادی: جس کے معنی یہ ہے کہ یہ دار العلوم مکمل طور پر بیرونی غلامی کے خلاف ہے، اس کا نظام تعلیم وتربیت، اس کا نظام مالیات اور اس کا نظام اجتماعی سراسر آزاد ہے، دنیا میں یہ پہلی جامعہ ہے جس کے سامنے حکومت نے بارہا پیش کش کی مگر اس نے لاکھوں روپئے کی پیش کش قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

سوم سادگی اور محنت پسندی: جس کا مفہوم یہ ہے کہ یہاں کے علماء اور فضلاء جہاد زندگی میں بڑی سے بڑی مصیبت برداشت کرنے

کے عادی ہیں۔

چہارم کردار وبلند اخلاق: جس کا مفہوم یہ ہے یہاں کے طلبہ اس کردار بلند کا نمونہ کامل ہیں جس کو انھوں نے اپنے اکابر سے پایا ہے، یہ کردار سراسر روحانی ہے۔

پنجم علمی اور تعلیمی وابستگی: یہ وہ خصوصیت ہے جسے دار العلوم دیکھنے والا اولین لمحات میں محسوس کرسکتا ہے، دار العلوم کی ہر خصوصیت کو زندگی کے آئینہ میں دیکھا جاسکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ دار العلوم دیوبند میں دنیا کے ہر حصے کے طلبہ موجود ہیں، دار العلوم کے اساتذہ بہترین اساتذہ ہیں، دار العلوم کے خدام ایثار و قربانی کا زندہ نمونہ ہیں۔

دار العلوم کی داغ بیل ان علماء ربانیین نے ڈالی جو سراپا خلوص وللّٰہیت تھے، ان کا دل و دماغ ملت اسلامیہ کے شاندار مستقبل کے لئے بے چین تھا، انہوں نے خود کو اشاعت دین اور ترویج علوم دینیہ کے لئے وقف کر دیا تھا، رب العالمین نے دار العلوم اور اس کی خدمت کو مقبولیت عطا فرمائی اور اس نے ملک اور بیرون ملک کی دینی، علمی، اخلاقی اور اصلاحی جو خدماتِ عظیم انجام دی ہیں وہ کبھی بھلائی نہیں جاسکتیں، یہاں سے ہزاروں علماء وصوفیاء، محدثین، فقہاء، مصنفین اور مبلغین پیدا ہوے اور وہ لوگ بھی پیدا ہوے جنھون نے ملک کی آزادی اور ترقی میں بے مثال قربانیاں پیش کیں۔

14.8 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- ہندستان میں مدارس کی تاریخ دور جدید سے نہیں شروع ہوتی، بلکہ مسلم حکمرانوں نے ہمیشہ تعلیم پر توجہ دی، علوم وفنون کی اشاعت کے لئے ہر دور میں مدارس قائم کئے، یہ مدارس طلبہ واساتذہ کے لئے ہر طرح کی سہولت بھی فراہم کرتے تھے، حکومت کی طرف سے طلبہ کے قیام وطعام کا باضابطہ انتظام ہوتا تھا، ان مدارس کی ایک بڑی تعداد ہے جو ہر شہر میں مسلم حکمرانوں اور امراء کے ذریعہ قائم کئے گئے، انگریزی حکومت کے قیام تک یہ تمام مدارس موجود تھے، انگریزی حکومت کے قائم ہونے کے بعد نظام تعلیم تبدیل ہوگیا، لہذا وہ مدارس جو حکومت کی سرپرستی میں دینی تعلیم کے درس وتدریس کا انتظام کرتے تھے وہ سب بند ہوگئے، حکومت نے اپنی سرپرستی بند کردی، بلکہ بہت سے مدارس کی عمارتیں بھی ختم کردی گئیں۔
- حکومت کے ذریعہ دینی تعلیم وتدریس کی سرپرستی بند کردینے کے بعد اب یہ ذمہ داری علماء اور اصحاب خیر کے کندھوں پر آگئی تھی، یہی وہ ذمہ داری کا احساس تھا جس کے تحت دیوبند میں چند علماء اور اصحاب خیر نے ایک چھوٹے سے مدرسہ کا قیام کیا، جو دھیرے دھیرے ایشیا کی عظیم درسگاہ دار العلوم دیوبند کی شکل اختیار کرگیا، یہاں پر تعلیم وتدریس کا ویسے ہی انتظام کیا گیا جیسا مسلم دور حکومت میں ہوتا تھا، لہذا یہاں بھی طلبہ کے لئے کسی فیس اور اجرت کے بغیر تعلیم وتربیت اور قیام اور طعام کا انتظام کیا جاتا ہے، دار العلوم کے درسِ نظامی میں وہ تمام اہم کتابیں شامل ہیں جن کو پڑھ کر طالبِ علم علمِ دین میں دسترس حاصل کرلیتا ہے، لہذا بعد میں قائم ہونے والے مدارس نے بھی اپنے نصاب میں اسی درس نظامی کو شامل کیا۔

- دار العلوم کا اپنا تدریسی نظام اپنے آپ میں خصوصی اہمیت کا حامل ہے، اس میں وہ تمام علوم وفنون کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں جن کو پڑھنے کے بعد طالب علم اپنی تمام ہی دینی ضرورتوں کو پورا کر سکتا ہے اور سماج میں پیدا ہونے والے مسائل کے سلسلے میں دین کا نقطہ نظر پیش کر سکتا ہے، ان تمام علوم کو مختلف درجات اور شعبوں میں تقسیم کیا ہے، آٹھ سالہ عربی کورس اور مزید مختلف علوم میں تخصص سے فراغت کے بعد طالب علم شرعی علوم میں درک اور ید طولی حاصل کر لیتا ہے۔
- دار العلوم ایک وسیع وعریض ادارہ ہے، اس کا رقبہ کافی وسیع ہے، مختلف علوم وفنون سے متعلق متعدد شعبہ جات قائم ہیں، یہاں ایک بڑی تعداد میں طلبہ ملک کے مختلف گوشوں سے حصول علم کے لئے آتے ہیں، مدرسہ نے طلبہ اور اساتذہ کی سبھی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے ہر طرح کی سہولیات فراہم کی ہیں، ان تمام امور کو بہتر طریقہ سے چلانے کے لئے دار العلوم نے بہت ہی عمدہ اور بہترین انتظام کئے ہیں، ہر کام سے متعلق علیحدہ شعبے قائم کئے ہیں، ہر شعبہ میں متعدد ملازمین ہیں جو بخوبی اپنی ذمہ داریوں کو انجام دے رہے ہیں۔

14.9 نمونہ امتحانی سوالات

14.9.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. مسجد فتح پوری کا مدرسہ کس کے دور میں قائم ہوا؟

(a). اکبر (b). جہاں گیر (c). شاہ جہاں (d). اورنگ زیب

2. فرنگی محل کا مدرسہ کس شہر میں قائم کیا گیا؟

(a). آگرہ (b). لکھنو (c). دہلی (d). کلکتہ

3. دیوبند کا پرانا نام کیا تھا

(a). دارابند (b). دیوبھومی (c). دیونگری (d). دیوی بن

4. دار العلوم کے سب سے پہلے مہتمم کون تھے؟

(a). حاجی عابد حسین (b). مولانا محمد قاسم نانوتوی (c). مولانا ذوالفقار علی (d). مولانا فضل الرحمان

5. دار العلوم دیوبند کے سب سے پہلے صدر مدرس کون تھے؟

6. (a). مولانا قاسم نانوتوی (b). مولانا حسین احمد مدنی (c). مولانا مہتاب علی (d). مولانا یعقوب نانوتوی

7. دار العلوم کا شعبہ عربی وتکمیلات کا کورس کتنے سالوں میں پر مشتمل ہوتا ہے؟

8.(a) 7.(b) 6.(c) 5.(d)

8. دار العلوم دیوبند میں رائج نصاب کو کیا نام دیا جاتا ہے؟

(a). درس نظامی (b). درس حدیث (c). علوم عربیہ (d). جدید نصاب

9. دار العلوم میں انگریزی زبان وادب کا شعبہ کب قائم ہوا؟

(a) 2003. (b) 2002. (c) 2001. (d) 2000.

10. دار العلوم کی نئی لائبریری کا کیا نام ہے؟

(a). محمود الحسن لائبریری (b). قاسم لائبریری (c). مدنی لائبریری (d). شیخ الہند لائبریری

11. دار العلوم کا سب سے بڑا عہدہ کیا ہے

(a). ناظم (b). صدر (c). شیخ الحدیث (d). مہتمم

14.9.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. سرزمین دیوبند کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ تحریر کیجئے
2. دار العلوم کی مجلس شوری کے بارے میں مختصرا تحریر کیجئے
3. قیام دار العلوم کا پس منظر بیان کیجئے۔
4. دار العلوم کا مقصد اور خصوصیات بیان کیجئے۔

14.9.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. قیام دار العلوم کے قیام کے اسباب اور ابتدائی حالات ذکر کیجئے
2. دار العلوم کے انتظامی امور کس طرح انجام دئے جاتے ہیں، بیان کیجئے؟
3. دار العلوم کے تعلیمی نظام پر گفتگو کیجئے

14.10 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. تاریخ دار العلوم دیوبند : سید محبوب رضوی
2. دار العلوم دیوبند جامع و مختصر تاریخ : ڈاکٹر مولانا محمد اللہ قاسمی
3. دار العلوم دیوبند اور حکیم الاسلام : محمد اسلام قاسمی
4. سوانح قاسمی جلد دوم : مولانا سید مناظر احسن گیلانی
5. تاریخ دار العلوم دیوبند : مولانا قاری محمد طیب صاحب

اکائی 15:   ندوۃ العلماء

اکائی کے اجزا:

15.0 تمہید

15.1 مقاصد

15.2 قیام ندوہ سے پہلے کا سیاسی منظر نامہ

15.3 ندوۃ العلماء

15.3.1 ندوۃ العلماء کے قیام کا پس منظر

15.3.2 اغراض و مقاصد

15.3.3 رائج نصاب تعلیم

15.3.4 تعارف ندوہ اور ملت کا رد عمل

15.3.5 لکھنو میں ندوۃ

15.3.6 نظام تعلیم

15.4 بانیان تحریک

15.5 اکتسابی نتائج

15.6 کلیدی الفاظ

15.7 نمونہ امتحانی سوالات

15.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

15.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

15.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

15.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

15.0 تمہید

انیسویں صدی عالم اسلام کے لیے سیاسی اور فکری زوال کی صدی ہے۔ ہندوستان میں بھی سلطنت مغلیہ اور مسلمانوں کے سیاسی اقتدار کا چراغ گل ہو چکا تھا اور انگریز اس پر قابض ہو چکے تھے۔ ایسے دور میں محمد علی مونگیری کی شخصیت نے جدید تقاضوں کو محسوس کیا اور اس کے لیے بے چین ہوئے۔ آپ نے دینی تعلیمی تحریک کی بنیاد ڈالی اور ندوۃ العلماء کا تخیل پیش کیا۔۔ ندوہ کی تحریک ملکی معاملات اور سیاست سے جدا ہو کر خالص علمی اور اصلاحی تحریک تھی۔ جس کا مقصد تھا کہ قدیم دینی نصاب اور نظام تعلیم کی کمیوں کو دور کرنا، اس کے علاوہ دینی علوم کی ترقی اور علماء کے مابین لڑائی جھگڑے کا خاتمہ، مختلف فیہ مسئلوں پر طبع آزمائی کے بجائے اصولی مسائل کی طرف توجہ مبذول کرنا۔ یہ تحریک 1892 میں شروع ہوئی اور 1898 میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کی بنیاد لکھنو میں رکھی گئی۔

15.1 مقاصد

اس اکائی کا بنیادی مقصد آپ کو اس بات سے واقف کرانا ہے کہ اس وقت ہندوستان اور مسلمانوں کے سیاسی و معاشی حالات کیا تھے۔ اس تحریک کے مقاصد اور اس کے روح رواں کون لوگ تھے، اس تحریک کا مقصد کیا تھا اس کے ساتھ ساتھ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے قیام اور اس کے نظام تعلیم سے آگاہی حاصل کر سکیں۔

15.2 قیام ندوہ سے پہلے کا سیاسی منظر نامہ

1857ء کی بغاوت کے بعد اس کا سب سے زیادہ نقصان مسلمانوں کو اٹھانا پڑا۔ انگریز حکومت کے ذمہ دار و سیاست دانوں نے اس کا بخوبی اندازہ لگا لیا تھا کہ اس بغاوت کے پیچھے مسلمانوں کا ہاتھ ہے اور وہ ہی اس کے ذمہ دار ہیں۔ اس جنگ میں مسلمان و ہندو دونوں شریک تھے لیکن قیادت اور رہنمائی زیادہ تر مسلمانوں نے کی اسی وجہ سے مسلمانوں کو زیادہ خمیازہ بھگتنا پڑا۔ مرکزی حیثیت میں جو مسلمان تھے ان کو الگ کیا گیا، معاش کی مشقتوں میں الجھایا گیا، ان کی جائداد اور اوقاف کو غصب کر لیا گیا۔ انہی جائدادوں اور اوقاف سے مسلمانوں کے مدارس اور تعلیمی ادارے رواں دواں تھے۔ ایسے تعلیمی اداروں کا قیام کیا گیا جس سے مسلمان خاطر خواہ استفادہ نہ کر سکیں۔ مسلمانوں کی حالت یہ تھی کہ معمولی الزام یا شبہ میں ان کو قتل کر دیا جاتا یا سخت سزاؤں سے دوچار ہونا پڑتا۔ سرکاری نوکریوں کے دروازے بند کر دیے گیے۔ مسلمانوں کی حالت دن بہ دن خستہ ہوتی چلی جا رہی تھی۔ مسلمانوں کا زیادہ تر وقت اپنا دفاع اور اپنے اوپر لگے الزامات کی صفائی دینے میں گزر رہا تھا۔ اس کی فرصت ہی نہ تھی کہ وہ قومی سیاست یا قوم میں بیداری پیدا کرنے کے لیے کوئی لائحہ عمل تیار کر سکیں۔ انگریز سرکار سے پہلے تک تعلیم مفت دی جاتی تھی جس کے اخراجات بادشاہ، امرا اور دولت مند لوگ برداشت کرتے تھے اور اس کے لیے ان لوگوں نے بڑی بڑی جائدادیں وقف کر رکھیں تھیں۔ مغل حکومت کے خاتمے کے بعد انگریزوں نے حکومت کی سرکاری زبان انگریزی قرار دی اور عربی و فارسی کے مدرسوں کو بند کر دیا، اسکولوں اور کالجوں کے نصاب میں تبدیلی کی گئی۔ تعلیمی نظام کے تباہی کی وجہ سے ملک میں جہالت کا روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔

اسی کے ساتھ ایک مصیبت یہ بھی تھی کہ یورپین قوم نے جب دوسرے ممالک میں اپنے پیر جمانا شروع کیے تو عیسائی پادریوں کو بھی اپنے مذہب کو فروغ دینے کی خواہش پیدا ہوئی۔ جس ملک میں بھی انگریزوں کے قدم مضبوط ہوتے وہاں عیسائی مبلغین پہنچ کر اپنے مذہب کی تبلیغ کرنے لگتے۔ ہندوستان پر قبضہ حاصل کرنے کے بعد یورپ و امریکہ سے عیسائی اداروں سے پادریوں کی ایک اچھی تعداد ہندوستان آئی اور ان لوگوں نے آپسی اتفاق سے ہندوستان کے علاقوں کو اپنی اشاعت کے لیے بانٹ لیا۔ غرض ان لوگوں نے ہندوستان کے تقریباً ہر گاؤں یا قصبہ میں اپنے مشن کو فروغ دینے کے لیے پادریوں کو روانہ کیا۔ عیسائیت کی ترویج واشاعت میں حکومت نے بڑی سرگرمی اور جوش دکھایا۔ حکومتی پشت پناہی کی وجہ سے مغربی تہذیب کو عوام میں قبولیت حاصل ہوتی رہی۔ ان کے بڑھتے ہوئے اثرات سے مسلمانوں نے اقدامی کوشش کے بجائے دفاع کرنا مناسب سمجھا۔ وہ اس بات کے لیے سرگرداں ہوئے کہ کس طرح سے مسلمانوں کے اندر دینی جذبہ، اسلامی روح اور تہذیب کے جو نشان باقی رہ گیے ہیں ان کو محفوظ کیا جائے۔

15.3 ندوۃ العلماء

15.3.1 ندوۃ العلماء کے قیام کا پس منظر

اوپر آپ نے ہندوستان کے مسلمانوں کی سیاسی و معاشی صورت حال کے بارے میں مختصراً پڑھا۔ 1857ء کی تحریک کے ناکام ہونے کے بعد انگریزوں کا غصہ پورے طور پر مسلمانوں پر تھا جس کی وجہ سے انہوں نے مسلمانوں سے بدلا لینا شروع کر دیا۔ ان حالات میں دو تحریکیں وجود میں آئیں۔ ایک تحریک کی قیادت مولانا محمد قاسم نانا توی نے کی اور دارالعلوم دیوبند کا قیام 1866ء عمل میں آیا۔ دوسری تحریک کی بنیاد سرسید اور ان کے رفقا نے 1877ء میں ایم۔اے۔او کالج کی بنیاد ڈالی۔ پہلی تحریک خالص دینی تھی جس کے حامی علمائے دین تھے جب کہ دوسری تحریک میں سرسید احمد خان اور نئے مکتب فکر کی سوچ کے حامل افراد تھے۔ دینی قیادت کے افراد نے دین کے سرمایے کی حفاظت اور مسلمانوں کے دینی تشخص کو بچانے کے لیے دینی مدارس کے قیام کو ضروری سمجھا تاکہ مسلمان سیاسی خستہ حالی کے بعد کم سے کم اخلاقی و دینی زوال کے شکار نہ ہوں۔ ان مدارس سے ایسے لوگ تیار کیے جائیں جو اسلامی شریعت کے واقف کار ہوں اور اپنی شناخت کے ضامن ہو سکیں۔ مولانا قاسم نانا توی اور سرسید احمد خاں میں بہت سی باتیں مشترک تھیں۔ دونوں لوگ ایک ہی استاد کی شاگرد تھے اور دونوں کا مقصد بھی ایک تھا۔ دونوں لوگوں نے امت مسلمہ کی اصلاح کی ذمہ داری اٹھائی۔ دونوں لوگ مسلم سماج کی صورت حال دیکھ کر بے چین ہوتے لیکن دونوں کے نظریات اور طریق کار میں بڑا اختلاف تھا۔ مولانا قاسم مسلم معاشرے کی اصلاح کے لیے مذہبی تعلیم پر زور دے رہے تھے چنانچہ دارالعلوم دیوبند نے خالص مذہبی تعلیم کے ذریعے اس تحریک کو فروغ دیا اور حکومت کے ساتھ عدم تعاون کی حکمت عملی پر کاربند رہے۔ اس کے برعکس علی گڑھ نے مغربی تعلیم اور دینیات کے اشتراک سے اس مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اس کے علاوہ حکومت وقت سے اتحاد اور تعاون کی پالیسی پر عمل پیرا رہے۔ نظریات میں فرق اور طریق کار الگ ہونے کے باوجود دونوں نے ملک اور مسلم سماج کی بیش بہا خدمات انجام دیں۔

یہ دونوں تحریکیں ہندوستان میں بڑی شان وشوکت کے ساتھ اپنی خدمات انجام دے رہی تھیں لیکن ان دونوں تحریکوں میں فکری اختلاف تھا اور دونوں کے کارکن ایک دوسرے کے سامنے صف آرا تھے کیوں کہ ایک تحریک (علی گڑھ) جو نئے علوم کا حصول، مذہب کی عقل سے تفہیم، سماجی اصلاح کے لیے کوشاں تھی تو دوسری طرف وہ تحریک (دارالعلوم دیوبند) جو اسلامی پہچان اور اسلام کی بقا کے لیے وجود میں آئی تھی۔ غرض مسلم معاشرہ دو طبقوں میں تقسیم ہو چکا تھا ایک طرف عالم دین جو مدارس سے فراغت حاصل کر رہے تھے تو دوسری طرف یونیورسٹی اور کالجوں کے لوگ تھے۔ ان دونوں طبقوں کے درمیان اجنبیت اور ناشناسائی تھی اسی وجہ سے ان دونوں کے درمیان مسافت بڑھتی گئی۔ وقت نے معاشرے کو ایسے موڑ پر لا کھڑا کر دیا تھا کہ مختلف مسلک اور فرقے ایک دوسرے کو کم تر دکھانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ یہ وہ دور تھا کہ مسلمان آپس میں ہی لڑ رہے تھے، اپنے ہی لوگوں کو اور اسلام کے ماننے والوں کو نیچا دکھا رہے تھے ۔ ایک دوسرے کو لعن طعن کر رہے تھے۔ اس صدی میں تقریباً پوری اسلامی دنیا کی یہی کیفیت تھی۔ مناظروں کا بازار گرم تھا اور تضحیک سے بات بڑھ کر مقدمہ اور فوج داری تک پہنچ چکی تھی۔

دوسری طرف مغربی تہذیب بزرگوں کی روایت کو کچل رہی تھی۔ برطانوی حکومت ملک پر دن بہ دن اپنا شکنجہ مضبوط کرتی جا رہی تھی۔ عیسائی مناظر بھی اپنے دست کو وسعت دے رہے تھے اور اسلام و اسلامی تعلیمات کے خلاف اپنی فکر کی ترویج منصوبہ بند طریقے سے کر رہے تھے لیکن مسلمان فکری طور پر ایک دوسرے کو ناتواں اور برباد کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ مقلدین اور غیر مقلدین کی کشمکش میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔ اس دور میں ہندوستان کے مقتدر شخصیات پر کفر کے فتوے بھی لگائے گئے غرض ملت اسلامیہ کا شیرازہ پوری طرح بکھر چکا تھا۔ اس کے علاوہ قدیم وجدید کی کھینچا تانی بھی عروج پر تھی۔ انیسویں صدی کے اواخر میں جب مغربی تہذیب چاق و چوبند نظر آ رہی تھی اور مشرقی تہذیب تنزلی کی طرف تھی۔ ان دونوں تہذیبوں کے درمیان کی کشمکش بھی اپنے عروج پر تھی۔ جس کے سیاسی، معاشی و تہذیبی پہلو بھی تھے۔ اس صدی میں متعدد تحریکیں منظر عام پر آئیں اور اپنے دائرے میں اسلام اور مسلمانوں کی قابل قدر خدمات انجام دیں۔

دیوبند کے قائم ہوئے 26 سال کا عرصہ گزر چکا تھا اور ایم۔ اے۔ او۔ کالج علی گڑھ کے اٹھارہ سال ہونے کو تھے۔ ایسے پر فتن دور میں مولانا سید علی مونگیری نے ان دونوں طبقوں (دارالعلوم دیوبند، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) کے درمیان ایک پل بنانے کا ارادہ کیا جہاں بغیر مترجم کے ان دونوں طبقوں میں افہام و تفہیم ممکن ہو۔ اس تحریک کو لے کر 1892ء میں مدرسہ فیض عام کانپور کے جلسہ دستار بندی کے وقت ندوۃ العلماء کا خیال علماء کے سامنے پیش کیا۔ درد مند حضرات نے اس پیش کش کو قبول کیا اور یہ طے پایا کہ علما کی ایک مستقل انجمن قائم کی جائے اور اگلے سال اس کے جلسے کا اہتمام کیا جائے جس میں ہندوستان کے جید علمائے کرام کو دعوت دی جائے کہ وہ اس میں شریک ہوں۔ دو سال بعد 1894ء کو پھر سے فیض عام کی دستار بندی کے ساتھ ندوۃ العلماء کا پہلا اجلاس بڑے جاہ و حشم کے ساتھ منعقد ہوا۔ اس موقع پر ملک کے درد مند حضرات ایک ساتھ بیٹھے، اس میٹنگ میں ماہرین تعلیم کے سبھی افراد کو دعوت دی گئی۔ یہ لوگ کسی ایک طبقے سے تعلق نہ رکھتے تھے بلکہ مختلف مکاتب فکر سے جڑے ہوئے تھے۔ یہ سبھی لوگ معاشرے کی دن بہ دن تنزلی کو لے کر بے چین تھے اور خواہش مند تھے کہ صورت حال بدلنی چاہیے۔ اس میں متفقہ رائے سے قرار داد منظور کی گئیں اور اس قرار داد میں "ندوۃ العلماء" نام کا

انتخاب کیا گیا۔ اس کی بنیاد یہ طے کی گئی کہ مسلمانوں کا باہمی اتحاد، اسلامی اصول اور شریعت اسلامی کو مد نظر رکھ دینی نصاب علوم میں ممکن تبدیلیاں جو حالات حاضرہ کی ضرورتوں کو پورا کر سکیں۔ اس انجمن سے ایسے علماء تیار کیے جائیں جو قدیم وجدید دونوں طبقوں کی رہنمائی کر سکیں اور امت مسلمہ کی دینی، فکری وعلمی قیادت کی اس خلا کو پُر کر سکیں جو زمانہ دراز سے خالی چلی آرہی ہیں۔ اس کے پہلے ناظم مولانا سید علی مونگیری منتخب ہوئے۔

1894ء میں جس تحریک کا عملاً آغاز ہوا تھا وہ اپنے اصلاحی و تعمیری منزل کی طرف رواں دواں تھی۔ اس تحریک کے سالانہ اجلاس پابندی کے ساتھ ہندوستان کے مرکزی شہروں میں ہوتے رہے اور اس کی شہرت پورے ملک میں ہوتی رہی۔ اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کا کام 1898ء میں لکھنو میں "دارالعلوم ندوۃ العلماء" سے شروع کیا گیا۔ اس تحریک سے ایک سے بڑھ کر ایک حضرات منصہ شہود پر آئے اور ان لوگوں نے ندوہ کے نام کو بلندیوں پر پہنچایا اور دنیا کو متعارف کرایا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ یہاں کے فضلاء کو دینی ودنیاوی دونوں جماعتوں کی تائید حاصل تھی۔

15.3.2 اغراض ومقاصد

شروعات میں اس تحریک کے روبرو دو مقاصد تھے:

1. علوم اسلامیہ کے نصاب درس میں دوررس اور بنیادی اصلاحات اور نئے نصاب کی تیاری۔
2. رفع نزاع باہمی یعنی اتحاد ملی اور اخوت اسلامی کے جذبات کو فروغ دینا۔

اس تحریک کے قدم جیسے جیسے آگے بڑھتے گیے، تحریک نے دائرہ کار اور مقاصد کو وسیع کیا تو چار درج ذیل مقاصد مزید طے پائے۔

1. علوم اسلامیہ کے نصاب درس میں دوررس اور بنیادی اصلاحات اور نئے نصاب کی تیاری۔
2. ایسے علما پیدا کرنا جو کتاب وسنت کے وسیع وعمیق علم کے ساتھ جدید خیالات سے بخوبی واقف اور زمانہ کے نبض شناس ہوں۔
3. اتحاد ملی اور اخوت اسلامی کے جذبات کو فروغ دینا۔
4. اسلامی تعلیمات کی اشاعت بالخصوص برادران وطن کو اس کی خوبیوں سے روشناس کرانا۔ (تاریخ ندوۃ: ص55-56)

تحریک ندوۃ العلماء میں شامل ہوئے لوگ اس بات کا اندازہ کر چکے تھے کہ نہ مشرق کی ہر چیز کو پسند کرنا اور نہ مغرب کی ہر چیز سے نفرت کرنا اسلام کا تقاضہ ہے۔ بلکہ پرانی اور نئی فکر کی آمیزش وقت کی اہم ضرورت ہے۔ ندوۃ العلمانے جسمانی وروحانی علاج کو سمجھا اور اس بات پر غور وخوض کیا کہ مسلمانوں کی تنزلی اور گمراہی کے کیا اسباب ہیں۔ خلاصہ یہ نکلا کہ مسلمانوں کی بربادی کا اصل سبب تعلیم سے قطع تعلقی ہے۔ رائج طریقۂ تعلیم سے اس لیے منھ موڑ لیا کہ یہ وقت کی ضرورتوں کو پورا نہیں کر رہا ہے اور انگریزی علوم سے اس لیے بے اعتنائی برتی گئی کہ اس سے مذہب خطرے میں پڑ سکتا ہے۔

15.3.3 رائج نصاب تعلیم

ندوہ کے قائم ہونے سے پہلے جتنے بھی مدارس تھے، ان کے یہاں نصاب تعلیم میں معقولات (حکمت، فلسفہ اور منطق کا علوم) پر

بہت زیادہ توجہ دی جاتی تھی۔ استاد اور طالب علم کا بیش قیمتی وقت اس پر بہت زیادہ خرچ ہوتا تھا اس کے بالمقابل قرآن، حدیث و فقہ پر اتنی توجہ نہیں دی جاتی تھی۔ تہذیب وتمدن کے بدلاؤ سے ان مدارس کی حیثیت کمزور ہو چکی تھی جو موجود تھے، جدید افکار و نظریات کی تبدیلی سے ان کی واقفیت نہ تھی۔ اسحاق جلیس ندوی نے اپنی کتاب تاریخ ندوہ میں اس وقت کے نصاب تعلیم کا مجملاً خاکہ کھینچا ہے۔

1. اس نصاب میں قوت مطالعہ کا زیادہ خیال رکھا گیا ہے اور تحصیل فن کی طرف توجہ کم کی گئی ہے، یہی وجہ ہے کہ طلبا میں ضرورت سے زیادہ احتمال آفرینی پیدا ہو جاتی ہے لیکن کسی فن میں کمال حاصل نہیں ہوتا۔
2. منطق کی کتابیں ضرورت سے بہت زیادہ ہو گئی ہیں، شروع سے لیجیے تو پندرہ کتابیں صرف منطق کی اس نصاب میں ہیں۔ صغریٰ کبریٰ، ایساغوجی، قال اقول، میزان منطق وغیرہ۔
3. منطق کی پندرہ کتابیں نصاب درس میں ہیں اور تفسیر کی صرف دو کتابیں بیضاوی اور جلالین۔ بیضاوی کے صرف ڈھائی پارے پڑھائے جاتے ہیں اور جلالین پوری پڑھائی جاتی ہے لیکن اس کے اختصار کا حال یہ ہے کہ اس کے الفاظ وحروف قرآن مجید کے الفاظ وحروف کے برابر ہیں۔
4. حدیث و تفسیر کو ادب و عربیت سے مدد حاصل ہوتی ہے اس کا حصہ بہت کم ہے، بلاغت میں صرف دو کتابیں درس میں ہیں، مختصر و مطول۔ مختصر پوری پڑھائی جاتی ہے اور مطول چوتھائی سے بھی کم۔
5. منطق کی کتابیں جو درس میں داخل ہیں ان میں خلط مبحث بہت ہے ملا حسن، حمد اللہ اور قاضی ہیں تو منطق، لیکن ان میں منطق کے جس قدر مسائل ہیں اس سے کہیں زیادہ امور عامہ اور فلسفہ کے مسائل ہیں، جعل بسیط اور جعل مرکب، علم باری، کلی طبعی کا وجود فی الخارج وغیرہ ایسے اہم مسائل ہیں جن میں مصروف ہو کر طالب علم کو منطق کے خاص مسائل کی طرف بہت کم توجہ ہو سکتی ہے۔
6. اس نصاب میں تاریخ، جغرافیہ، علم اعجاز القرآن اور ضروری علوم بالکل نہیں۔(ص66-67)

اس وقت تک مدارس میں درس نظامی یا درس نظامی کی بگڑی ہوئی صورت کا نصاب تعلیم رائج تھا لیکن اس میں ایک مدت سے کوئی تبدیلی نہیں کی گئی تھی اور جو تبدیلیاں ہوئیں بھی تو بغیر غور وفکر کے اس کتاب کو شامل نصاب کر لیا گیا جو شروح وحواشی پر مبنی تھی۔

1894ء کے جلسے میں ملک کے بڑے علمائے کرام کی موجودگی میں ایک دستور العمل منظور کیا گیا اور اس میں چار تجاویز پاس ہوئیں۔

1- موجودہ طریقہ تعلیم قابل اصلاح ہے۔

2- مدارس اسلامیہ کے مہتمم ہر سال ندوہ کے اجلاس میں شریک ہوں۔

3- مدارس اسلامیہ جو کثرت سے ملک کے مختلف حصوں میں قائم ہیں ان میں موافقت قائم کی جائے اور ہندوستان کے دو تین بڑے مدارس کو مرکز بنا کر چھوٹے مدرسوں کا اس سے الحاق کر دیا جائے۔

4- مدرسہ فیض عام کی ترقی اور مالی تعاون کے سلسلے میں تھی۔

نصاب کی اصلاح سے متعلق سبھی لوگوں کی رائے لی گئی جس میں ملک کے تقریباً سبھی مسالک کے علمائے کرام کو شامل کیا گیا اور کثرت رائے سے نصاب میں تبدیلی کو منظور کیا گیا جس کے لیے بارہ علما کی ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جو رائج نصاب اور طریقہ تعلیم و تدریس پر غور و خوض کر کے سفارشات پیش کریں۔

ندوہ کے بانیوں نے نصاب تعلیم کی ان کمزوریوں کو مد نظر رکھا اور حالات کے تناظر میں ایسا نصاب بنانے کی کوشش کی جو تربیت و معاشرت کے اعلیٰ معیار کو قائم رکھ سکیں۔ اس کے لیے تجاویز پیش کی گئیں اور اس کا مقصد واضح کیا گیا کہ ہمارے تعلیم یافتہ طالب علم مہذب اور پابند شریعت ہوں اور دوسروں پر اپنا اثر پیدا کر سکیں۔ طالب علموں میں بہادری و بے خوفی پیدا ہو اور دینی علوم بالخصوص علم کلام میں مہارت حاصل ہو۔ جو کہ وقت کی ضرورت ہے تا کہ لامذہبیت اور خدا کا انکار کرنے والی جماعت سے پوری قوت کے ساتھ مقابلہ کیا جا سکے۔ اس کے ساتھ طلبہ گھوڑ سواری، بندوق چلانا، تیراکی اور دوسری جسمانی ورزش میں حصہ لیں۔ حلال رزق کے لیے طلبہ کو کوئی ہنر سکھایا جائے جس کا انتخاب طلبہ کے میلان اور ان کے تعلق پر ہو گا۔ ایک ماہ میں دو یا تین بار طلبہ علمی و اخلاقی مضمون پر گروپ ڈسکشن کریں اور اس کے لیے ایک مخصوص کمرہ ہو گا۔ اس کے ساتھ جدید اسالیب تعلیم و تربیت پر بھی زور دیا گیا ہے۔ غرض ندوہ نے شروعاتی دنوں سے ہی اپنے مقاصد میں درس و طریقہ تربیت میں تبدیلی کر کے نصاب تعلیم کی اصلاح کر کے اس کمی کو پورا کر دیا۔ ندوہ کے قائم ہونے کا مقصد جہاں نصاب کی اصلاح اور آپسی کشمکش کو ختم کرنا تھا وہیں علماء کی ایسی ٹیم بھی تیار کرنا تھا جن کے خیالات میں وسعت پائی جاتی ہو اور زمانے کی رفتار سے بھی واقف ہوں اور جدید و قدیم دونوں علوم پر اچھی نظر رکھتے ہوں۔ دونوں طبقوں کے لوگوں نے ان کوششوں کو سراہا اور خیر مقدم کیا۔

15.3.4 تعارف ندوہ اور ملت کا رد عمل

مولانا سید علی مونگیری نے ناظم بننے کے بعد مولانا مشتاق علی کو ذمہ داری سونپی کہ وہ ہندوستان میں ندوہ کا تعارف کرائیں۔ آپ نے بڑی خوش اسلوبی سے اس ذمہ داری کو پورا کیا۔ اس کے لیے انہوں نے ہندوستان کے مختلف علاقوں کا دورہ کیا اس کے علاوہ جدہ، مکہ و مدینہ منورہ کا بھی دورہ کیا۔ عوام و خواص دونوں حلقوں میں اس تحریک کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی اور لوگوں نے ہاتھوں ہاتھ ندوہ کے وفد کو لیا۔ غرض ملک کے سبھی مختلف المسالک و مکاتب فکر کے اشخاص نے جس جوش و جذبے سے اس تحریک کا استقبال کیا اس کی مثال ہندوستان میں شاذ ہی ملتی ہے۔ یہ آواز اس شخص کے دل کی دھڑکن بن گئی جو ملت کی خستہ حالی پر فکر و تذبذب میں مبتلا تھا۔ اس تحریک کی صدا نے ہندوستانی مسلمان کے اندر ایک نئی جان ڈال دی اور سماجی، تعلیمی اور فکری حالت میں ایک نئی شمع نظر آئی۔ بعد میں پھر کئی بڑے علمائے کرام نے اس میں شرکت کی اور اس تحریک کو پھیلانے میں اہم کردار ادا کیا۔ مثلاً شاہ سلیمان پھلواریؒ، مولانا حبیب الرحمن خاں شیروانی، مولانا عبدالحکیم صاحب حسنیؒ اور مولانا شبلی وغیرہ۔

15.3.5 لکھنو میں ندوۃ

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے قیام پر مختلف لوگوں نے مختلف رائیں دی کہ وہ کس جگہ اور کہاں ہو۔ جو شخص جس شہر کو بہتر سمجھتا اس کے حق میں رائے دیتا اور اس شہر کے متعلق علمی مناسبت بھی شمار کرواتا، اس کے فوائد سے بھی آگاہ کرتا۔ اس بابت مولانا شاہ محمد سلیمان پھلواری نے فرمایا:

لکھنو میں فائدہ ہے۔ اس وقت مولانا عبدالحق نے دہلی کے جو فضائل بیان کیے ہیں، ان کا میں منکر نہیں ہوں، درحقیقت دہلی فیض کا سرچشمہ ہے اور بزرگان اولیائے کرام کے فیوض ظاہری و باطنی کا سب سے زیادہ میں معترف ہوں، مگر بات یہ ہے کہ دارالعلوم کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہے وہ وہاں نہیں ہے، دارالعلوم ایسے مقام پر ہونا چاہیے، جہاں کے لوگوں کو علم و فضل سے دلچسپی ہو اور وہاں کی آب و ہوا اچھی ہو، حفظ و صحت کا لحاظ بہت ضروری ہے اور دہلی کی آب و ہوا اچھی نہیں ہے، اس لیے لکھنو میں دارالعلوم قائم ہونا چاہیے، لکھنو میں قائم ہونے سے ایک فائدہ عظیم یہ ہوگا کہ اس کے نواح میں رؤسا کثرت سے ہیں، وہ اس میں بہت مدد دیں گے"۔ ص194

غرض لکھنو اور دہلی کے بارے میں ایک عرصے تک بحث و مباحثہ ہوتا رہا، ظاہر ہے دہلی شہر کی فضیلت ہر لحاظ سے اپنی جگہ مسلم تھی۔ بالآخر یہ طے پایا کہ کثرت رائے سے اس پر فیصلہ کیا جائے۔ چنانچہ سبھی لوگوں سے اس پر رائے لی گئی اور زیادہ تر لوگوں نے لکھنو کے حق میں فیصلہ کیا۔

فیصلہ ہونے کے بعد یہ قرار پایا کہ دارالعلوم کے ابتدائی درجات کا فوراً آغاز کر دیا جائے۔ غرض اس کام کے لیے مولانا علیؒ چند اشخاص کے ساتھ لکھنو پہنچے، ان لوگوں کا استقبال کرنے کے لیے منشی احتشام علی رئیس کاکوروی پہلے سے حاضر تھے۔ مولانا علیؒ اور ان کے ساتھیوں نے لکھنو آنے کی وجہ بتائی۔ منشی احتشام نے بڑی فراخ دلی سے اپنی دو جگہ کی زمین کی پیش کش کی۔ عصر کے بعد یہ لوگ زمین دیکھنے گیے اور بر ورہ حسن باڑی والے حصے کو منتخب کیا۔ منشی صاحب نے بخوشی اس کو دارالعلوم کی نذر کر دیا۔ جب تک دارالعلوم کی اپنی کوئی بلڈنگ نہیں بن جاتی اس وقت تک کے لیے منشی احتشام صاحب نے محلہ گولہ گنج میں خاتون منزل نامی بلڈنگ کو خرید کر ندوہ کے سپرد کر دیا۔ اس عمارت میں دارالعلوم کا عملی طور پر آغاز ہوا۔ 1897ء تک ندوہ کا مرکزی دفتر کانپور ہی میں تھا لیکن اس فیصلے کے بعد 2 ستمبر 1898ء کو لکھنو منتقل ہو گیا۔ 4/ اکتوبر 1898ء کو اس کی افتتاحی تقریب رکھی گئی۔ جس میں اہل علم اور معزز افراد نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ مولانا حفیظ اللہ دارالعلوم کے پہلے مہتمم قرار دیے گئے۔ جس منصوبے کے تحت اس ادارے کا قیام وجود میں آیا تھا اس کے لیے ایک کثیر سرمائے کی ضرورت تھی۔ جس کے لیے ملک بھر میں چندے کی مہم شروع کی گئی اور لوگوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء، دارالافتاء اور اسلام کی اشاعت کا خرچ تقریباً دس سے بارہ لاکھ کا تخمینہ لگایا گیا اس کو کس طرح حاصل کیا جائے اس پر عمل درآمد کے لیے تجاویز پیش کی گئیں۔

1. ہندوستان کے چھ کروڑ مسلمانوں سے چار کروڑ مسلمانوں سے فی کس چار آنے وصول کیے جائیں تو ایک کروڑ روپیہ وصول ہو سکتا ہے۔

2. ہر شخص اپنے اوپر لازم کرلے کہ جس وقت وہ اپنی ضرورت سے روپیہ خوردہ کرائے تو ایک پیسہ اس کام کے لیے علاحدہ کرے۔
3. برادری میں اس بات پر عہد ہو جائے کہ تقریبات شادی، ختنہ، عقیقہ اور نکاح وغیرہ کے موقع پر اس اہم دینی کام کے لیے معتد بہ رقم دی جائے۔
4. اپنی پہلی تنخواہ یا اس کا ایک حصہ ندوے کے لیے نکالیں، جیسا کہ میرٹھ کے عالی ہمتوں نے کیا ہے۔
5. سوداگر اور ٹھیکیدار اپنے نفع میں سے ایک قلیل مقدار اس مذہبی خدمت کے لیے جدا کرتے جائیں۔
6. مسجدوں اور عام نشست گاہوں میں مقفل امدادی صندوق رکھے جائیں۔
7. لاولد مالدار مسلمان اپنی جائداد اور دیگر اموال ایسے کاموں کے لیے وقف کر دیں۔(ص196-197)

15.3.6 نظام تعلیم

جس مقصد کے تحت اس ادارے کا قیام وجود میں آیا اس کو حاصل کرنے کے لیے تین حصے کیے گئے۔ اول: درجہ ادنی، دوم: درجہ متوسط، سوم: درجہ اعلیٰ۔

درجہ ادنی

اس کی مدت خواندگی تین سال رکھی گئی ہے اور اس کے نصاب میں اس بات کو ملحوظ رکھا گیا ہے کہ علوم عربیہ اور دینیات میں بقدر ضرورت طلبا کو دسترس حاصل ہو جائے۔ مقصود یہ ہے کہ طالب علم عربی سے اس طرح واقف ہو جائے کہ جب چاہے اس میں مہارت حاصل کر سکے۔ اس کے علاوہ قرآن، حدیث، فقہ اور عقائد سے بھی شناسائی ہو جائے۔

درجہ متوسط

اس کی مدت خواندگی 5 سال ہے۔ اس میں وہ لوگ جو علوم متداولہ میں مہارت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ یہاں سے فارغ ہونے پر طالب علم کو ہر علم میں صلاحیت پیدا ہو جائے گی اور وہ جس میدان میں چاہے کمال حاصل کر سکے گا۔ یہ نہ ہو کہ طلبہ متنبی اور حریری کو پڑھ لیں لیکن دو لائن عربی کی نہ لکھ سکیں، اگر لکھنا آجائے تو پانچ منٹ عربی میں بات چیت نہ کر سکیں۔ ان سب کے باوجود قرآن کو تجوید سے نہ پڑھ سکیں بلکہ قرآن مجید اور حدیث پر بہت زیادہ توجہ دی جائے۔

درجہ اعلیٰ

اس کی مدت دو سال ہے۔ اس کا مقصد صرف قوت قریبہ اور مہارت پیدا کرنا نہیں ہے بلکہ مطالعے کی عادت کے ساتھ استیعاب مسائل اور تبحر علمی پیدا کرنا ہے۔ طالب علم کی دلچسپی کو مد نظر رکھتے ہوئے کسی خاص فن کی تکمیل کرائی جائے گی کیوں کہ ایک شخص تمام علموں کی باریکیوں کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ اس درجہ سے فارغ ہونے کے بعد طلبہ کو خاص لقب سے نوازا جائے گا۔ مثلاً مفسر، محدث، فقیہ وغیرہ۔

15.4 بانیان تحریک

اس تحریک کے محرک اور اس تحریک میں جان پھونکنے والوں میں جن شخصیات کو زیادہ شہرت ملی ان میں سے چار نام کا ذکر درج ذیل ہے۔

مولانا سید علی مونگیری، علامہ شبلی نعمانی، مولانا حکیم سید عبد الحی، مولانا حبیب الرحمن خاں شیروانی

مولانا سید علی مونگیری (1846-1927)

مولانا سید علی مونگیری (1846-1927) کو اس تحریک کا ابتدائی معمار شمار کیا جاتا ہے۔ تعلیمی سلسلہ مکمل کرنے کے بعد آپ نے مدرسہ فیض عام کانپور ڈھائی تین سال تک درس حدیث دیا۔ مدرسہ فیض عام میں ہی آپ نے ایک انجمن "انجمن تہذیب" کے نام سے قائم کی جس نے آگے بڑھ کر تحریک ندوہ کی شکل اختیار کرلی۔ فیض عام کے جلسے میں ہی آپ نے ندوۃ العلماء کے قیام کی تحریک شروع کی جس پر لوگوں نے لبیک کہا۔ 1894ء میں ندوۃ العلماء کا قیام عمل میں آیا اور آپ کو اس کا ناظم منتخب کیا گیا۔ آپ نے اس ذمہ داری کو بڑی خوش اسلوبی سے نبھایا۔ ندوۃ تحریک، قیام، مقاصد اور تعارف کے لیے آپ نے بڑے پیمانے پر مہم شروع کی۔ آپ کی ہی نظامت میں ندوہ کا مجوزہ خاکہ ترتیب دیا گیا۔

شبلی نعمانی (1857-1914)

ندوہ کے معماروں میں دوسرا سب سے اہم نام علامہ شبلی نعمانی کا ہے۔ جن کا تعلق اعظم گڈھ سے ہے۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد وکالت اور تجارت کی لیکن ان کی طبیعت ان سب کاموں نہ لگی۔ بالآخر 1883ء میں ایم۔ اے۔ او کالج علی گڑھ میں استاد کی حیثیت سے جوائن ہوئے۔ سر سید کے ساتھ آپ نے بڑے بڑے کارنامے انجام دیے لیکن ان کے سیاسی نظریات مختلف ہونے کی وجہ سے وہ علی گڑھ سے سبکدوش ہوگئے۔ انہی ایام میں ندوۃ العلماء تحریک کا سلسلہ شروع ہوا تھا اور اس تحریک سے متاثر ہوکر علی گڑھ سے الگ ہونے کے بعد اس تحریک سے جڑ گیے۔ ندوہ آنے کے بعد آپ کو معتمد کی ذمہ داری دی گئی۔ اس کے علاوہ آپ ایک اچھے سیرت نگار اور سوانح نگار، عربی، فارسی اور اردو کے بہترین نقاد اور ادیب و شاعر بھی شمار کیے جاتے ہیں۔

مولانا حکیم سید عبد الحی (1869-1923)

آپ کا تعلق بریلی سے تھا، پڑھے لکھے خانوادے سے تعلق رکھتے تھے۔ تحصیل علم کی فراغت کے بعد آپ نے ہندوستان کے مشہور دینی و علمی مراکز کا سفر کیا جو دہلی اور مغربی یوپی کے اطراف میں واقع تھا۔ وہاں پر درس میں شرکت حاصل کرکے حدیث کی اجازت حاصل کی اور علمی و باطنی استفادہ کیا۔ تحریک ندوۃ العلماء کی تحریک نے آپ کو بھی متاثر کیا اور اس کے جلسوں میں حاضری دیتے رہے۔ آپ کو ندوہ کے پہلے ناظم مولانا محمد علی مونگیری کے تحت کام کرنے کا شرف حاصل ہوا اور مددگار ناظم کی حیثیت سے اپنی خدمات انجام دیں۔ 1915ء میں آپ کو نظامت کی ذمہ داری دی گئی جس کو آپ نے آخری عمر تک بڑی خوش اسلوبی سے ادا کیا۔ آپ کے دور نظامت میں ندوہ کے

سامنے کئی چیلنجز آئے لیکن آپ کے پیروں میں لغزش نہ آئی اور آپ نے ثابت قدمی سے ان مشکلات کا سامنا کیا۔

مولانا حبیب الرحمن خاں شیروانی(1867–1950)

آپ علی گڑھ کے قریب بھیکم پور گاؤں میں پیدا ہوئے۔ تعلیم مکمل ہونے کے بعد آپ دکن میں صدر الصدور کی حیثیت سے منتخب ہوئے، دینی خدمت ادا کرنے کے لیے آپ نے یہ عہدہ قبول کیا۔ نظام نے مذہبی امور کی ذمہ داری آپ کے سپرد کی اور 13 سال تک وہ اس عہدے پر فائز رہے۔ جامعہ عثمانیہ (حیدرآباد) کے قیام میں بھی آپ کا تعاون رہا۔ شروعاتی دور سے آپ کو ندوہ اور علی گڑھ تحریک سے خاصا لگاؤ تھا۔ ندوہ کے باقاعدہ طور پر ممبر رہے اور تین مرتبہ سالانہ جلسوں کی صدارت کی۔ 'الندوہ' جب نکلا تو مولانا شبلی کے شریک ادارت بھی سنبھالی اور علمی و تحقیقی مضامین سے قارئین کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ علی گڑھ میں ایک عرصے تک شعبہ دینیات کے اعزازی صدر رہے۔

15.5 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- ندوہ کے قائم ہونے سے پہلے جتنے بھی مدارس تھے، ان کے یہاں نصاب تعلیم میں معقولات (حکمت، فلسفہ اور منطق کا علوم) پر بہت زیادہ توجہ دی جاتی تھی۔ استاد اور طالب علم کا بیش قیمتی وقت اس پر بہت زیادہ خرچ ہوتا تھا اس کے بالمقابل قرآن، حدیث و فقہ پر اتنی خصوصی توجہ نہیں دی جاتی تھی۔ جتنے بھی مدارس موجود تھے تہذیب و تمدن کے بدلاؤ سے ان کی حیثیت کمزور ہو چکی تھی، جدید افکار و نظریات کی تبدیلی سے ان کی واقفیت نہ تھی۔
- مولانا سید علی مونگیری نے ناظم بننے کے بعد مولانا مشتاق علی کو ذمہ داری سونپی کہ وہ ہندوستان میں ندوہ کا تعارف کرائیں۔ آپ نے بڑی خوش اسلوبی سے اس ذمہ داری کو پورا کیا اس کے لیے انہوں نے ہندوستان کے مختلف علاقوں کا دورہ کیا اسکے علاوہ جدہ، مکہ و مدینہ منورہ کا بھی دورہ کیا۔ عوام و خواص دونوں حلقوں میں اس تحریک کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی اور لوگوں نے ہاتھوں ہاتھ ندوہ کے وفد کو لیا۔ غرض ملک کے سبھی مختلف المسالک و مکاتب فکر کے اشخاص نے جس جوش و جذبے سے اس تحریک کا استقبال کیا اس کی مثال ہندوستان میں شاذ و نادر ہی ملتی ہے۔
- اس تحریک کے محرک اور اس تحریک میں جان پھونکنے والوں میں جن شخصیات کو زیادہ شہرت ملی ان میں سے چار نام قابل ذکر ہے۔ مولانا سید علی مونگیری، علامہ شبلی نعمانی، مولانا حکیم سید عبد الحی، مولانا حبیب الرحمن خاں شیروانی وغیرہ۔
- مولانا سید علی مونگیری (1846–1927) کو اس تحریک کا ابتدائی معمار شمار کیا جاتا ہے۔ تعلیمی سلسلہ مکمل کرنے کے بعد آپ نے مدرسہ فیض عام کانپور ڈھائی تین سال تک درس حدیث دیا۔ مدرسہ فیض عام میں ہی آپ نے ایک انجمن "انجمن تہذیب" کے نام سے قائم کی۔ جس نے آگے بڑھ کر تحریک ندوہ کی شکل اختیار کرلی۔ فیض عام کے جلسہ میں ہی آپ نے ندوۃ العلماء کے قیام

کی تحریک شروع کی تھی اور لوگوں نے جس پر لبیک کہا۔ 1894ء میں ندوۃ العلماء کا قیام عمل میں آیا اور آپ کو اس کا ناظم منتخب کیا گیا۔

15.6 کلیدی الفاظ

علوم متداولہ : وہ علوم جو عام طور سے رائج ہوں

رواں دواں : منہمک، مشغول و مصروف

خمیازہ : مکافات، نتیجہ، سزا یا بدلہ

پشت پناہی : حمایت، تعاون، مدد

جاہ و حشم : شان و شوکت، جاہ و جلال

15.7 نمونہ امتحانی سوالات

15.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. ندوہ تحریک کی بنیاد کس نے ڈالی؟

(a). محمد علی مونگیری (b). مولانا قاسم نانوتوی (c). سر سید احمد خاں (d). محسن الملک

2. تحریک دارالعلوم دیوبند کے قائد کون تھے؟

(a). مولانا قاسم نانوتوی (b). مولانا محمود مدنی (c). سید جلال الدین عمری (d). حسین احمد مدنی

3. تحریک علی گڑھ کے قائد کون تھے؟

(a). سر سید احمد خاں (b). پی۔کے عبد العزیز (c). اسلم جیراج پوری (d). شبلی نعمانی

4. دارالعلوم ندوۃ العلماء کب قائم ہوا؟

(a). 1898ء (b). 1920ء (c). 1866ء (d). 1877ء

5. دارالعلوم ندوۃ العلماء کا پہلا اجلاس کہاں ہوا؟

(a). مدرسہ فیض عام (b). علی گڑھ مسلم یونیورسٹی (c). دارالعلوم دیوبند (d). جامعہ نظامیہ

6. انجمن تہذیب کس نے قائم کیا؟

(a). محمد علی مونگیری (b). مولانا قاسم نانوتوی (c). سر سید احمد خاں (d). شبلی نعمانی

7. ندوہ کے پہلے ناظم کون تھے؟

(a). محمد علی مونگیری (b). شبلی نعمانی (c). ابوالحسن علی ندوی (d). سب غلط

8. ندوہ کے تعارف کے لیے محمد علی مونگیری نے کس کو ذمہ داری سونپی؟

(a). مولانا مشتاق علی (b). اشرف علی تھانوی (c). مولانا قاسم نانوتوی (d). تمام صحیح

9. دارالعلوم ندوۃ العلماء کے لیے پہلے کس نے اپنی زمین وقف کی؟

(a). منشی احتشام علی رئیس (b). مستنصر باللہ (c). ابوالعباس سفاح (d). عمر بن عبد العزیز

10. دارالعلوم ندوۃ العلماء کے پہلے مہتمم کا نام بتائیں؟

(a). مولانا حفیظ اللہ (b). شبلی نعمانی (c). مولانا مشتاق علی (d). مولانا عبدالحق

15.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. قیام ندوہ سے پہلے کا سیاسی منظر نامہ پیش کیجیے۔
2. دارالعلوم ندوۃ کے لکھنو قیام پر مضمون لکھیے۔
3. ندوۃ العلماء کے اغراض و مقاصد پر بحث کیجیے۔
4. دارالعلوم ندوۃ کے لیے چندے کی جو تجاویز پیش کی گئیں ان کا جائزہ لیجیے۔
5. ندوہ کے نظام تعلیم پر نوٹ لکھیے۔

15.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. ندوۃ العلماء کے قیام کے پس منظر بیان کیجیے۔
2. بانیان تحریک پر مفصل مضمون تحریر کیجیے۔
3. رائج نصاب تعلیم پر مضمون قلم بند کیجیے۔

15.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. تاریخ ندوہ : مولوی محمد اسحاق جلیس ندوی
2. 1947 کے بعد ہندوستان میں اسلامی تحریکیں : ڈاکٹر اقتدار احمد خاں
3. سیرت مولانا سید علی مونگیری : مولانا سید محمد الحسنی
4. حیات عبدالحی : مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

اکائی 16:   جامعہ ملیہ اسلامیہ

اکائی کے اجزا:

16.0 تمہید
16.1 مقاصد
16.2 جامعہ ملیہ اسلامیہ
16.2.1 جامعہ کے قیام کا پس منظر
16.2.2 جامعہ کی تاسیس
16.2.3 جامعہ کے تاریخی مراحل
16.2.4 جامعہ کے قیام کے اغراض مقاصد
16.2.5 جامعہ کے شعبہ جات
16.2.6 جامعہ کی کارکردگی
16.3 اکتسابی نتائج
16.4 نمونہ امتحانی سوالات
16.4.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
16.4.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات
16.4.3 طویل جوابات کے حامل سوالات
16.5 تجویز کردہ اکتسابی مواد

16.0 تمہید

ہر ملک میں اس کے تعلیمی اداروں کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ یہ ملک کے استحکام اور اس کے ارتقاء میں قوت متحرکہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ تعلیمی اداروں کی اسی اہمیت کے پیش نظر تحریک آزادی کے عظیم رہنماؤں نے ہندوستانی عوام بالخصوص مسلمانوں کی تعلیمی پس ماندگی

کو دور کرنے کے لئے تحریکیں شروع کیں اور ادارے قائم کئے۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ تحریک آزادی کی کوکھ سے جنم لینے والا ایک ایسا ہی قومی تعلیمی ادارہ ہے جو ہندوستان میں قومی یکجہتی و متحدہ قومیت کی نشانی اور جمہوری وسیکولر روایت کا امین ہے بانیان جامعہ نے جن مقاصد کے تحت اس ادارہ کو قائم کیا تھا اپنے قیام سے لے کر تاحال یہ ادارہ ان کو عملی جامہ پہنانے میں لگا ہوا ہے۔ اس اکائی میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کے مکمل تفصیلات بیان کی گئی ہے۔

16.1 مقاصد

اس کائی کے مقاصد یہ ہیں کہ طلبہ ہندوستان کے مشہور ادارہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے قیام، اس کا پس منظر، تاریخ، تعلیمی نظام اور اغراض مقاصد سے پوری طرح متعارف ہوں۔ اس اکائی کا مقصد یہ بھی ہے کہ طلبہ اس ادارہ کی خدمات اور کارکردگی سے واقف ہو کر اپنے اندر یہ جذبہ پیدا کریں کہ وہ ملک وملت کی تعمیر وترقی میں اپنا کردار ادا کر سکیں۔

16.2 جامعہ ملیہ اسلامیہ

16.2.1 جامعہ کے قیام کا پس منظر

جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی ہندوستان کی تحریک آزادی کے نتیجہ میں ابھرنے والے قومی جذبات، احساسات اور خیالات کا ایک مثالی تعلیمی اور تہذیبی ادارہ ہے۔ جب ہندوستان میں تحریک آزادی زوروں پر تھی اور ملک کی عوام اپنے رہنماؤں کے ساتھ برطانوی حکومت کے ظلم وستم کے خلاف ملک کی آزادی کے لئے متحدہ جدوجہد کررہے تھے۔ اس وقت تحریک آزادی کے عظیم رہنما موہن داس کرم چند گاندھی جی نے خلافت اور عدم تعاون کی تحریکات کے دوران سرکاری امداد سے چلنے والے تعلیمی اداروں کے بائیکاٹ کی صدا لگائی تھی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ عوام ہر سطح پر عدم تعاون کا رویہ اپنا کر حکومت پر یہ دباؤ بنائیں کہ حکومت برطانیہ ہندوستان کو آزاد کرے۔ دوسری طرف خلافت تحریک بھی برطانوی حکومت سے مطالبہ کررہی تھی کہ وہ مسلمانوں کے سیاسی ادارہ خلافت کو ختم نہ کرے ان حالات میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کے قیام کے محرک وہ طلبہ تھے جو خلافت کانفرنس اور تحریک عدم تعاون سے اتفاق رکھتے تھے گاندھی جی نے محمڈن اینگلو اورینٹل کالج، علی گڑھ میں زیر تعلیم طلبہ کے والدین کے نام ایک اپیل جاری کرتے ہوئے کہا تھا کہ میں سمجھتا ہوں کہ علی گڑھ کے طلبہ کے والدین بھی دوسرے والدین کی طرح اس ضرورت کا احساس کرتے ہوں گے کہ اپنے بچوں کو سرکار سے امداد پانے والے اسکولوں اور کالجوں سے نکال لیں جس نے مسلمانوں کے ساتھ غداری کی اور پنجاب میں اپنے ظالمانہ رویہ سے پوری قوم کی توہین کی ہے۔ کاش آپ کو یہ احساس ہوتا کہ وطن عزیز کا مقدر ہم والدین کے ساتھ نہیں بلکہ ہمارے بچوں کے ساتھ وابستہ ہے۔ کیا ہم انہیں اس غلامی کی لعنت سے جس نے انہیں پیٹ کے بل رینگنے پر مجبور کر دیا ہے چھٹکارہ نہ دلائیں گے؟

"اس اپیل کے نتیجے میں علی گڑھ کے طلبہ نے یونین ہال میں جلسہ کر کے کالج کے ذمہ داروں سے یہ کہنے لگے کہ اس ادارہ کو بھی سرکاری سرپرستی سے آزاد کیا جائے۔ طلبہ کی اس تحریک کا اثر کالج کے ذمہ داروں پر تو نہیں ہوا لیکن طلبہ واساتذہ کی ایک بڑی تعداد نے

ڈاکٹر ذاکر حسین کی قیادت میں جو اس وقت کالج کے طالب علم تھے رہبران وطن کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے کالج کو خیر آباد کہہ کر علی گڑھ ہی میں دیار شوق اور شہر آرزو کی بستی بسانے کے لئے خیمہ زن ہو گئے اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کی بنیاد رکھی۔ گویا یہ ادارہ تحریک آزادی کے زیر اثر قومی زندگی کے ہر شعبے بالخصوص تعلیم کو برطانوی اثرات سے محفوظ رکھنے کی جدوجہد کی ایک روشن علامت ہے ساتھ ہی ساتھ یہ ادارہ قومی تعلیمی نظام کی ضرورت کی تکمیل کا ذمہ دار بھی ہے جس میں ملک کی تہذیبی و ثقافتی اور قومی و اسلامی اقدار کا ایک امتزاج موجود ہے۔"

16.2.2 جامعہ کی تاسیس

جامعہ ملیہ کا سنگ بنیاد 29 اکتوبر 1920 کو ایم۔اے او کالج علی گڑھ کی مسجد میں بعد نماز جمعہ شیخ الہند مولانا محمود حسن کے ہاتھوں رکھا گیا۔ جو شدید علالت کے باوجود علی گڑھ تشریف لائے جب کہ ان کا لکھا ہوا افتتاحی خطبہ مولانا شبیر احمد عثمانی نے پڑھا۔ اس کے پہلے امیر الجامعہ (چانسلر) حکیم اجمل خاں اور پہلے شیخ الجامعہ (وائس چانسلر) مولانا محمد علی جوہر بنائے گئے۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ جو 1920 میں بے سروسامانی کے عالم میں علی گڑھ میں چند خیموں میں وجود میں آئی تھی آج ہندوستان کی ایک مایانہ ناز مرکزی یونیورسٹی کی صورت میں دہلی میں فروغ پزیر ہے اور علم کی شعاعوں سے ملک و قوم کو منور کر رہی ہے۔ یہ ان بے لوث محسنوں کی قربانیوں کا نتیجہ ہے جنہوں نے اپنے جذبوں کی قوت اور افکار کی وسعت سے ایک علم کی بستی آباد کر دی تھی۔

ملک میں تحریک آزادی کے زیر اثر جتنے بھی ادارے وجود میں آئے ان میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کو اس لحاظ سے ایک امتیاز حاصل ہے کہ اس کے بانیان اور معماروں میں بیشتر وہی شخصیات تھیں جو ملک کی آزادی کے اہم رہنما تھے مثلاً مہاتما گاندھی، مولانا محمود حسن، مولانا محمد علی جوہر، حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر مختار احمد انصاری اور مولانا ابو الکلام آزاد ان ہی لوگوں نے اپنے رفقاء کے ساتھ مل کر جامعہ ملیہ اسلامیہ کی بنیاد ڈالی اور اسے حالات کے نشیب و فراز سے بچاتے ہوئے اور تمام تر مشکلات و مصائب کو برداشت کرتے ہوئے ترقی کی راہ پر گامزن رکھا اور اس کے بعد دہلی میں اس ادارے کو زندگی نو دینے والوں میں سر فہرست ڈاکٹر ذاکر حسین، عبد المجید خواجہ، پروفیسر عابد حسین، پروفیسر محمد مجیب اور ان کے رفقاء کا اہم کردار ہے۔ اسلیے ان لوگوں کے نام بھی بانیان جامعہ میں شمار ہوتے ہیں۔

16.2.3 جامعہ کے تاریخی مراحل

جامعہ ملیہ اسلامیہ اپنے قیام کے بعد پانچ سال تک علی گڑھ ہی میں چلتا رہا۔ شروع میں شہر کے عوام، بہی خواہوں اور قائدین نے اس کے اخراجات کی ذمہ داری اٹھائی اور قومی رہنما اس کی سرپرستی کرتے رہے۔ لیکن قومی رہنماؤں کے بار بار قید و بند ہونے اور دہلی سے دور ہونے کی وجہ سے امیر الجامعہ حکیم اجمل خاں کو بھی اس کے انتظام و انصرام اور دیکھ بھال کرنے میں دشواریاں ہونے لگیں اس کے لئے اان کے مشورے پر جولائی 1925 میں جامعہ کو قرول باغ دہلی میں طیبہ کالج سے ملحق کرائے کی عمارتوں میں منتقل کر دیا گیا۔ اس طرح یہ ادارہ علی گڑھ کے بعد دہلی میں چھ سال تک کرائے کی عمارتوں میں چلتا رہا۔ پھر امیر الجامعہ حکیم اجمل خاں کی وفات کے بعد ان کے جانشین ڈاکٹر مختار احمد انصاری کی رہنمائی میں جب اوکھلا گاؤں میں زمین خرید کر 1931 میں اس ادارہ کی پہلی عمارت تعمیر ہونا شروع ہوئی تو 1935 میں جامعہ نگر کے نام سے موسوم علاقہ کو جامعہ کی مستقبل قیام گاہ بنا دیا گیا جہاں آج جامعہ اپنے پورے آب و تاب کت ساتھ ترقی کی راہ پر

گامزن ہے۔پنڈت جواہر لال نہرو کے الفاظ میں "عدم تعاون کے زمانے کے اس شوخ اور دل آویز بچہ کو، آج تندرست و توانا نوجوان کی شکل میں مرکزی ادارہ کی حیثیت حاصل ہے۔اس مقام تک پہنچنے کے لئے اس دارہ کو کئی مرتبہ مشکل حالات سے بھی گزرنا پڑا۔

شروع میں جامعہ کی مالی اعانت بڑی حد تک خلافت کمیٹی کے فنڈ سے کی جاتی تھی لیکن بعد میں جب اہل جامعہ یہ فیصلہ کیا کہ ذہنی آزادی بر قرار رکھنے کے لئے اسے خلافت کمیٹی کا دست نگر نہیں رہنا چاہئے تاکہ جامعہ ایک خود مختار ادارہ بن سکے۔مگر یہ تصور اپنے ساتھ سخت مالی دشواریاں بھی لے کر آیا۔1924 میں شدید مالی بحران کی وجہ سے جامعہ کا وجود خطرے میں پڑ گیا اور جامعہ کو بند کئے جانے کی تجویز آنے لگیں لیکن اکابرین جامعہ حکیم اجمل خاں ،ڈاکٹر مختار انصاری اور عبدالمجید خواجہ وغیرہ نے فیصلہ کیا کہ اسے بند نہیں کیا جاسکتا۔ان لوگوں نے اس دشواری سے نجات کی بروقت صورت یہ نکالی کہ اسے دہلی منتقل کر دیا جائے لہذا وسائل کی سخت قلت کے باوجود جامعہ ملیہ اسلامیہ کو باقی و بر قرار رکھا گیا اور دہلی منتقل کر دیا گیا۔

دہلی میں جامعہ کو دوبارہ زندگی دینے میں ڈاکٹر ذاکر حسین اور ان کے دوساتھی ڈاکٹر سید عابد حسین اور پروفیسر محمد مجیب کی قربانیوں کو اہل جامعہ کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔اس دوران ڈاکٹرذاکر حسین اعلیٰ تعلیم کے لئے جرمنی جاچکے تھے جہاں ان کے ساتھ مذکورہ بالا دونوں رفقاء بھی تھے ان لوگوں نے جرمنی سے اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد 1926 میں جامعہ واپس آکر یہ عہد کیا کہ اس تعلیمی و تہذیبی جدوجہد کے چراغ کو ہر حال میں روشن رکھیں گے۔اس کے بعد ایک نئے جوش و حوصلہ کے ساتھ جامعہ کو ایک مثالی تعلیمی ادارہ بنانے کی صبر آزما تگ و دو شروع ہوئی جس میں ایک طرف تعلیم وتربیت کے ذریعہ طلبہ کی کردار سازی،اسلام کی اصل روح قومی اقدار سے واقف کرانے اور انہیں قومی یکجہتی کے جذبات سے سرشار کرنے کی خاطر جتن کئے گئے،وہیں دوسری جانب ادارے کو مالی دشواریوں سے نکالنے کے لئے ملک بھر میں اہل خیر افراد سے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کیا گیا یہاں تک کہ 1939 میں گاندھی جی کو بھی لکھنا پڑا کہ جامعہ وہ واحد ادارہ ہے جس کے پاس وہ ایثار شیوہ کارکن تھے جو سچے مسلمان بھی تھے اور راسخ قوم پرست بھی تھے۔ڈاکٹر ذاکر حسین جامعہ کے کارکنوں کی اس نے مثال ایثار و قربانی کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے۔

"یہ قوم کے بچوں کے لئے اپنی جانیں کھپاتے رہے ہیں اور خود ان کے بچے اچھی غذا اور اچھے لباس کے لئے ترستے ہیں۔یہ قوم کی ذہنی زندگی کے لئے اپنا سب کچھ تج کر چکے ہیں اور خود ان کی ذہنی غذا کی فراہمی کا ٹھیک انتظام نہیں ہو سکتا ہے۔یہ کتابوں کو ترستے ہیں ،تحقیقی وسائل کو ترستے ہیں،انہیں مہینوں ان کے حقیر معاوضے نہیں ملتے اور پھر کہیں سے روپیہ آجاتا ہے تو یہ پہلے جامعہ کے لئے زمین خریدواتے ہیں اور اپنے مطالبات کو مؤخر کر دیتے ہیں۔"

15 اگست 1947 کو جب ہندوستان پر آزادی کا آفتاب طلوع ہوا تو جامعہ نے بھی آزادی کی فضا میں اپنی پرواز تیز کر دی اور اس میں کبھی کوتاہی نہ آنے دی،جواہر لال نہرو نے بھی 1948 میں ڈاکٹر ذاکر حسین کو لکھا کہ اس واقعہ میں شک کی گنجائش نہیں کہ بہت کم ادارے اپنے امتیازی مطمح نظر اور مقصد کی توانائی اور حرارت کو بچائے رکھنے میں کامیاب ہوئے ہیں وقت کے ساتھ ان کے معاملات بر کیف ہو جاتے ہیں۔اس ولولہ سے محروم جس نے انہیں حیات بخشی تھی۔میں اس حقیقت پر جتنا غور کرتا ہوں اسی قدر یہ تاثر پختہ ہو تا جاتا ہے کہ

جامعہ ہی وہ واحد ادارہ ہے جس نے اپنے قدیم محرکات اور اپنے ابتدائی جوش و خروش کو باقی رکھا ہے۔ آزادی کے بعد حکومت ہند نے بھی جامعہ کے مثالی کردار کو سراہتے ہوئے قومی تعلیم کا اہم مرکز قرار دیا ہے۔1962 میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کو یونیورسٹی گرانٹ کمیشن ایکٹ کی دفعہ 3 کے تحت ڈیمڈ یونیورسٹی کا درجہ دے دیا گیا۔ اور 1988 میں ہندوستانی پارلیمنٹ کے ایک ایکٹ کے تحت اس کو مرکزی یونیورسٹی کی حیثیت دی گئی۔ اس کے بعد سے اب تک اس ادارے نے ترقی کے کتنے ہی مدارج و مراحل طے کئے ہیں۔ اور جس جوش و خروش اور توانائی و حرارت کا ذکر جواہر لال نہرو نے کیا تھا جامعہ کے دیوانوں کے اندر نہ صرف باقی ہے بلکہ اپنے داغ کو روشن رکھنے کی بھرپور کوشش بھی کی ہے۔

16.2.4 جامعہ کے قیام کے اغراض مقاصد

جس طرح تحریک آزادی کے اہم مقاصد میں ملک کو برطانوی تسلط سے آزاد کرا کر عوام کو تعلیمی، معاشی اور سماجی پس ماندگی سے نجات دلانا تھا اسی طرح جامعہ کے تعلیمی منشور میں ایک مشترک ہندوستانی قومیت کی تشکیل اور ذہنی جمود کے مقابلے اجتہادی فکر کو فروغ دینا تھا۔ جیسا کہ شیخ الہند مولانا محمود حسن نے اپنے افتتاحی خطبہ میں جامعہ کے قیام کا مقصد بتاتے ہوئے کہا تھا کہ مسلمانوں کی تعلیم مسلمانوں کے ہاتھ میں ہو اور اغیار کے اثر سے مطلقاً آزاد کیا باعتبار عقائد و خیالات اور کیا باعتبار اخلاق و اعمال ہم غیروں کے اثرات سے پاک ہوں اور ہماری عظیم الشان قومیت کا اب یہ فیصلہ نہ ہونا چاہیئے کہ ہم اپنے کالجوں سے سستے غلام پیدا کرتے رہیں بلکہ ہمارے کالج نمونہ ہونے چاہئیں۔ یہی وہ بنیادی مقاصد تھے جو بعد میں بھی اکابرین جامعہ کے پیش نظر رہے۔ پہلے امیر جامعہ حکیم اجمل خاں کے الفاظ میں ہم نے اصولی حیثیت سے تعلیم کو صحیح شاہراہ پر ڈال دیا ہے اور جہاں ہم نے سچے مسلمان پیدا کرنے کی تدبیر اختیار کیں وہیں اس بات کو بھی نظر انداز نہیں کیا کہ تعلیم و تربیت میں ماحول کا بہت بڑا اثر ہوتا ہے اور اسلامیات کے ساتھ ساتھ وطن کی خدمت کا جذبہ پیدا کرنا بھی ہمارے پیش نظر ہے۔ اس طرح پہلے شیخ الجامعہ مولانا محمد علی جوہر نے 1925 میں کہا تھا کہ جامعہ کے قیام کا پہلا مقصد یہ تھا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو حق دوست اور حق پرست بنانا اور دوسرا مقصد یہ تھا کہ ان کو وطن دوست و حریت پرور ہندوستانی بنایا جائے۔

اس طرح معماران نے جامعہ میں اسلامی روایات کے ساتھ متحدہ قومیت کو شامل کر کے دینی و عصری تعلیم کا سنگم، تعلیم و ضمیر کی آزادی، وطن دوستی و حریت پروری اور سادگی و بلند ہمتی کو اہل شوق کا نصب العین اور سرپھروں کا مطمح نظر قرار دیا۔ جامعہ اپنے قیام کے پہلے دن سے انہی مقاصد کے حصول کے لئے کوشاں ہے۔ جیسا کہ جامعہ نے اپنی پہلی مجلس تاسیسی کے وقت جو اپنی تعلیمی پالیسی بنائی تھی اس کی خاص باتیں یہ تھیں کہ جامعہ ملیہ اسلامیہ میں سبھی مذاہب و مسالک کے طلبہ کو داخلہ دیا جائے گا اور ہر طالب علم کے لئے اس کے مذہب کی تعلیم کا انتظام ہوگا لہذا یہاں ہر طالب علم کے لئے عصری تعلیم کے ساتھ مذہبی تعلیم کو بھی لازمی مضمون کے طور پر پڑھایا جاتا ہے۔ دوسرا انقلابی فیصلہ یہاں کا ذریعہ تعلیم اردو ہوگا اور انگریزی کی تعلیم ثانوی زبان کی حیثیت سے دی جائے گی جامعہ میں طلبہ کو یہ اختیار ہے کہ وہ اپنا امتحان اردو، ہندی اور انگریزی میں سے کسی بھی زبان میں دے سکتے ہیں تیسرے پیشہ وارانہ تعلیم کے لئے باقاعدہ صنعت و حرفت کی تعلیم کے شعبے قائم ہیں جہاں طلبہ اپنے ذوق کے مطابق تعلیم حاصل کر سکتے ہیں۔

حکومت نے بھی اس بات سے اتفاق کیا ہے کہ جامعہ اپنے اغراض و مقاصد کے تحت جن کا ذکر اس کے دستور میں کیا گیا ہے کہ ہندوستانیوں بالخصوص مسلمانوں کی سیکولر اور مذہبی تعلیم کا انتظام کرے گی اور قومی زندگی کے تقاضوں کو ملحوظ رکھے گی۔ جامعہ نے زمانے کے نئے تقاضوں کے تحت اپنے اندر تبدیلیاں پیدا کیں ہیں۔ اس نے نئی اور پرانی قدروں کے امتزاج سے اپنا ایک مخصوص طور و طریقہ متعین کیا ہے اور اپنا قومی اور اسلامی موقف اور مطمح نظر ہمیشہ قائم رکھا ہے۔

16.2.5 جامعہ کے شعبہ جات

جامعہ ملیہ اسلامیہ کا شمار ملک کے اہم تعلیمی اداروں میں ہوتا ہے۔ دوسری یونیورسٹیوں کی طرح جامعہ میں بھی مختلف علوم مثلاً سماجی علوم، زبان و ادب، تعلیم اور سائنس و ٹکنالوجی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ یہاں کے ماس کمیونی کیشن، بایولوجیکل سائنسز، انجینئرنگ اور تعلیم کے شعبے خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ جامعہ یونیورسٹی گرنٹس کمیشن اور وزارات تعلیم کے تحت ہے اور اس کی ڈگریاں دوسری یونیورسٹیوں کی ڈگریوں کی مساوی اور تسلیم شدہ ہیں۔

جامعہ میں 9 فیکلٹیز، 37 ڈپارٹمنٹس، 25 سینٹر اور 6 اسکول ہیں جن میں تقریباً 171 کورسیز ہیں۔ جامعہ کا خاص امتیاز یہ ہے کہ یہاں نرسری و ابتدائی درجات سے لے کر اعلیٰ تحقیق تک کی تعلیم و تدریس کا انتظام ہے۔ جامعہ کے مختلف تعلیمی مراکز اور شعبہ جات اس طرح ہیں:

جامعہ میں نرسری، مڈل اور سینئر سکنڈری اسکول ہیں جامعہ نرسری اسکول میں تین سے چھ سال کے بچوں کو عام طریقے سے ہٹ کر کھیل کود اور بامقصد تفریح کے ذریعہ تعلیم و تربیت دی جاتی ہے۔ مڈل اسکول میں پہلی سے آٹھویں اور سینئر سکینڈری اسکول میں نویں سے بارویں جماعت تک کی تعلیم کا انتظام ہے۔ مڈل اور سینئر سیکنڈری اسکول علاحدہ دو شفٹ میں مخلوط تعلیم کے لئے ہیں جبکہ مزید ایک اسکول صرف لڑکیوں کی تعلیم کے لئے بھی ہے جامعہ نے ابتدائی اور ثانوی تعلیم میں تدریس کے بالکل نئے طریقوں کا استعمال کر کے دیگر اداروں سے الگ اپنا معیار قائم کیا ہے۔

اعلیٰ تعلیم کے لئے فیکلٹی آف ہیومنٹیز اینڈ لینگویجیز، فیکلٹی آف شوسل سائنسیز، فیکلٹی آف ایجوکیشن، فیکلٹی آف نیچرل سائنسیز، فیکلٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹکنالوجی، فیکلٹی آف لاء، فیکلٹی آف آرکیٹیکچر، فیکلٹی آف فائن آرٹ اور فیکلٹی آف ڈینسٹری۔ اس کے علاوہ سینٹرس میں اے۔جی قدائی ماس کمیونی کیشن ریسرچ سینٹر، ذاکر حسین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز، مولانا محمد علی جوہر اکیڈمی آف انٹرنیشنل اسٹڈیز اور سینٹر فار سمپر ہنور ریلیجن اینڈ سویلائزیشن کو خاص شہرت حاصل ہے۔ دیگر مراکز میں یونیورسٹی پالی ٹکنیک، ارجن سنگھ سینٹر فار ڈسپلینس اینڈ اوپن لرنگ، سینٹر فار انفورمیشن اینڈ ٹکنالوجی سینٹر فار کیریر پلانگ اور چائلڈ گائڈینس سینٹر بھی اہمیت کے حامل ہیں۔ اس ادارے کو اگرچہ اعلیٰ تعلیم کے مرکز کی حیثیت سے قائم کیا گیا تھا مگر وسائل کی قلت کے سبب اس کا دائرہ کار شروع میں صرف ابتدائی اور ثانوی تعلیم تک محدود رہا اور بعد میں اس کی مرحلہ وار توسیع ہوتی رہی۔

جامعہ کی یہ توسیع اس کے اکابرین کے مقاصد کے عین مطابق ہوئی ہے جس کا ذکر سابق شیخ الجامعہ پروفیسر مشیر الحسن نے 30

اگست 2004 کو جلسہ تقسیم اسناد کے موقع پر کہا تھا کہ ہماری تمام تر کوششیں لوگوں کو محض ڈگریوں اور نوکریوں کے لئے تربیت دینا نہیں ہے، ہماری جدوجہد ایسے صاحب کردار افراد پیدا کرنے کی ہے جو ذاتی مفادات کی تکمیل کے محدود مقصد سے آگے بڑھ کر وسیع تر اجتماعی نصب العین تک رسائی کے طالب ہوں۔ ہمارے نصاب تعلیم کی تشکیل ذات اور مذہب کی دیواروں کو توڑنے، ایک روشن خیال موحول پیدا کرنے اور ملک میں جو انتشار کا شکار ہے اتحاد و یکجہتی کے جذبے کی پرداخت کے مقاصد کو سامنے رکھ کر کی گئی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارے نظام تعلیم کو معقول آزاد اور سائنسی انداز فکر کو فروغ دینا چاہیئے اور ہمارے سماج کی مشترکہ اقدار کے تحفظ وبقاء کا اہتمام کرنا چاہیئے۔

16.2.6 جامعہ کی کارکردگی

جامعہ نے اپنے قیام کے نصب العین کے ایفائے عہد کے طور پر اپنی آغوش میں تعلیم وتربیت سے آراستہ ایسے افراد تیار کئے ہیں جن پر آنے والی نسلیں ہمیشہ فخر کریں گی۔ جامعہ کے ابنائے قدیم میں سے ڈاکٹر ذاکر حسین، میر اکبر علی، ڈاکٹر اخلاق الرحمٰن قدوائی گورنر ہوئے اور ڈاکٹر ذاکر حسین کو صدر جمہوریہ ہند ہونے بھی کی سعادت حاصل ہوئی۔ پیر الٰہی بخش اور ڈاکٹر محمود حسین تقسیم ہند کے بعد پاکستان کے صوبہ سندھ میں وزیر تعلیم بنائے گئے اور شفیق الرحمٰن قدوائی حکومت دہلی کے وزیر تعلیم منتخب ہوئے۔ ڈاکٹر ذاکر حسین، ڈاکٹر محمود حسین، ڈاکٹر یوسف حسین، ڈاکٹر عبدالحلیم اور پروفیسر مشیر الحق وغیرہ کو ہندوستان کی مختلف یونیورسٹیوں میں چانسلر اور وائس چانسلر ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔ اسی طرح کنور محمد اشرف، کمیونسٹ پارٹی، ڈاکٹر عبدالحمید قاضی مسلم لیگ، سی کرشنا آئر کانگریس اور معین الدین حارث شوشلسٹ پارٹی کے رہنما کی حیثیت سے مقبول ہوئے۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ آج تعلیم کے نئے تقاضوں اور چیلنجوں کو قبول کرنے اور ان سے پوری طور پر عہدہ برآں ہونے کے لئے مکمل تیار ہے سابق شیخ الجامعہ پروفیسر مشیر الحسن نے کہا تھا کہ ہم صرف بڑے ہی نہیں ہوئے ہیں ہم ہر لحاظ سے بڑھے بھی ہیں۔ آج جامعہ میں ایک رواداارانہ ماحول ہے اور ایک دانشورانہ معاشرہ ہے اور ہم ایک متمول ورثے کے مالک ہیں۔

جامعہ کے چانسلر	جامعہ کے وائس چانسلر
1۔ حکیم اجمل خاں1929۔1920	1۔ مولانا محمد علی جوہر1923۔1920
2۔ ڈاکٹر مختار احمد انصاری1936۔1928	2۔ عبدالمجید خواجہ 1925۔1923
3۔ عبدالمجید خواجہ1962۔1936	3۔ ڈاکٹر ذاکر حسین1948۔1926
4۔ ڈاکٹر ذاکر حسین1969۔1963	4۔ پروفیسر محمد مجیب1973۔1948
5۔ جسٹس محمد ہدایت اللہ1985۔1969	5۔ پروفیسر مسعود حسین خاں1978۔1973
6۔ خورشید عالم خاں1990۔1985	6۔ انور جمال قدوائی1983۔1978
7۔ ایس۔ ایم۔ ایچ۔ برنی1995۔1990	7۔ پروفیسر علی اشرف1989۔1983

8۔خورشید عالم خاں 2001۔1995	8۔پروفیسر سید ظہور قاسم 1991۔1989
9۔فخر الدین ٹی خوراکی والا 2011۔2002	9۔پروفیسر بشیر الدین احمد 1996۔1991
10۔محمد احمد ذکی 2017۔2012	10۔جنرل محمد احمد ذکی 2000۔1997
11۔نجمہ ہبت اللہ 2023۔2017	11۔سید شاہد مہدی 2004۔2000
12۔سیدنا مفضل سیف الدین تاحال 2023	12۔پروفیسر مشیر الحسن 2009۔2004
	13۔نجیب جنگ 2013۔2009
	14۔پروفیسر طلعت احمد 2018۔2014
	15۔پروفیسر نجمہ اختر 2023۔2019

جامعہ کو جاری رہنا ہے۔ اگر آپ اس کے مالی وسائل کے بارے میں متفکر ہیں تو میں کاسئے گدائی لے کر نکلوں گا۔

مہاتما گاندھی

انہوں نے جامعہ کو اینٹ اینٹ جوڑ کر اور قربانیوں پر قربانیاں دے کر قائم کیا ہے۔

سروجنی نائیڈو

اس میں کئی ہندو طلبہ زیر تعلیم ہیں اور کئی ہندو اساتذہ اس کے عملے کا حصہ ہیں جو اس بات کی یقینی علامت ہے کہ یونیورسٹی تنگ فرقہ وارنہ خطوط پر نہیں چلائی جارہی ہے۔

ڈاکٹر پی سے رائے

ہندو طلبہ کو اسلام سے اور مسلم طلبہ کو ہندومت سے واقف ہونا ضروری ہے۔ متحدہ ہندوستانی قومیت اسی افہام و تفہیم کے ذریعے پیدا ہو سکتی ہے۔

حکیم اجمل خاں

ہندوستان کے سب سے زیادی ترقی پسند تعلیمی اداروں میں سے ایک۔۔۔۔۔

رابندر ناتھ ٹیگور

ہم جامعہ والوں نے روز اول ہی سے ایک ایسا طرز عمل اختیار کیا ہے جو ایک لازمی شرط کے طور پر کام سے سچی لگن کا تقاضا کرتا ہے۔ یہ جذبہ صرف انسانوں میں پایا جات ہے اسکیموں میں نہیں۔

ڈاکٹر ذاکر حسین

ہم نے طے کیا کہ مسلم و غیر مسلم، ہر طالب علم کو اپنے مذہب اور اپنی اخلاقی و ثقافتی روایت کی نمائندگی کا سلیقہ سیکھنا چاہیئے اور اپنے آپ کو ایک مہذب، منکسر المزاج، غور و فکر کرنے والا اور باصلاحیت شخص بنا کر ایک مفید شہری بنانا چاہیئے۔

پروفیسر محمد مجیب

جامعہ ملیہ اسلامیہ کو ہماری قومی زندگی میں ایک خاص حیثیت حاصل ہے۔ اس نے نہ صرف اعلیٰ تعلیم کا اہتمام کیا ہے بلکہ ایک مربوط تعلیمی خاکہ مرتب کر کے ثانوی تعلیم کے شعبے میں بھی اپنا ایک نقش قائم کیا ہے۔

اندرا گاندھی

جامعہ ملیہ اسلامیہ نے ملک اور اس کے باہر ایک ایسے ادارے کی حیثیت سے ایک ممتاز مقام پیدا کیا ہے جو بین الاقوامی ثقافتی اشتراک ،سائنسی ترقی اور ادبی تخلیقیت کا آئینہ دار ہے۔

یاسر عرفات

اگر کسی کو عصر حاضر کی موجودہ قوتوں کو سمجھنے کی طلب ہے تو اسے لازماً جامعہ کو سمجھنا پڑے گا۔

خالدہ ادیب خانم

16.3 اکتسابی نتائج

- جامعہ ملیہ اسلامیہ تحریک عدم تعاون کے نتیجہ میں جدوجہد آزادی کی کوکھ سے جنم لینے والا ایک ایسا تعلیمی ادارہ ہے جو آزاد ہندوستان میں قومی یکجہتی کی نشانی اور متحدہ قومیت کا امین ہے۔
- اس کی سنگ بنیاد 29 اکتوبر 1920 کو محمڈن اینگلو اورینٹل کالج علی گڑھ کی مسجد میں مجاہد آزادی شیخ الہند مولانا محمود حسن کے ہاتھوں رکھی گئی۔
- جامعہ ملیہ اسلامیہ کے بانیان میں تحریک آزادی کی قومی رہنما مہاتما گاندھی، مولانا محمود حسن، مولانا محمد علی جوہر، حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر مختار احمد انصاری اور مولانا ابوالکلام آزاد ہیں۔ دہلی میں اس ادارے کو زندگی نو دینے میں عبد المجید خواجہ ،ڈاکٹر ذاکر حسین ،پروفیسر سید عابد حسین اور پروفیسر محمد مجیب نے اہم کردار ادا کیا۔
- مالی دشواریوں اور انتظامی ضرورتوں کے پیش نظر جامعہ ملیہ اسلامیہ کو 1925 میں علی گڑھ سے قرول باغ دہلی میں کرائے کی عمارتوں میں منتقل کر دیا گیا۔ اس کے بعد اس ادارہ کو 1935 میں اوکھلا کے علاقہ جامعہ نگر میں اپنی مستقل عمارتوں میں منتقل کیا گیا جہاں آج جامعہ ملیہ اسلامیہ موجود ہے۔

- 1962 میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کو یونیورسٹی گرانٹ کمیشن کے تحت ڈیمڈ یونیورستی کا درجہ دیا گیا اور اس کے بعد 1988 میں ہندوستانی پارلیمنٹ کے ایک ایکٹ کے تحت مرکزی یونیورسٹی کی حیثیت سے تسلیم کیا گیا۔
- جامعہ ملیہ اسلامیہ کے قیام کے اہم مقاصد تھے: یہ تعلیم گاہ حکومت کے اثر سے آزاد قومی اور ملی مصالح کی پابند ہو، اس کی تعلیم میں دینی اور دنیوی، قدیم اور جدید عناصر کا صحیح امتزاج ہو اور یہ ملک کی آزادی اور ہندوستانی قومیت کی تحریک میں حصہ لے۔
- جامعہ ملیہ اسلامیہ جو 1920 میں چند خیموں میں وجود میں آئی تھی آج تقریباً 9 فیکلٹیز، 37 دپارمنٹ، 25 سینٹرس اور 6 اسکولوں پر مشتمل ہندوستان کی مایہ ناز یونیورسٹی ہے جہاں ابتدائی درجات سے لے کر اعلیٰ تعلیم تک کا باقاعدہ انتظام ہے۔
- جامعہ ملیہ اسلامیہ نے اپنے قیام کے مقاصد کی تکمیل اور بانیان کے خوابوں کو شرمندۂ تعبیر کرتے ہوئے اپنی آغوش میں تعلیم و تربیت کے ذریعہ ایسے افراد تیار کئے ہیں جن پر ملک وملت کو ہمیشہ فخر رہے گا۔

16.4 نمونہ امتحانی سوالات

16.4.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. جامعہ ملیہ اسلامیہ کا قیام کہاں عمل میں آیا؟

(a). دہلی (b). لکھنو (c). علی گڑھ (d). حیدرآباد

2. جامعہ ملیہ اسلامیہ کی بنیاد کس کے ہاتھوں رکھی گئی؟

(a). مولانا حسین احمد مدنی (b). مولانا ابوالکلام آزاد (c). مولانا محمود حسن (d). مولانا محمد علی جوہر

3. جامعہ ملیہ اسلامیہ کی بنیاد کس سن عیسوی میں رکھی گئی؟

(a). 1915 (b). 1920ء (c). 1925ء (d). 1930ء

4. جامعہ ملیہ اسلامیہ کے پہلے امیر الجامعہ () چانسلر کا نام بتایئے؟

(a). حکیم اجمل خاں (b). جواہر لال نہرو (c). ڈاکٹر مختار احمد انصاری (d). ڈاکٹر ذاکر حسین

5. اس وقت جامعہ ملیہ اسلامیہ کہاں ہے؟

(a). علی گڑھ (b). دہلی (c). لکھنؤ (d). آگرہ

6. جامعہ ملیہ اسلامیہ کو سینٹرل یونیورسٹی کا درجہ کب دیا گیا؟

(a). 1948ء (b). 1962ء (c). 1988ء (d). 1920

7. جامعہ ملیہ اسلامیہ کا دستوری طور پر ذریعہ تعلیم کونسی ہے زبان ہے؟

(a).ہندی (b).انگلش (c).عربی (d).اردو

8. جامعہ ملیہ اسلامیہ کے پہلے وائس چانسلر کا نام بتائے؟

(a).ڈاکٹر ذاکر حسین (b).مولانا محمد علی جوہر (c).پروفیسر مشیر الحسن (d).مولانا ابوالکلام آزاد

9. جامعہ ملیہ اسلامیہ کا قیام کس تحریک آزادی کے نتیجہ میں ہوا؟

(a). تحریک عدم تعاون (b). فرائضی تحریک (c). تحریک خلافت (d).ریشمی رومال تحریک

10. ذاکر حسین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز سینٹر کس یونیورسٹی میں ہے؟

(a). علی گڑھ مسلم یونیورسٹی (b). مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی (c). جامعہ ملیہ اسلامیہ (d).جے۔این۔یو

16.4.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. جامعہ ملیہ اسلامیہ کا قیام کیوں عمل میں آیا؟ بیان کریں۔
2. جامعہ ملیہ اسلامیہ کی خدمات اور کارکردگی پر روشنی ڈالیے۔
3. جامعہ ملیہ اسلامیہ کے شعبہ جات کا تعارف پیش کیجیے۔
4. جامعہ ملیہ اسلامیہ کے قیام میں بانیان جامعہ کی کوششوں اور قربانیوں کا تذکرہ کیجیے۔
5. متحدہ قومیت اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے فروغ میں جامعہ کے کردار کی وضاحت کیجیے۔

16.4.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. جامعہ ملیہ اسلامیہ پر ایک مضمون لکھیے۔
2. 2۔جامعہ ملیہ اسلامیہ کے اغراض و مقاصد کی وضاحت کیجیے۔
3. 3۔جامعہ ملیہ اسلامیہ کے مختلف تاریخی مراحل پر روشنی ڈالیے۔

16.5 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. جامعہ کی کہانی	:	عبدالغفار مدہولی
2. نقوش جامعہ	:	غلام حیدر
3. ہندوستانی مسلمانوں کی قومی تعلیم تحریک اور جامعہ ملیہ اسلامیہ	:	شمش الرحمٰن محسنی
4. ہماری جامعہ: تعلیمی، تہذیبی اور سماجی ساگا	:	صغرا مہدی
5. معماران جامعہ	:	ظفر احمد نظامی
6. جامعہ ملیہ اسلامیہ کی تاریخ: اردو مصنفین کی نظر میں	:	شہزاد انجم

اکائی 17: احمد سرہندی

اکائی کے اجزا:

17.0 تمہید

17.1 مقاصد

17.2 شیخ احمد سرہندی

17.2.1 حسب و نسب و تعلیم:

17.2.2 اکبر آباد

17.2.3 نقشبندیہ سلسلے میں بیعت

17.2.4 دعوت کی تبلیغ اور تربیت

17.2.5 شیخ احمد سرہندی کی شخصیت

17.2.6 جہانگیر اور شیخ احمد

17.2.7 گوالیار میں نظر بندی

17.2.8 شیخ احمد سرہندی کی کامیابی

17.2.9 دنیادار عالموں کے خلاف جہاد

17.2.10 تجدیدی کارنامہ

17.2.11 صوفیوں کی اصلاح

17.2.12 وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہور

17.3 اکتسابی نتائج

17.4 کلیدی الفاظ

17.5 نمونہ امتحانی سوالات

17.5.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

17.5.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

17.5.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

17.6 تجویز کردہ اکتسابی مواد

17.0 تمہید

حضرت مجدد الف ثانی یعنی شیخ احمد سرہندی کا شمار بزرگوں میں ہوتا ہے۔ آپ نے برصغیر میں اسلام کے احیا اور اس کی بلندی کے لیے قابل قدر کوششیں کیں۔ مغل بادشاہ جہانگیر کے دور سے لے کر آج تک جتنی بھی تحریکیں یا مفکرین منظر عام پر آئے وہ کسی نہ کسی طرح سے احمد سرہندی کے فکروں سے متاثر نظر آتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو بے شمار ظاہری و باطنی نعمتوں سے سرفراز کیا تھا۔ آپ کے اندر بیک وقت کئی خوبیاں تھیں جس کی وجہ سے آپ کو "مجدد الف ثانی" کے لقب سے نوازا گیا۔ اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ وقتاً فوقتاً ایسے اشخاص روئے زمین پر تشریف لائے جنہوں نے اس دنیا میں پھیلتی برائیوں کو روکنے کے لیے اپنے آپ کو پیش کیا اور تجدید دین کی خدمات انجام دی۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی شیخ احمد سرہندی بھی ہیں۔ جنہوں نے برصغیر میں یہ خدمات انجام دی اور اس وقت دین اسلام کی تبلیغ کی جب اسلامی تشخص ناپید ہو چکا تھا اور اسلام و ہندو مت میں تفریق کرنا مشکل تھا۔ اس دور میں آپ نے بے شمار تجدیدی کارنامے انجام دیے۔

17.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد ہے کہ آپ شیخ احمد سرہندی کے بارے تفصیل سے جان سکیں کہ کب اور کہاں پیدا ہوئے، کہاں سے تعلیم حاصل کی، اور اپنے دعوتی کارناموں کو کیسے وسعت دی، اس کے علاوہ انہوں نے اس دور میں جو کارنامے انجام دیے۔ مغل بادشاہ اکبر اور جہانگیر کے دور میں انہوں نے اسلام اور اس کی تعلیمات کو فروغ دینے کے لیے کیا کوششیں کی۔ اس کے علاوہ دنیادار عالم اور صوفی حضرات کی بھی اصلاح کی طرف توجہ دی۔ ان سب امور پر آپ کو آگاہی حاصل ہوگی۔

17.2 شیخ احمد سرہندی

17.2.1 حسب و نسب و تعلیم:

شیخ احمد سرہندی شجرہ نسب 31 واسطوں سے خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ سے جاملتا ہے۔ آپ کابل کے ایک ممتاز خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ 971ھ / 6415ء میں سرہند میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد شیخ عبد الاحد (و: 1598ء) ایک بہت بڑے عالم شمار کیے جاتے ہیں۔ کتب معقول اور منقول کا درس دیتے، فقہ و اصول فقہ میں بے مثال تھے۔ اس وقت کے بہت سے شیوخ نے آپ سے فیض حاصل کیا۔ شیخ عبد الاحد کو سات اولادیں ہوئیں جس میں شیخ احمد سرہندی چوتھے نمبر پر ہیں۔ تمام بھائی علم و فضل والے تھے لیکن شہرت سب سے

زیادہ شیخ احمد سرہندی کو نصیب ہوئی۔ اس وقت کے بڑے بزرگ شاہ کمال کیتھلی (و:1573ء) سے آپ کے والد محترم کا بڑا قریبی رشتہ تھا۔ شاہ کمال آپ سے بہت زیادہ الفت اور شفقت فرماتے، آپ کے ساتھ خصوصی معاملہ فرماتے۔ بچپن میں آپ ایک بار بیمار ہو گیے اور بدن بہت کمزور ہو گیا۔ والدہ ماجدہ کو فکر لاحق ہوئی اور آپ کو حضرت شاہ کمال کیتھلی کی خدمت میں پیش کیا اور دعا کی گزارش کی۔ شاہ صاحب نے فرمایا: "مطمئن رہو، اس بچے کی عمر دراز ہو گی، یہ عارف کامل و عامل ہو گا اور ہمارے تمہارے جیسے اس کے دامن سے نکلیں گے" (ص 191) شاہ کمال آپ کے والد شیخ عبدالاحد کو مجدد ہند کے بارے میں بہت ساری خوش خبری بھی دی تھی۔ دس سال کے تھے کہ شاہ کمال کیتھلی کا انتقال ہو گیا لیکن شیخ احمد سرہندی کو ان کی شکل و صورت اور جس جگہ والد محترم کے ساتھ اٹھتے بیٹھے وہ سب ذہن نشین تھا۔

ابتدائی تعلیم مکتب سے شروع ہوئی اور بہت کم عمر میں ہی قرآن شریف کا حفظ مکمل کر لیا۔ حفظ قرآن کے بعد والد ماجد کی خدمت میں تعلیم کا سلسلہ شروع کیا اور اپنے والد سے علوم عقلیہ و نقلیہ حاصل کیے۔ دوران طالب علمی ہی آپ کی ذہانت کا شہرہ عام ہونے لگا، مشکل بحثوں کو سمجھ کر آپ اسے آسان لفظوں میں پیش کر دیتے۔ والد محترم کے علاوہ آپ نے اس وقت کے بڑے علمائے کرام کی بھی شاگردی اختیار کی۔ سیالکوٹ تشریف لے گیے جو اس وقت کا بہت بڑا تعلیمی مرکز تصور کیا جاتا تھا۔ مولانا کمال کشمیری سے (و:1017ھ) جن کو علوم نقلیہ پر دسترس حاصل تھا ان سے مشکل اور اعلیٰ کتابیں پڑھیں اور ان سے معقولات کی تکمیل کی۔ کچھ کتب حدیث شیخ یعقوب صرفی کشمیری سے (و:10003ھ) سے پڑھیں۔ اس کے علاوہ قاضی بہلول بدخشانی (جو حدیث و تفسیر میں بلند مرتبہ رکھتے تھے) سے تفسیر واحدی اور اس کی مولفات، تفسیر بیضاوی اور اس کی تفصیلات، بخاری شریف اور اس کی مولفات، ثلاثیات، ادب المفرد، افعال العباد، مشکوۃ اور شمائل ترمذی اور قصیدہ بردہ وغیرہ کی روایت و اجازت حاصل کی۔ غرض سترہ سال کی عمر میں فراغت حاصل کر لی اور اپنے والد کے ساتھ ہی درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور طویل زمانے تک طلبہ کو اپنے علم سے سیراب کرتے رہے۔ آپ نے عربی و فارسی میں تصنیف کی۔ ان میں رسالہ تہلیلیہ اور رسالہ رد مذہب شیعہ شامل ہے۔

17.2.2 اکبر آباد

اکبری دور حکومت میں آگرے کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ پایہ تخت ہونے کی وجہ سے علم و فن کے اساطین یہاں جمع ہو چکے تھے۔ شیخ احمد سرہندی جب آگرے تشریف لے آئے تو آگرہ ضلالت و گمراہی کا مرکز تھا اور مغل بادشاہ اکبر تخت پر جلوہ افروز تھا۔ قیام آگرہ میں آپ کو ابوالفضل اور فیضی کی صحبتیں بھی حاصل رہی اور بعض اختلافات ہونے کے باوجود بھی دونوں احمد سرہندی کا بہت احترام کرتے تھے۔ ایک دن حضرت مجدد ابوالفیض کے گھر پر تشریف لائے، جو اس وقت غیر منقطوطہ تفسیر (سواطع الالہام) لکھنے میں مصروف تھے۔ ابوالفضل نے جب مجدد کو دیکھا تو خوش ہوئے اور فرمایا کہ تفسیر میں ایک مقام پر غیر منقوط کے ذریعہ تفسیر و تاویل مشکل ہو گئی ہے، آپ نے ان مقامات پر آپ کی رہنمائی فرمائی جس سے فیضی آپ کا علمی اعتراف کیے بنا نہ رہ سکا۔

آگرے میں جب آپ کا قیام بڑھ گیا تو والد گرامی جن کی آنکھ آپ کو دیکھنے کو ترس رہی تھی ضعیفی اور کمزوری کے باوجود آپ نے سرہند سے آگرے تک کا سفر کیا۔ آگرے کے ایک عالم نے جب آپ کے آنے کی وجہ دریافت کی تو فرمایا: بیٹے کی محبت میں گرفتار ہو کر

یہاں آیا ہوں۔ کیوں کہ مجبوریوں کے باعث وہ نہیں آسکتا تھا۔ آگرے سے واپسی میں حضرت مجدد کو اپنے ساتھ سرہند لے گیے۔ راستے میں شہر تھانیسر (موجودہ کروکشیترا، ہریانہ) جب پہنچے تو وہاں کے رئیس (جن کو سلطان کا قرب حاصل تھا) نے جو احمد سرہندی کی خصوصیات واخلاق سے متاثر ہو کر اپنی لڑکی کا رشتہ مجدد کے لیے بھیجا جس کو آپ کے والد محترم نے قبول کیا۔ تھانیسر میں ہی نکاح کی رسم ادا کر کے بہو کو سرہند لے آئے۔ سرہند پہنچے کے بعد آپ والد کی حیات تک ان کی خدمت کی اور ساتھ رہ کر فوائد باطنی حاصل کیے۔ والد محترم نے انتقال کے وقت اپنے تمام صاحبزادوں کو بلا کر اپنا وہ خرقہ خلافت سلسلہ سہروردیہ اور خرقہ خلافت چشتیہ جسے آپ نے شیخ عبدالقدوس گنگوہی (و:1537ء) سے حاصل کیا تھا اور خرقہ خلافت قادریہ جس کو آپ نے شاہ کمال کیتھلی سے حاصل کیا تھا یہ سارے خرقے شیخ احمد سرہندی کو عطا کر کے اپنا جانشین مقرر کیا۔

17.2.3 نقشبندیہ سلسلے میں بیعت

آپ کو حج بیت اللہ اور مدینہ کی زیارت کا شوق ہوا اور وہاں جانے کی رغبت نے آپ کو بے چین کر دیا لیکن والد محترم کی کبیر السن اور علالت کی وجہ سے چھوڑ کر جانا ممکن نہ تھا۔ جب 1007ھ میں والد ماجد کا انتقال ہو گیا تو پھر کوئی رکاوٹ سامنے نہ تھی غرض آپ نے حج بیت اللہ کے لیے رخت سفر باندھا اور سرہند سے نکل کر دہلی پہنچے۔ دہلی پہنچتے ہی علماء وفضلاء کا تانتا لگ گیا کیوں کہ آپ کے علم وفضل کا چرچا دہلی تک پہنچ چکا تھا اسی میں مولانا حسن کشمیری تھے جن سے احمد سرہندی کے پہلے سے مراسم تھے اور انہوں نے گفتگو کے دوران حضرت خواجہ باقی باللہ کے مرتبے اور قوت باطنی کا ذکر فرمایا۔ احمد سرہندی اپنے والد ماجد سے نقشبندیہ سلسلے کا ذکر سن چکے تھے۔ غرض مولانا حسن کشمیری کی رفاقت میں آپ خواجہ باقی باللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ خواجہ باقی باللہ نے بڑی شفقت ومہربانی کے ساتھ آپ کا استقبال کیا۔ خواجہ کی طبیعت میں بہت غیرت تھی وہ کسی کو خود اپنی طرف متوجہ نہیں ہونے دیتے تھے لیکن خلاف معمول آپ نے فرمایا کہ آپ ہمارے یہاں چند روز ٹھہر جائیں۔ احمد سرہندی نے خواجہ باقی باللہ کی اس دردمندانہ گزارش پر رہنے کا فیصلہ کر لیا اور تھوڑے ہی وقفے میں آپ اوج کمال کو پہنچ گیے اور اپنے ہم عصروں اور ہم چشموں میں فائق بن گیے۔ خواجہ باقی باللہ نے بشارت دی کہ آپ کو مکمل طور پر نسبت نقشبندیہ حاصل ہو گئی تو آپ سرہند تشریف لے گیے۔

دوسری بار احمد سرہندی جب دہلی تشریف لائے تو باقی باللہ نے خلعت خلافت عطا کیا اور طریقت کی تعلیم وارشاد کی اجازت دی۔ خاص لوگوں کو تعلیم طریقت کے لیے آپ کے ساتھ کیا۔ آخری بار جب احمد سرہندی نے دہلی کا سفر کیا تو خواجہ باقی باللہ نے پرجوش طریقے سے استقبال کیا اور خوشخبری دی۔ اپنے مریدوں کو حکم دیا کہ احمد سرہندی کی موجودگی میں کوئی میری طرف متوجہ نہ ہو۔ احمد کو رخصت کرتے وقت کہا: "اب ضعف بہت معلوم ہوتا ہے، امید حیات بہت کم ہے، اور اپنے دونوں صاحبزادوں حضرت خواجہ عبداللہ اور حضرت خواجہ عبیداللہ کو جو اس وقت شیر خوار تھے، اپنے سامنے آپ سے توجہ دلائی اور فرمایا کہ ان کی ماؤں کو غائبانہ توجہ دیجیے، چنانچہ آپ نے توجہ دی اور توجہ کا اثر بھی اسی وقت ظاہر ہوا۔"

احمد سرہندی کچھ لمحے سرہند میں قیام فرما کر شیخ کے اشارے پر لاہور کے سفر کا قصد کیا۔ اس وقت دہلی کے بعد لاہور دوسرا

مشہور علمی مرکز تھا۔ لاہور میں علماء و مشائخ نے آپ کا استقبال کیا۔ ابھی آپ لاہور ہی میں تھے کہ خواجہ باقی باللہ اس دنیا سے رخصت ہو گیے۔ جب آپ کو اطلاع ملی تو بے چینی کی کیفیت میں دہلی کا سفر کیا۔ راستے میں سرہند ہونے کے باوجود گھر نہ گیے بلکہ پہلے اپنے شیخ کی قبر پر حاضری دی۔ کچھ دن دہلی میں رک کر سرہند آئے۔ اس کے بعد صرف ایک مرتبہ دہلی گیے۔ آپ کی ہی کوششوں سے ہندوستان میں سلسلہ نقشبندیہ کو بہت زیادہ فروغ حاصل ہوا۔

17.2.4 دعوت کی تبلیغ اور تربیت

حضرت خواجہ میر محمد نعمان بدخشی جو خواجہ باقی باللہ کے شاگرد تھے ان کو آپ نے برہانپور بھیجا اور انہوں نے کئی لوگوں کی اصلاح فرمائی، اس کے بعد حیدرآباد دکن بھیجا۔ جہاں بے شمار لوگ ان کی خانقاہ میں ذکر و مراقبے میں مشغول رہتے۔ اسی طریقے سے شیخ بدیع الدین سہارنپوری کو خلافت کی اجازت دے کر سہارنپور بھیجا پھر وہاں سے آگرہ جانے کا حکم دیا۔ آگرہ میں شیخ بدیع الدین کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی اور بہت سارے سلطنت کے ارکان آپ کے حلقے میں شامل ہو گیے۔ فوج کے ہزاروں لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ان کے یہاں اتنی بھیڑ جمع ہونے لگی کہ بڑے بڑے امراء کو بمشکل ہی زیارت کرنے کا شرف حاصل ہو پاتا۔ غرض آپ کی زندگی میں ہندو پاک کے وسیع و عریض علاقے میں کسی جگہ کم یا زیادہ ان کے خلفاء و مریدین موجود تھے۔ اس کے علاوہ مختلف مقامات پر بہت سارے خلفاء کو تبلیغ کے لیے بھیجا۔ جس میں ترکستان، یمن، شام، روم، کاشغر، توران، بدخشاں اور خراسان کے علاقے اہم ہیں۔ اسی طریقے سے ہندوستان میں بھی دیگر مقامات پر اپنے خلفاء کو دعوت کے لیے بھیجا۔

17.2.5 شیخ احمد سرہندی کی شخصیت

جس مشکل اور پر فتن دور میں حضرت مجدد نے تجدیدی اور اصلاحی کارنامہ انجام دیا۔ آپ نے سلاطین اور بادشاہوں کے غلط رجحانات اور بے اعتدالیوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور کلمہ حق کو بلند کر کے معاشرے کو خطرناک نتائج اور تباہی سے بچا لیا۔ آپ نے بے خوفی، بے غرضی، حق گوئی اور تربیت و عملی مثالوں کے ذریعہ لوگوں کے دلوں میں ہمت و حوصلہ پیدا کر دیا۔ شیخ احمد کے عہد میں ملک کے اندر بظاہر مسلمانوں کی حکومت تھی اور مغلیہ سلطنت پورے آب و تاب کے ساتھ عروج کی طرف رواں دواں تھی۔ آپ نے اپنی زندگی کا شروعاتی دور اکبر کے عہد میں گزارا اور جہانگیر کا عہد آپ نے پایا۔ سلطنت لامذہبیت کے رنگ میں پوری طرح غوطہ زن تھی مگر ہندو مذاہب کے ساتھ مصالحت رکھتی تھی۔ اس بابت شیخ احمد سرہندی ایک مکتوب میں خان اعظم کو لکھتے ہیں: ''اسلام کی غربت و کس مپرسی یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ کفار کھلم کھلا اسلام پر طعن اور مسلمانوں کی مذمت کرتے ہیں اور نڈر ہو کر ہر کوچہ و بازار میں کفر کے احکام جاری کرتے اور اہل کفر کی تعریف کرتے ہیں اور مسلمان اسلام کے احکام جاری کرنے سے روک دیے گیے ہیں اور شرائع کے بجالانے میں ان کی مذمت اور طعن و تشنیع کی جاتی ہے۔'' (ص329) آپ کے دور میں کفر و شرک، ضلالت و گمراہی چاروں طرف تھی اور لوگ دین کی تعلیمات سے انکار کر رہے تھے۔ آپ نے توحید کا علم پھر سے بلند کیا۔

شیخ احمد سرہندی کا خیال تھا کہ لوگوں نے دوسرے مذہبوں کے عقائد کو آنکھ بند کر کے قبول کر لیا اور نبی پاک کی تعلیمات کو مسترد

کر دیا۔ اسی وجہ سے وہ سیدھے راستے پر نہ چل کر بلکہ گمراہ کن تجربے کر کے برباد ہوگیے۔ حضرت مجدد کی ذات گرامی ہی کی کوششوں سے ہندوستان میں اسلام اور اس کی تعلیمات کو صحیح مقام مل سکا۔ مجدد الف ثانی کے علوم و معارف نے ہی ابنائے کفر و ضلال کے حلقہ میں بے چینی پیدا کر دی اور کتنے ہی سیاہ دلوں کو اسلام کی صحیح تعلیمات سے روشن کر دیا۔ غرض آپ کی کوششوں سے قفل شدہ سینے جو طالب حق سے نا آشنا ہو گیے تھے ان کو تسکین و استقامت پر جما دیا۔ اس دور کا سب سے بڑا اور بنیادی مرض ابتداع اور بدعت پسندی تھی جس سے عمل اور عقیدے دونوں کو کمزور کر دیا تھا اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مجدد کی تعلیمات میں اتباع سنت اور رد بدعت کا پہلو غالب نظر آتا ہے۔

17.2.6 جہانگیر اور شیخ احمد

اکبر بادشاہ کے فوت ہو جانے کے بعد نور الدین جہانگیر تخت پر بیٹھا۔ اکبر کے دور میں جس طرح اسلام اور اس کی تعلیمات میں ملاوٹ کی کوشش جس طاقت اور منصوبہ بندی سے کی گئی وہ غیرت مند مسلمانوں کو بے چین کرنے کے لیے کافی تھی۔ اس بے چینی کے عالم میں احمد سرہندی کا نام سرفہرست ہے۔ احمد سرہندی اس کا قلع قمع کرنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن ان کے ہاتھ کوئی سرا نہیں لگ رہا تھا جس سے وہ سلطنت کے رجحان اور اسلام و مسلمانوں کے بارے میں اس کی سیاست پر اثر انداز ہو سکیں۔ آپ نے ان لوگوں کو پیغامات بھیجنے شروع کیے جن کو سلطان کا تقرب حاصل تھا اور وہ احمد سرہندی سے بھی عقیدت رکھتے تھے۔ بظاہر جہانگیر کو اسلام سے کوئی دشمنی نہیں تھی اور نہ ہی اس کو کسی نئے دین و آئین کو جاری کرنے کا شوق تھا۔ احمد سرہندی نے جہانگیر کی طبیعت سے فائدہ اٹھا کر ان اثرات کو ختم کرنے کا ارادہ کیا جو اکبر کے دور حکومت میں وقوع پذیر ہوئے۔ لیکن یہ کام شروع بھی نہیں ہو پایا تھا کہ گوالیار میں قید و بندی کا واقعہ پیش آیا۔ گوالیار کی اسیری کئی وجوہات سے حضرت مجدد کی حیات اور اس زمانے کی اصلاحی و تجدیدی تاریخ کا اہم واقعہ ہے۔

ایک بار شرارت پسندوں نے مجدد الف ثانی کے مکتوبات میں تبدیلی کر کے کفریہ اور زندیقانہ باتیں مضمون میں شامل کر کے اس کی نقلیں ہندوستان و افغانستان کے عالم دین کو بھیج کر ان سے اس مضمون کی بابت فتوے طلب کیے گیے۔ حالانکہ شیخ احمد کے مخلصین ان سازشوں سے باخبر کرتے رہتے تھے لیکن آپ ان لوگوں کو لکھ کر بھیجتے کہ ان باتوں کی مطلق پرواہ نہ کرو اور اللہ کے ذکر میں مشغول رہو اور کبھی کبھار ان کو ان بہتانوں کا جواب بھی لکھ دیتے جو ان پر لگائے جاتے تھے۔ ان سازشوں کے اثر سے شیخ عبدالحق محدث دہلوی(م:1642) جیسی شخصیت بھی نہ بچ سکی۔ اس کے ساتھ بادشاہ اور دربار کے ارا کین بھی متاثر ہوئے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے تو اس کے رد میں مضامین بھی لکھ ڈالے۔ اس کے جواب میں شیخ احمد سرہندی نے اپنے مضمون کے اصل مخطوطے ان کو بھیجے اور کہا کہ اس طرح کی بات میں نے کبھی نہیں کہی ہے اور یہ میرے ایک مرید کی شرارت ہے جس نے مجھے ذلیل و رسوا کرنے کی کوشش کی۔ حالانکہ وہ شخص میری بددعا سے بخارا میں ارتداد میں قتل کیا گیا۔ اس پر شیخ عبدالحق محدث نادم ہوئے اور رجوع کیا۔

17.2.7 گوالیار میں نظر بندی

اس سازش کا معاملہ اتنا بڑھا کہ بادشاہ جہانگیر بھی اس کے شکار ہوئے اور شیخ احمد سرہندی کو بلوالیا۔ آپ نے بادشاہ کے دربار میں جا کر اس کی تفصیل پیش کی اور کلی طور پر ان کو سمجھا دیا۔ اس کے بعد سازش کرنے والوں نے جب دیکھا کہ ہمارا پلان کامیاب نہ ہو سکا تو ان

لوگوں نے دوسری تدبیر کی اور بادشاہ کو ورغلایا کہ حضور یہ شخص سلطنت کے لیے نقصان دہ ہے کیوں کہ ہزاروں وفادار مرید اپنے اطراف جمع کیے ہوئے ہیں۔ اس بات کا ڈر ہے کہ ملک کی سالمیت کو نقصان نہ پہنچا دے۔ یہ گھمنڈی انسان ہے کیوں کہ جب علمائے کرام نے سجدہ تعظیمی کو جائز قرار دے چکے ہیں تو یہ شخص اپنے مکتوبات میں اس کی مخالفت کرتا ہے۔ اس کی واضح مثال یہ ہے کہ اس کو سجدہ تعظیمی کا حکم دیا جائے لیکن یہ اس پر عمل نہیں کرے گا۔ بادشاہ کے لیے سیاسی ڈر مذہبی ڈر سے زیادہ تھا کیوں کہ اس سے سلطنت کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا اس لیے یہ بات بادشاہ کے دل میں بیٹھ گئی۔ شیخ احمد سرہندی کو دوبارہ بلایا گیا اور سجدہ تعظیمی کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔ اس مطالبے کو شیخ احمد نے سرے سے خارج کر دیا اور فرمایا: ''سجدہ ازروئے نص قرآنی خالق کے لیے مخصوص ہے اس سے بڑھ کر حماقت اور بطالت کیا ہوگی کہ ایک مخلوق اپنے جیسی عاجز و محتاج مخلوق کو سجدہ کرے۔'' اس نافرمانی کے عوض میں شیخ احمد سرہندی کو سزائے موت سنائی گئی لیکن پھر اس کو غیر محدود مدت کے لیے قید کا حکم دیا گیا۔ شہزادہ خرم (شاہجہاں) جس کو شیخ احمد سرہندی سے عقیدت تھی اس نے اپنے خاص لوگوں کو اس مسئلے کی کاپی کے ساتھ بھیجا جس پر علمائے کرام آداب شاہی (یعنی سجدہ) کو جائز قرار دیا تھا۔ شہزادہ خرم نے گزارش کی کہ آپ صرف بادشاہ سے ملاقات کے وقت یہ کرلیں تو میں اس بات کی ذمہ داری لیتا ہوں کہ آپ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ شیخ احمد سرہندی نے فرمایا: ''جان بچانے کے لیے اگرچہ جائز ہے لیکن یہ رخصت ہے اور عزیمت اس میں ہے کہ غیر اللہ کو سجدہ نہ کیا جائے۔'' نظر بندی کے دوران آپ نے اصلاح و تبلیغ کا کام جاری رکھا اور ان کی کوششوں سے کئی ہزار لوگ مسلمان ہوگیے۔ بحالت قید میں اس وقت تک خط و کتابت اور ملاقات پر پابندی عائد نہیں ہوتی تھی۔ یقینی طور پر پرچہ نویس جو ہر ایک بات کو بادشاہ تک پہنچایا کرتے تھے انہوں نے شیخ احمد کے خیالات اور آپ کے ارادوں سے بھی باخبر کیا ہوگا۔ ایک سال کا وقفہ گزرنے کے بعد بادشاہ اپنے کرتوت پر شرمندہ ہوا اور حضرت کو عزت واحترام کے ساتھ باہر نکالا گیا اور معذرت کی۔ اسی وجہ سے شیخ مجدد کی گوالیار نظر بندی ختم ہونے کے بعد جہانگیر ان کو اپنے ساتھ رکھا تا کہ اطمینان بخش ہو جائے کہ آپ سے سلطنت کو کوئی خطرہ تو نہیں۔ اس موقعہ سے آپ نے فائدہ اٹھاتے ہوئے بادشاہ کو نصیحت کی۔ بعد نماز مغرب خاص صحبت بادشاہ سے روزانہ رہتی تھی۔ کچھ عرصے بعد جہانگیر کو جب مجدد کے طور طریقے و طرز عمل سے مکمل طور پر اطمینان ہوگیا تو اس نے آپ کو آزادانہ طریقے پر رہنے کی اجازت دے دی۔

17.2.8 شیخ احمد سرہندی کی کامیابی

جہانگیر جب تخت نشین ہوا تو عرصے تک اکبری عہد کے رسم ورواج جاری و ساری رہے۔ عہد اکبری و جہانگیر کا شروعاتی دور اسلامی تعلیمات کے مطابق پریشان کن اور ظلم وجور کا دور تھا۔ لامذہبیت اور بے اعتقادی انتہائی عروج پر تھی اس کے علاوہ غیر اسلامی رسم ورواج عام تھی جس کا دسواں حصہ بھی اس سے پہلے کے زمانے میں نہیں ملتا۔ اسلام کی علی الاعلان جو مخالفت ہوتی تھی جہانگیری عہد میں اس میں کمی ہوئی۔ یہاں تک کہ جہانگیر کی طبیعت خود شریعت اسلامی کی طرف راغب ہوئی۔ اس وقت میں علمائے کرام کی بھی تعداد کافی تھی اور ان لوگوں نے ایسے پر فتن دور میں اپنی تحریر وتقاریر سے دین وسماج کی خدمت کی۔ ان تحریروں اور نصیحتوں سے عوام الناس نے استفادہ بھی کیا لیکن ایک شخص جس نے حکومت میں تبدیلی پیدا کی اور اپنے ارادے پر عمل پیرا ہو کر حکومت کے مد مقابل کھڑا ہوا۔ اپنے صبر و تقوی

سے اسلامی تعلیمات کے سامنے حکومت کو جھکنے پر مجبور کر دیا وہ شخصیت شیخ احمد سرہندی کی ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی کی کامیابی ہے کہ جہانگیر خصوصی مجلس میں آپ سے وعظ و نصیحت سنتا تھا۔ آپ نے قلم اور زبان کی کوششوں سے جہانگیر کے دربار سے شاہی آداب میں جو سجدہ تعظیمی کی روایت تھی اس کو ختم کرایا۔ شریعت کے خلاف جو قانون سلطنت میں رائج تھے اس کو منسوخ کروایا۔ پرانی اور کھنڈر مسجدوں میں پھر سے عبادت شروع کی گئی اور شرعی قانون کو نافذ کروایا۔ جہانگیر نے گناہوں سے توبہ کرتے ہوئے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔۔

17.2.9 دنیادار عالموں کے خلاف جہاد

وہ علمائے کرام جن کو دنیا کی جاہ و محبت تھی اور گمراہی کا سبب تھے ان کے خلاف محاذ کھولا۔ کیوں کہ یہ لوگ اہلیت اور خوف خدا سے عاری ہونے کی وجہ سے اجتہاد کرتے اس وجہ سے قرآن وحدیث کی صحیح رہنمائی میں اس کے معانی کو بدل کر نئے عقائد و خیال کو ایجاد کر رہے تھے۔ اس کے علاوہ روز دین میں نئ نئ باتیں شامل کرتے۔ عہد اکبری میں اس کی بہت ساری مثالیں موجود ہے۔ کس طرح کے علمائے دین اکبر کے دربار سے جڑے ہوئے تھے آپ اس سے قیاس کرسکتے ہیں۔ ملا عبداللہ سلطان پوری جن کا عہدہ مخدوم الملک تھا۔ انہوں نے صرف حج پر نہ جانا پڑے اس لئے حج کی فرضیت کے ختم ہونے کا فتویٰ دیا۔ ملا بدایونی لکھتے ہیں:"ایک مرتبہ محفل میں خان جہاں نے کہا کہ مخدوم الملک نے فتویٰ دیا ہے کہ ان دنوں حج پر جانا فرض نہیں بلکہ ایک طریقے سے گناہ ہے۔ جب لوگوں نے وجہ دریافت کی تو انہوں نے یہ دلیل دی کہ حج کے لیے خشکی کا راستہ تو گجرات اور عراق کا ہے جو قزلباشوں کی لوٹ مار سے پُرخطر ہے اور اگر سمندر کے راستے جائیں تو فرنگیوں سے پروانہ راہداری لینے کی ذلت اٹھانی پڑتی ہے۔ ان کے پروانہ راہداری پر صلیب کا نشان اور حضرت عیسیٰؑ و حضرت مریمؑ کی تصویر چسپاں رہتی ہے جو بت پرستی کی ایک شکل ہے اس لیے یہ دونوں راستے حج کے لیے بند ہیں اور ان دونوں صورتوں کے علاوہ اور کسی طریقے سے حجاز پہنچنا ممکن نہیں اس لیے فریضہ حج ساقط ہو چکا ہے۔۔۔ مخدوم الملک سے متعلق خان زمان نے ایک بات اور بتائی کہ وہ زکوٰۃ سے بچنے کے لیے یہ حیلہ کرتا ہے کہ ہر سال کے اختتام سے قبل اپنا سارا مال و متاع اپنی بیوی کے نام ہبہ کر دیتا ہے اور اسی طرح دوسرے سال کے ختم ہونے سے پہلے وہ نیک بخت سارا مال و متاع اس کے نام منتقل کر دیا کرتی ہے۔ زکوٰۃ کی آدائیگی کے لیے جو کامل سال گذرنے کی شرط ہے چوں کہ اس طرح ہیر پھیر میں یہ شرط پوری نہ ہوتی تھی اس لیے ان پر زکوٰۃ فرض نہ ہوتی تھی۔"(حضرت مجدد الف ثانی ،ص292)علماء کے انتشار کی وجہ سے بادشاہ کی نظر اسلام کی عظمت کم تر ہوتی گئی۔ اکبر کی فطرت اور کچھ حالات کی وجہ سے اکبر نے اسلامی عقیدہ سے انکار کرکے بے دینی کی روش اختیار کی۔ بچپن سے جوانی تک دیکھا جائے تو اکبر ایک راستے پر نہیں رہا بلکہ اس کے نظریے اور اعتقاد میں تبدیلیاں واقع ہوتی رہیں۔ طبیعت ہمیشہ نئ کھوج کی متلاشی رہی اسی وجہ سے غلط لوگوں کی صحبتوں نے اسے راہ راست سے بھٹکا دیا۔ شروعات میں وہ طلب حق کا طالب تھا اور اسی تلاش کے تحت وہ ہر مذہب کے معتقدوں سے ان کی تاریخ کو ادراک کرنے کی سعی کرتا لیکن درباری علماؤں نے سیدھے راستے پر گامزن کرنے کے بجائے اپنے مراتب و درجے کو بڑھانے کے لیے ایک دوسرے کی بے عزتی کرنے لگے ۔ کسی مسئلے پر علماء کا ایک گروہ اسے حلال کہتا تو دوسرا گروہ اسے حرام قرار دیتا۔ انہی حرکتوں کی وجہ سے اکبر دین اسلام سے دل برداشتہ ہو گیا۔ دربار میں دوسرے مذہب کے معتقدوں نے اس صورتحال سے خوب فائدہ اٹھایا اور اکبر کے ذہن کو انکار وانحراف میں تبدیل کر دیا۔

اسی مناسبت سے آپ نے ایک مکتوب جو صدر جہاں کے نام تحریر کیا تھا فرماتے ہیں:"آپ کو معلوم ہے کہ زمانہ سابق میں جو فساد پیدا ہوا تھا وہ علماء کی ہی کم بختی سے ظہور میں آیا تھا اس بارے میں امید ہے کہ پورا پورا تتبع مد نظر رکھ کر علمائے دیندار کا انتخاب کر کے پیشدستی کریں گے علماء بد دین کے چور ہیں ان کا مقصود ہمہ تن یہ ہے کہ خلق کے نزدیک مرتبہ و رعب داب اور بزرگی حاصل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ان کے فتنے سے بچائے۔"(ص426)

17.2.10 تجدیدی کارنامہ

شیخ احمد سرہندی کے ذریعہ اسلام کی حفاظت و تقویت کا کام ہوا جس کو حدیث کی معروف اصطلاح میں "تجدید" کہا گیا ہے۔ ملا عبدالحکیم سیالکوٹی(و:1657) نے کسی موقع پر شیخ احمد کو مجدد ثانی کے نام سے مخاطب کیا تھا۔ اس لقب کو عوام میں بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ آپ کی اصلاحی کوششوں اور کارناموں سے صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ اسلامی ممالک بھی متاثر ہوئے۔ آپ نے ایسے دور میں اپنی تحریک کی شروعات کی جب اسلامی تعلیمات کا اثر کم کرنے سے بات آگے بڑھ چکی تھی اور اسلام کو ہی ختم کرنے کی مختلف قسم کی کوششیں چل رہی تھی۔ دشمنان اسلام ایک منصوبہ بند طریقے سے سازشیں کر رہے تھے اور مخالفین کے یہ حملے چوطرفہ تھے۔ ایک جماعت ان لوگوں کی تھی جو دن بہ دن اسلام میں نئی رسم شروع کر رہے تھے۔ دوسری طرف صوفیوں کے گروہ نے عقائد اسلام کی تصویر بگاڑ رہے تھے۔ تیسرا گروہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب رسول و خلفائے راشدین کو برا بھلا کہہ رہے تھے۔ ایک گروہ یہود و نصاریٰ اور دوسرے غیر مذاہب کا جو دین اسلام کو مسترد کرنے کے لیے کوشاں تھے۔ یہ تمام گروپ کا آپس میں متحد تھے اور بادشاہ کے دربار میں ان لوگوں کو رسائی حاصل تھی۔ بادشاہ وقت جلال الدین اکبر جو شروعاتی دور میں علماء و صوفیا کی صحبت میں رہتا تھا اس کو ان لوگوں نے اسلام کا مخالف ہی نہیں بلکہ غیر اسلامی احکام کو رائج کرنے والا بنا دیا۔ اکبر باقاعدہ طور پر علماء کی مجلسیں منعقد کرواتا اور ان سے فیضیاب ہوتا۔ انہی مجلسوں میں جب علمائے کرام ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش کرنے لگے اور ہر شخص خود کو افضل ثابت کرنے کی سعی کرنے گا۔ مذہب و مسلک کی رائے کے متعلق معاملہ اتنا بڑھ گیا کہ رسوا کیا جانا شروع ہو گیا اور کافر کے فتوے دیے جانے لگے۔ مسلکی معاملات جب حد سے تجاوز ہو گیے تو دین اسلام کو برا بھلا کہا جانے لگا۔ علماء کے آپسی انتشار و مختلف فیہ ہونے کی وجہ سے دوسرے لوگوں کو بڑھنے کا موقع ملا۔ ان لوگوں نے صحیح باتوں کو توڑ مروڑ کر پیش کیا جس کی وجہ سے اکبر جو ان پڑھ تھا اس نے علماء کی روز بحث و مباحثہ سے تنگ تھا اور اہل بدعت نے اس کو بڑی ہوشیاری سے دین اسلام سے متنفر کر دیا۔ اکبر نے پانچ یا چھ سالوں کے اندر اسلامی شریعت کو بہت چوٹ پہنچائی اور ان لوگوں کی اصلاح کے بجائے بگاڑ کی طرف اپنا قدم آگے بڑھایا اور ایک نئے مذہب کی بنیاد رکھی جس کو "دین الٰہی" کے نام سے موسوم کیا۔

حضرت مجدد الف ثانی نے اس مقاصد کے حصول کی کوشش شروع کی۔ سب سے پہلے آپ نے سلطنت کے اراکین و شاہی دربار سے شروعات کی اور جہانگیر کے عہد میں جتنے عالی مرتبہ اشخاص تھے ان کو اپنا مرید بنایا۔ آپ نے ان لوگوں کے دلوں میں اسلامی تعلیمات کی عظمت و مودت کا ایسا سبق پڑھایا کہ ان لوگوں کی زندگی کا مقصد واضح نظر آنے لگا۔ انہی ارکان کے توسط سے حکومت کی حرکات و سکنات کو صحیح راستے پر گامزن کیا۔ کیوں کہ انہی لوگوں کے ہاتھوں میں سلطنت کا پورا کاروبار تھا اور ان کو مرتبہ حاصل تھا۔ یہ سلطنت کے اراکین

جن کی خدمات سے مجد دثانی تبدیلیاں لانے کی کوشش کر رہے تھے وہ لوگ آگرہ و قرب وجوار میں رہتے تھے اور شیخ احمد ان کو برابر ہدایات جاری کرتے رہتے۔ تعجب اس بات پر ہے کہ یہ ساری کوششیں اس وقت عمل میں آئیں جب آج کی طرح نہ تو موبائل یا سوشل نیٹورک موجود تھے اور نہ ہی خطوط و رسائل کا بہت بہتر سلسلہ تھا۔ڈاک کا نظام تھا تو وہ بہت محدود تھا۔اس کے باوجود آپ نے سرہند میں بیٹھ کر اپنی حکمت عملی سے حکومت کی مشینری کے سمت کو تبدیل کر دیا۔ انہی لوگوں کی مدد سے آپ نے بادشاہ تک کلمہ حق پہنچانے اور صحیح اسلامی تعلیمات کی طرف توجہ مبذول کرائی۔ شیخ احمد سرہندی کے مکاتیب کا اگر آپ مطالعہ کریں تو اس بات کا اندازہ ہو گا کہ احمد سرہندی نے کس طریقے سے بادشاہ کے مصاحبوں اور ہم رازوں کو اپنی تعلیمات سے متاثر کیا تھا اور بعد میں انہی لوگوں نے شیخ کے اصلاحی کلام یا تعلیمات کو بادشاہ کے پاس پہنچا دیتے تھے۔ گویا یہ لوگ شیخ کا پیغام بادشاہ تک پہنچانے والے تھے۔ یہ تدبیر بہت کارگر ثابت ہوئی اور کچھ ہی دنوں کے بعد بادشاہ کی طبیعت اسلامی تعلیمات کی طرف راغب ہونے لگی۔ اس مقام تک پہنچنے میں کافی پریشانیوں کا سامنا بھی کرنا پڑا کیوں کہ جب آپ درباری لوگوں کی اسلامی تعلیمات سے متاثر کر رہے تھے تو بعض عالموں نے جو آپ کو اور آپ کے مقاصد سے ناواقف تھے۔ ان لوگوں نے متعصب ہو کر اپنی پرانی چالوں سے جو ارباب حق کے لیے استعمال کرتے تھے آپ کے ساتھ بھی کیا۔ بعض نے کفر اور گمراہی کا فتویٰ لگا کر بادشاہ کو بدظن کرنے کی کوشش کی۔

17.2.11 صوفیوں کی اصلاح

صوفیوں کی ایک جماعت جو اسلامی تعلیمات سے گمراہ ہو گئی تھی اور اسلام کی شبیہ خراب کی تھی۔ آپ نے ان کے خلاف عملی، زبانی اور تحریری کوششیں کی۔ اس دور کے تمام صوفیائے کرام وحدت الوجود کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ ان لوگوں کا زیادہ تر وقت بے خودی کی کیفیت میں بسر ہوتا تھا اور وہ لوگ ہر وقت اس افکار کی ترویج و اشاعت کرتے رہتے تھے۔ ان افکار کو قبولیت کی وجہ سے اکبر پر یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ "خدا کی پرستش کے بہت سے طریقے ہیں اور تمام مذاہب حقیقت پر مبنی ہیں، جب تمام موجودات مظاہر الٰہی ہیں تو بچھڑے اور ستارے کی صورت میں بھی خدا کی ہی پرستش ہو گی۔" اس عہد میں پورا ملک روحانی طور پر مفلسی کا شکار تھا اور کوئی بھی شخص ایسا نہ تھا جو عوام الناس کی صحیح طور پر رہنمائی کر سکے۔ گرچہ اکبر علمائے دین سے بدگمان ہو چکا تھا لیکن صوفیائے کرام کے متعلق وہ اچھی رائے رکھتا تھا اور یہ گمان کرتا کہ یہ لوگ تو ہمیشہ اللہ کی یاد میں مشغول رہتے ہیں اور اس کے علاوہ کوئی چیز ان کو عزیز نہیں۔ اسی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے چند نام نہاد صوفیوں نے تصوف کو نقصان پہنچایا۔ ان لوگوں نے حلول کے تعلق سے غیر مسلموں کے نظریے کی تائید کی اور اکبر کے سامنے دلائل کی بھرمار کر دی۔ غرض ان لوگوں کی طرف سے جتنے بھی فتنے اٹھائے گیے شیخ نے سب کو گمراہ کن اور الحاد وزندقہ قرار دیا اور ان صوفیائے کرام کی مراد ظاہر کی جو وحدۃ الوجود کے قائل ہیں۔ جو یہ کہتے تھے ہر چیز خدا ہے یا یہ فقیر جب مکمل ہو جاتا ہے تو وہ خدا سے متحد ہو جاتا ہے اور اس کی ہستی گویا خدا کی ہستی میں تحلیل ہو جاتی ہے۔ ان بھٹکے ہوئے صوفیوں کا یہ بھی ماننا تھا کہ اللہ کی عبادت اسی وقت ضروری ہے جب کہ معرفت نہ حاصل ہو اور معرفت حاصل ہو جانے کی بعد اس کی چنداں ضرورت نہیں۔ اسی طرح سے ان لوگوں کا یہ بھی خیال تھا کہ انسان کا باطن صحیح ہونا چاہیے اور نماز، روزہ وغیرہ کی اللہ والوں کو ضرورت نہیں۔ غرض شیخ احمد سرہندی نے ان تمام برائیوں کو ختم کیا جو

تصوف کے اندر داخل ہو گئی تھیں اور صاف ستھرا و نیک اسلامی تصوف دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اس کے علاوہ ان لوگوں کی بھی اصلاح فرمائی جو تصوف کا سرے سے انکار کرتے تھے۔

17.2.12 وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود

اسلامی تصوف میں وحدۃ الوجود (اس کا مطلب ہے کہ خدا کائنات ہے اور کائنات خدا۔ اس فلسفے کی بانی شیخ محی الدین ابن عربی ہیں) اور وحدۃ الشہود (کا مطلب یہ ہے کہ کائنات خدا کا پرتو ہے۔ مجدد الف ثانی کا کہنا تھا کہ: "کائنات و عالم چونکہ مرتبہ وہم میں بہرحال موجود ہے اس لئے نفی صرف شہود کی ہونی چاہیے، یہ وہ مقام ہے کہ جب سالک اللہ کے سوا کچھ نہیں دیکھتا چنانچہ اس وقت اس کی توحید یہ ہے کہ وہ مشہود صرف اللہ کو مانے اور انہیں صرف اللہ دکھائی دے رہا ہو) یہ نظریہ بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ دونوں نظریوں میں تضاد نہیں بلکہ وحدۃ الشہود کا نظریہ وحدۃ الوجود کو مکمل کرتا ہے۔ جو وجود کی منزل پر نہیں چلا وہ شہود کی منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔ حضرت مجدد بھی ان منزلوں سے گزر کر شہود کی منزل پر پہنچے۔ وحدۃ الشہود کے نظریے کا بانی شیخ احمد سرہندی کو تصور کیا جاتا ہے حالانکہ اس سے پہلے شیخ علاء الدین سمنانی (م:736ھ) کے یہاں بھی وجود اور شہود کی بحث ملتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ شیخ احمد سرہندی نے اس تصور کو قاعدے سے پابندی کی ساتھ پیش کیا جس نے باقاعدہ ایک نظریہ کی صورت اختیار کر لی۔

17.3 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- شیخ احمد سرہندی شجرہ نسب 31 واسطوں سے خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ سے جاملتا ہے۔ آپ کابل کے ایک ممتاز خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ 971ھ /1564ء میں سرہند میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد شیخ عبد الاحد (و:1598ء) ایک بہت بڑے عالم شمار کیے جاتے ہیں۔۔
- جس مشکل اور پر فتن دور میں حضرت مجدد نے تجدیدی اور اصلاحی کارنامہ انجام دیا۔ آپ نے سلاطین اور بادشاہوں کے غلط رجحانات اور بے اعتدالیوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور کلمہ حق کو بلند کر کے معاشرے کو خطرناک نتائج اور تباہی سے بچا لیا۔ آپ نے بے خوفی، بے غرضی، حق گوئی اور تربیت و عملی مثالوں کے ذریعہ لوگوں کے دلوں میں ہمت و حوصلہ پیدا کر دیا۔
- شیخ احمد سرہندی کے ذریعہ اسلام کی حفاظت و تقویت کا جس کو حدیث کی معروف اصطلاح میں "تجدید" کہا گیا ہے۔ ملا عبد الحکیم سیالکوٹی (و:1657) نے کسی موقع پر شیخ احمد کو مجدد ثانی کے نام سے مخاطب کیا تھا۔ اس لقب کو عوام میں بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ آپ کی اصلاحی کوششوں اور کارناموں سے صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ اسلامی ممالک بھی متاثر ہوئے۔
- وحدۃ الشہود کے نظریے کا بانی شیخ احمد سرہندی کو تصور کیا جاتا ہے حالانکہ اس سے پہلے شیخ علاء الدین سمنانی (م:736ھ) کے یہاں بھی وجود اور شہود کی بحث ملتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ شیخ احمد سرہندی نے اس تصور کو قاعدے سے پابندی کی ساتھ پیش کیا جس

نے باقاعدہ ایک نظریہ کی صورت اختیار کرلی۔

17.4 کلیدی الفاظ

خرقہ : گدڑی، پیوند لگا ہوا، کسی صوفی کا اونی لباس (وہ لباس جو شیخ مرید کو اپنا مرید کرنے کے بعد دے اور اس کو خلافت و اجازت عطا کرے)

17.5 نمونہ امتحانی سوالات

17.5.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. شیخ احمد سرہندی کا شجرہ نسب کس سے جا کر ملتا ہے۔

(a). حضرت ابو بکرؓ (b). حضرت عمرؓ (c). حضرت عثمانؓ (d). حضرت علیؓ

2. شیخ احمد سرہندی کہاں پیدا ہوئے۔

(a). سرہند (b). دیوبند (c). دہلی (d). آگرہ

3. شیخ احمد سرہندی کب پیدا ہوئے۔

(a). 1563ء (b). 1550ء (c). 1535ء (d). سب غلط

4. شیخ احمد سرہندی کو کس لقب سے نوازا گیا۔

(a). مجدد الف ثانی (b). مورخ (c). فلسفی (d). متکلم

5. شیخ احمد سرہندی نے نقشبندیہ سلسلے کی بیعت کس صوفی سے لی۔

(a). خواجہ باقی باللہ (b). مولانا حسن کشمیری (c). شیخ بدیع الدین (d). نعمان بدخشی

6. گوالیار میں نظر بندی کس کے عہد میں ہوئی۔

(a). جہانگیر (b). ہمایوں (c). بابر (d). سب صحیح

7. کس شہزادے کو شیخ احمد سرہندی سے عقیدت تھی؟

(a). شہزادہ خرم (b). داراشکوہ (c). اکبر (d). تمام غلط

8. وحدۃ الشہود نظریے کا بانی کون ہے؟

(a). شیخ احمد سرہندی (b). ابن عربی (c). معین الدین چشتی (d). ذوالنون مصری

9. وحدۃ الوجود نظریے کا بانی کون ہے؟

(a). شیخ احمد سرہندی (b). ابن عربی (c). معین الدین چشتی (d). ذوالنون مصری

10. دین الٰہی کی بنیاد کس نے رکھی؟

(a). جہانگیر (b). اکبر (c). اورنگ زیب (d). بہادر شاہ ظفر

17.5.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. شیخ احمد سرہندی کی ابتدائی زندگی پر روشنی ڈالیے۔
2. نقشبندیہ سلسلے میں بیعت کی روداد لکھیے۔
3. دعوت کی تبلیغ اور تربیت پر مضمون لکھیے۔
4. شیخ احمد سرہندی کی شخصیت کا جائزہ لیجیے۔
5. نظریہ وحدت الشہود پر نوٹ لکھیے۔

17.5.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. شیخ احمد سرہندی کی کامیابیوں کا تفصیلی جائزہ لیجیے۔
2. گوالیار میں نظر بندی کے واقعے پر مضمون لکھیے۔
3. عالموں اور صوفیوں کی اصلاح کے لیے کیا اقدامات کیے؟ بیان کیجیے۔

17.6 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. حضرت مجدد الف ثانی، مولانا سید زوار حسین، ادارہ مجددیہ، کراچی، 1975ء
2. تاریخ دعوت وعزیمت (جلد 4) مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنو، 2008ء
3. تذکرہ مجدد الف ثانی، مولانا منظور محمد نعمانی، دارالاشاعت اردو بازار کراچی، 1977ء
4. سیرت مجدد الف ثانی، پروفیسر محمد مسعود احمد، امام ربانی فاؤنڈیشن کراچی، 2005ء

اکائی 20: شبلی نعمانی

اکائی کے اجزا:

20.0 تمہید
20.1 مقاصد
20.2 شبلی نعمانی
20.2.1 حسب ونسب
20.2.2 ولادت
20.2.3 تعلیم وتربیت
20.2.4 تعلیمی اسفار
20.2.5 تحصیل علم حدیث
20.2.6 وکالت کی تعلیم وملازمت
20.2.7 علیگڑھ سے وابستگی
20.2.8 علی گڑھ کے اثرات
20.2.9 کالج پر مولانا کے اثرات
20.3 تصنیفات
20.4 مستشرقین کے متعلق علامہ شبلی کی آراء
20.5 نظریہ تعلیم
20.6 دارالمصنفین
20.7 اکتسابی نتائج
20.8 نمونہ امتحانی سوالات
20.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

20.8.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

20.8.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

20.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

20.0 تمہید

انیسویں صدی میں اسلامی تہذیب وثقافت جدید تمدن ومعاشرت خاص کر مغربی تہذیب کے آگے دم توڑ رہی تھی۔ خلافت عثمانیہ اپنے وجود وبقا کی جنگ لڑ رہی تھی، مغربی طاقتیں مسلم سلطنتوں کا یکے بعد دیگرے خاتمہ کر رہی تھیں۔ امت مسلمہ سیاسی، سماجی، اقتصادی ومعاشرتی بحران کا شکار تھی۔ ایسے حالات میں اللہ تعالی نے اپنے دین حنیف کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس وعدے کا مکمل ہونا بالکل برحق ہے۔ لیکن تکمیل وعدے کے لیے ظاہری تدابیر اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے اللہ تعالی نے ہر زمانے میں اس ضرورت کے مطابق ایسے اشخاص پیدا کرتا ہے جو اس ضرورت کو مکمل کر کے دین الہی کی حفاظت کا کام کرتے ہیں۔ ایسے ہی اشخاص میں علامہ شبلی نعمانی کا شمار ہوتا ہے۔

20.1 مقاصد

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد آپ علامہ شبلی نعمانی کی حیات اور ان کی خدمات سے واقف ہوں گے۔

20.2 شبلی نعمانی

20.2.1 حسب ونسب

شمالی ہندستان کے صوبہ اتر پردیش کے ضلع اعظم گڑھ میں بندول نامی گاؤں میں راجپوتوں کی آبادی تھی جس کے مورث اعلی تقریبا پانچ سو برس قبل مسلمان ہوئے تھے۔ اسی خاندان میں مولانا شبلی نعمانی کی پیدائش ہوئی۔ مولانا کے دادا کا نام منشی شیخ حسن علی تھا ان کے چار بیٹے تھے، شیخ حبیب اللہ، شیخ مجیب اللہ، شیخ عجیب اللہ اور شیخ نجیب اللہ۔ مولانا کے والد شیخ حبیب اللہ تھے۔ شیخ حبیب اللہ نے ابتدائی تعلیم کے بعد فارسی کی پڑھائی کی اور اس میں خاص ذوق پیدا کیا۔ اس زمانے میں فارسی اور ابتدائی عربی کی تعلیم کے بعد لوگ قانون کا امتحان دیتے تھے، چونکہ شیخ صاحب کے گھر میں زمینداری اور مقدمات و قانون عدالت کا چرچہ تھا، لہذا دستور کے مطابق وکالت کی بھی تعلیم حاصل کی۔ اس پیشے میں ان کو ایسا فروغ ہوا کہ ضلع کے چوٹی کے وکیلوں میں ان کا شمار ہوتا تھا، اس کے علاوہ شیخ حبیب اللہ نے نیل کا بزنس بھی کیا اور دیسی شکر کے کارخانے قائم کیے تھے۔ مولانا کی والدہ ماجدہ نہایت نیک اور دیندار بی بی تھیں، تہجد تک ناغہ نہیں کرتی تھیں۔ ان دونوں سے اللہ نے ان کو چار بیٹے اور ایک بیٹی عطا کی۔ ان چاروں بھائیوں میں علامہ شبلی سب سے بڑے تھے۔

20.2.2 ولادت

مولانا شبلی نعمانی کی ولادت ذیقعدہ 1273ھ بمطابق مئی 1857 میں عین اس ہنگامہ خیز زمانے میں ہوئی جو عام طور سے غدر کے نام سے مشہور ہے۔ والدین نے بچے کا نام محمد شبلی رکھا۔ غالباً یہ نام ان کے تصوفانہ ذوق کا پتہ دیتا ہے، شبلی مشہور صوفی بزرگ حضرت شیخ شبلی بغدادی کی طرف منسوب ہے۔ ابتدائی تحریروں میں مولانا اپنا نام محمد شبلی ہی لکھتے تھے، بعد میں صرف شبلی کر دیا اور نام کے ساتھ نعمانی لکھنے لگے۔ نعمانی کا لقب مولانا نے خود سے نہیں اختیار کیا بلکہ ان کے استاذ مولانا فاروق صاحب چریا کوٹی رکھ دیا۔ کیونکہ علامہ شبلی اپنے آپ کو حنفی کہلانا موجب فخر سمجھتے تھے اور ان کے استاذ بھی سخت حنفی تھے اس لیے نعمانی ان کا لقب پڑ گیا۔

20.2.3 تعلیم و تربیت

مولانا کا بچپن بہت ناز و نعم میں گزرا، فطرۃ ذہین تھے اور حافظہ بھی قوی تھا، اس لیے ابتدا سے ہی دوران تدریس اساتذہ کی دلچسپی کا مرکز بنے رہتے تھے۔ اس وقت روایتی طور پر آپ کے والد نے انہیں علم دین کی خدمت کے لئے وقف کیا۔ بڑی دھوم سے اپنے بیٹے کا مکتب کرایا، قرآن پاک اور فارسی کی ابتدائی تعلیم گاؤں میں ہی حاصل کی، ان کے گاؤں کے قریب جیراج پور کے ایک بزرگ حکیم عبد اللہ صاحب مولانا شبلی کے پہلے مدرس تھے چنانچہ مولانا نے ابتدائی تعلیم ان ہی سے پائی۔ اساتذہ کی فہرست میں مولانا فاروق صاحب چریا کوٹی کا نام اہم ہے بلکہ مولانا کی تعلیم کا حقیقی سلسلہ مولانا فاروق صاحب کے حلقہ تلمذ سے شروع ہوتا ہے۔ مولانا فاروق صاحب بڑے منطقی آدمی تھے وہ منطق کی نظری تعلیم کے ساتھ ساتھ اس کی عملی مشق بھی کراتے تھے۔ جس کے نتیجے میں مولانا شبلی اپنی تحریر و تقریر میں منطقی ترتیب کے خوگر اور مناظروں کے مشاق ہو گئے تھے، اور منطق و فن مناظرہ کے اصول سے ان کا ہر قدم اٹھتا تھا اور پڑتا تھا۔ مولانا فاروق ان دنوں غازی پور میں تھے وہیں پر مولانا شبلی حصول تعلیم کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ بعد میں علامہ اعظم گڑھ واپس آ گئے تھے اور مدرسہ عربیہ اعظم گڑھ سے تعلیم حاصل کرنے لگے۔ شاگرد کی کشش استاذ کو بھی یہیں مدرسہ عربیہ کھینچ لائی جہاں مولانا فاروق صاحب اس مدرسہ کے مدرس اول منتخب ہوئے۔

20.2.4 تعلیمی اسفار

علامہ شبلی نے درسیات کی تکمیل اگرچہ مولانا فاروق ہی سے کر لی تھی، لیکن ان کے ذوق علمی نے ان کو دوسرے خرمنوں کی خوشہ چینی پر آمادہ کیا، ہندستان کے مختلف گوشوں میں ادب، فقہ، اور حدیث کے جو اساتذہ اپنے اپنے فن میں یگانہ عصر سمجھے جاتے، ان سے بھی استفادہ کرنے کا شوق دامن گیر ہوا۔ اس زمانے میں مدارس کا رواج کم تھا، زیادہ تر مشاہیر علما اپنے قیام کی جگہ پر اپنا اپنا حلقہ درس لگاتے تھے۔ اس وقت یونیورسٹیاں یہی حلقہ درس ہوتے تھے۔ ابتدا میں مولانا نے لکھنو کا سفر کیا لیکن جلد ہی وہاں سے رامپور گئے جہاں اس وقت دو باکمال ہستیاں اپنے اپنے فن میں یکتائے روزگار تھے۔ معقولات میں مولانا عبد الحق خیر آبادی اور فقہ میں مولانا ارشاد حسین مجددی۔ معقولات میں مولانا فاروق کے فیض سے خود علامہ شبلی کی اتنی بصیرت ہو چکی تھی کہ جس پر کسی مزید اضافہ کی توقع محض امید موہوم تھی۔ اس لئے علامہ نے صرف مولانا ارشاد حسین کے شرف تلمذ پر اکتفا کی۔ جن سے علامہ نے فقہ اور اصول فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ علامہ شبلی کو

مولانا ارشاد صاحب کی وسعت نظر، اصابت رائے، اور مجتہدانہ ظرف نگاہی کا اعتراف ہمیشہ رہا۔ رامپور سے تحصیل علم کے بعد مولانا کو مولانا فیض الحسن سے عربی ادب کی تعلیم کا ذوق پیدا ہوا۔ اس وقت مولانا فیض الحسن اورینٹل کالج لاہور میں پروفیسری کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ ابتدا میں علامہ کے والد کو اتنے طویل سفر پر بھیجنے میں تذبذب ہوا لیکن بعد میں انہوں نے اجازت دیدی۔ لاہور میں علامہ شبلی کو تلمذ کے لئے صرف اتنا وقت ملتا تھا جتنی دیر مولانا فیض الحسن صاحب کو کالج سے اپنے گھر میں پہنچنے میں صرف ہوتا تھا کیونکہ فیض الحسن صاحب ملازمت کی وجہ سے زیادہ وقت نہیں دے پا رہے تھے اور کالج کے کاموں میں ہی مصروف رہتے تھے۔ اسی دوران مولانا فیض الحسن کو دو ماہ کے لئے تعطیل ملی اور وہ سہارنپور چلے گئے، ناغہ نہ ہونے کے خیال سے شاگرد نے بھی سہارنپور کا سفر کیا اور استاذ کی معیت میں رہ کر کسب علم کیا۔ علامہ شبلی نے مولانا فیض الحسن صاحب سے عربی ادبیات کی کتابیں پڑھیں جن میں جمہرۃ العرب اور حماسہ قابل ذکر ہیں اس کے علاوہ استاذ کا سب سے بڑا فیض قرآن پاک کی معجزانہ فصاحت وبلاغت کی نکتہ شناسی تھی، مولانا شبلی میں یہ ذوق اخیر عمر تک رہا۔

20.2.5 تحصیل علم حدیث

اس زمانے کا دستور تھا کہ جب طلبہ ہر قسم کے علوم وفنون سے فراغت پالیتے تھے، تب حدیث پڑھتے تھے، اسی اصول پر مولانا شبلی نے دوسرے تمام علوم سے فراغت پا کر حدیث کی طرف توجہ فرمائی اور جس طرح انہوں نے دوسرے علوم وفنون کی تعلیم کے لئے ان ہی اساتذہ کا انتخاب کیا جو اس فن میں ماہر تھے، اسی طرح حدیث کے لئے بھی انہوں نے اس زمانہ کے سب سے نامور محدث مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری کا انتخاب کیا۔ مولانا احمد علی کی سند و اجازت علم حدیث میں مولانا شاہ عبد القادر دہلوی اور مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی مہاجر سے ملتی ہے وہ اپنے وقت میں ہندوستان کے سب سے بڑے محدث تسلیم کئے جاتے تھے۔ مولانا شبلی نے ان سے ہی درس حدیث وسند حاصل کیا۔

20.2.6 وکالت کی تعلیم وملازمت

مولانا کے والد کی یہ خواہش تھی کہ مذہبی علوم کی تحصیل کے بعد وہ وکالت کا پیشہ اختیار کریں کیونکہ ان کے نزدیک درس وتدریس کا شغل اقتصادی نقطہ نظر سے مناسب نہیں ہے لہذا وہ کسب معاش کی طرف متوجہ ہوں اور اس کے لئے مولانا کے والد کی نگاہ میں وکالت کا پیشہ موزوں نظر آیا۔ مگر خود مولانا کی بلند فطرت اور ذوق سلیم کو یہ چیز کھٹکتی تھی۔ بہر حال بادل ناخواستہ انہوں نے 1881 میں وکالت کا امتحان پاس کر لیا۔ وکالت کا امتحان پاس کرنے کے بعد اپنے والد کے اصرار سے وہ وکالت پر آمادہ تو ہو گئے مگر اس عزم وارادہ کے ساتھ کہ ایک حرف بھی حق وصداقت کے سوا زبان یا قلم سے نہ نکلے گا، ظاہر ہے کہ ضلع کی وکالت ان شرائط کے ساتھ نبھ نہیں سکتی تھی، چنانچہ چند دنوں کے تجربہ نے خود مولانا کے والد پر یہ حقیقت واضح کر دی کہ اس ورع وتقوی کے ساتھ ان سے یہ وکالت کا پیشہ جو قدم قدم پر رنگ آمیزی کا محتاج ہے، چل نہیں سکتا۔

20.2.7 علی گڑھ سے وابستگی

سرسید کی تحریک سے متاثر بہت سے مسلمان جدید تعلیم کی طرف توجہ دے رہے تھے، انہیں میں علامہ کے والد شیخ حبیب اللہ بھی

تھے، انہوں نے اپنے بیٹے مہدی حسن کو انگریزی پڑھانا شروع کیا اور ان کو علی گڑھ کالج کے اسکول میں تعلیم کے لئے بھیجا۔ 1881 میں ان سے ملنے کے لئے شیخ حبیب اللہ اور ساتھ میں علامہ شبلی بھی علی گڑھ تشریف لے گئے۔ علامہ نے سرسید کی مدح میں عربی کا ایک قصیدہ بھی لکھ کر لے گئے، جس میں سرسید کی طرف دو باتوں کی تعریف ہے، ایک ان کے حسب و نسب و سیادت کی، اور دوسرے ان کے قومی کاموں کی، سرسید نے اس قصیدہ کو دیکھا تو اس کے تیور، زبان، اور طرز ادا کو دیکھ کر بہت متاثر ہوئے، اور قصیدہ کو اپنے اخبار علی گڑھ گزٹ میں چھپوا دیا۔

اس واقعہ کے سال ڈیڑھ سال بعد کالج کے مشرقی زبانوں کے ایک معلم کی ضرورت محسوس ہوئی، اس عہدہ پر تقرری کے لئے علامہ شبلی نے بھی درخواست بھری۔ خوش قسمتی سے ان کی تقرری کالج میں بحیثیت اسسٹنٹ عربک پروفیسر کے عہدہ پر جنوری 1983 میں ہوئی۔ مولانا کی اس کامیابی میں ڈپٹی محمد کریم صاحب اور مولوی سمیع اللہ خان نے معاونت کی تھی۔ علی گڑھ میں تعلیم و تدریس کے علاوہ علامہ نے شعر و شاعری کے ذوق پر توجہ مرکوز کی، جلد ہی ان کی شاعری کا چرچہ کالج کے احاطہ میں گونجنے لگا، خاص طور سے ان کی مثنوی ''صبح امید'' جس میں مسلمانوں کے عروج و زوال کی پر درد داستان کی شرح کے بعد سرسید کی نئ تحریک کی کامیابی پر ایک نئ صبح امید کے طلوع کی خوش خبری سنائی، مثنوی بار بار چھپی اور مقبول عام ہوئی۔

علی گڑھ سے وابستگی کے بعد مولانا شبلی اب ایسی آب ہوا میں تھے، جہاں ہر طرف نئے خیالات، نئے جذبات، زمانہ کے نئے اثرات، قدیم و جدید کی آمیزش کے نئے انقلابات گردو پیش تھے، ان اثرات اور جذبات کی نیر نگیوں میں حق و باطل اس طرح ملے ہوئے تھے کہ ان کے علیحدہ کرنے کے لئے غیر معمولی بصیرت کی ضرورت تھی۔ بحمد اللہ کہ مولانا میں یہ بصیرت موجود تھی۔

اب تک جدید تعلیم کے محاسن و معائب کی خبریں علامہ شبلی سنتے آئے تھے، لیکن علی گڑھ میں ان کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، جن بر ملا اظہار اظہار وہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''یہاں آکر میرے تمام خیالات مضبوط ہو گیا، معلوم ہوا کہ انگریزی خواں فرقہ نہایت مہمل فرقہ ہے، مذہب کو جانے دو، خیالات کی وسعت، سچی آزادی، بلند ہمتی، ترقی کا جوش برائے نام نہیں، یہاں ان چیزوں کا ذکر تک نہیں آتا، بس خالی کوٹ پتلون کی نمائش گاہ ہے''۔ اس بے باکانہ اظہار و بیان سے معلوم ہو گا کہ نئ تعلیم کی ظاہری چمک دمک سے ان کی آنکھیں خیرہ نہیں ہوئیں اور حق و باطل کی تمیز کی پوری بصیرت ان میں موجود تھی۔

20.2.8 علی گڑھ کے اثرات

علی گڑھ سے وابستگی کے بعد مولانا شبلی کے افکار و خیالات پر مثبت اثرات مرتب ہوئے جن کو علامہ نے بہت جلد قبول کر لیا، ان میں سب سے پہلی چیز ملت کی بربادی کا درد اور احساس ہے، ان کی نظمیں ورنگین ترانے جو اب تک حسن و عشق کی جھوٹی کہانیوں سے لبریز ہوتے تھے، اب قوم و ملت کے عشق سے خوں افشاں ہونے لگے، مسلمان کیا تھے اور کیا ہو گئے؟ یہ احساس ان کی قومی نظموں کا موضوع بن گیا۔

علی گڑھ تحریک کا دوسرا اثر ان پر یہ ہوا کہ انگریزی تعلیم کی ضرورت ان پر واضح ہو گئی، اپنے عزیزوں اور برادری کے لوگوں

کو اس کی تعلیم کی طرف متوجہ کرنے کا کام انہوں نے خود شروع کیا، اپنے عزیزوں کے نام خطوط لکھ کر انگریزی تعلیم کی طرف انہماک اور اس کے حصول کی تاکید پر ابھارا، 1883 میں نیشنل اسکول کے نام سے ایک انگریزی مدرسہ شہر اعظم گڑھ میں قائم کیا، خود سیکریٹری ہوئے، اور عزیزوں کو ممبر بنایا، ان کے والد بزرگوار، اور دوسرے عزیزوں وہمدردوں نے اس کی امداد میں شرکت کی۔ اس کی عمارت اور تعمیر کے لئے اپنے خاندان کی ملکیت سے زمین دلوائی۔ یہ اسکول صرف ایک ماسٹر اور تین طالب علموں سے شروع ہوا۔ بعد میں ترقی کی راہوں پر گامزن ہوا اور 1946 میں ڈگری کالج کا درجہ حاصل کیا، فی الحال یہ "شبلی نیشنل کالج" اعظم گڑھ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ مولانا نے اپنے گاؤں میں بھی ایک اسکول قائم کیا تھا لیکن وہ آگے نہ بڑھ سکا۔

علامہ شبلی نے علی گڑھ آنے کے بعد تاریخ کا مطالعہ پورے انہماک سے شروع کیا خاص طور سے سرسید کے کتب خانہ میں عربی وجغرافیہ کی وہ نادر کتابیں ان کی نظر میں آئیں جو یورپ یا مصر وشام اور قسطنطنیہ میں چھپی تھیں، تو ان کی آنکھیں کھل گئیں، اور یہیں سے تاریخ اسلام کا مطالعہ کا نیا دور شروع ہوا، جس کی ابتدا ڈاکٹر لائٹنر کی کتاب "سنین اسلام" کے مطالعہ سے شروع ہوا، جو عربی و فارسی کے مشہور عالم اور اورینٹل کالج لاہور کے بانی اور پرنسپل تھے۔ ان کتابوں کے مطالعہ سے علامہ کو پہلے پہل ایک مکمل تاریخ لکھنے کا خیال آیا اور پھر گھٹ کر تاریخ بنی عباس تک محدود رہ گیا، لیکن یہ کام اتنا لمبا تھا کہ اس کو چھوڑ کر ہر خاندان کے ایک ایک ہیرو کی تاریخ لکھنے کا ارادہ کیا اور اس کو نامور فرمان روایان اسلام سے موسوم کیا۔ نیز علی گڑھ ہی وہ مقام تھا جہاں اس وقت مشرق ومغرب کے اساتذہ یکجا تھے، اور ایک دوسرے کے خیالات ومعلومات سے متاثر ہو رہے تھے، علامہ شبلی کو بھی کالج آکر سب سے بڑا فائدہ یہ پہنچا کہ ان کو یورپ کے خیالات اور علمی تحقیقات سے آگاہی کا موقع ملا، اس کے لئے سب سے پہلا مسالہ تو سرسید کے کتب خانہ سے ان کو ہاتھ آیا، اس کے بعد خوش قسمتی سے اس وقت کالج میں پروفیسر آرنلڈ جیسا ایک انگریز عالم یہاں موجود تھا، پروفیسر آرنلڈ نے علامہ شبلی کو جدید اصول سے آگاہ کیا، یہ بتایا کہ جدید علمی مجلس کے کیا ساز وسامان ہیں، قدیم علوم پر کیا کیا اعتراضات اور حملے ہیں، علامہ شبلی کی صداقت اور قوت دماغی یہ تھی کہ وہ جدید اصول کے طمطراق سے مرعوب نہیں ہوئے بلکہ ان پر اطمینان سے غور کیا، جو اصول عمدہ تھے ان کو اخذ کیا، بلکہ اپنی زندگی کا رہبر بنایا اور نمائشی چیزوں کو رد کر دیا۔

20.2.9 کالج پر مولانا کے اثرات

محمڈن کالج علی گڑھ اپنے طرز کا پہلا کالج تھا، جس میں انگریز، ہندو، مسلمان ہر قسم کے استاد اور شاگرد تھے، ایسے ماحول میں ایک روایتی قسم کا عالم دین، جس نے جدید طرز زندگی، انگریزی زبان اور انگریزوں کی صحبت سے بالکل ناآشنا ہو، وہ یکایک آیا اور پورے ماحول میں رہ کر اس طرح سب میں سما گیا کہ وہ کہیں سے بیگانہ نہیں ہونے پایا، یہ بجائے خود ایک کمال ہے، اور کالج نے قدیم وجدید کی اس ہم آہنگی اور تعاون سے بڑا فائدہ اٹھایا، اور وہ چپقلش اور کشاکش نہ ہونے پائی جس کا ہونا ایسے ماحول میں ضروری تھا۔

علامہ شبلی نے نئے علوم وفنون کے اہل کمال سے مرعوب ہونے کے بجائے، انہوں نے نہ صرف اپنی بلکہ علماء اسلام کی قدرومنزلت کو بڑھا دیا، اور اپنے قدیم وعلوم وفنون کے مرتبہ کو اتنا اونچا کیا کہ پروفیسر آرنلڈ اور دوسرے انگریز پروفیسروں کو ان کی تحصیل

پر مجبور کر دیا، اور ایسے زمانہ میں جب کہ کالج میں ہر طرف نئے علوم وفنون، مسائل اور نئی تحقیقات کی بارش ہو رہی تھی، ایک علامہ شبلی کا ہی وجود تھا جو اس مسلسل بارش کے طوفان میں اسلامی علم و فن کے منارہ کو اس مضبوطی سے اپنی جگہ پر جمائے ہوئے تھا کہ اس کو اس طوفان خیز سیلاب سے کوئی خطرہ نہ رہا۔

کالج پر مولانا کا ایک اور اثر جو پڑا وہ پرانے علوم، فارسی ادب، اور عربی زبان کا ذوق پیدا کرنا تھا، حالانکہ ایک نئے طرز کے ادارہ میں پرانے علوم اور زبان وادب کو جگہ دینا ایک مشکل کام تھا، لیکن علامہ نے اس مشکل کام کو ایسا انجام دیا کہ کئی ہونہار طلبہ نے ان علوم میں ناموری حاصل کی، جن میں مولوی حمید الدین صاحب، مولوی بہادر علی صاحب وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ مولانا نے کالج کے طلبہ کو درس قرآن دینا شروع کیا، اور اس درس کو ایسا دلچسپ بنا دیا کہ طلبہ بڑی توجہ سے اس کو پڑھنے لگے، اور ان میں قرآن پاک کا ذوق پیدا ہونے لگا۔ نیز طلبہ میں ذات پاک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حسن عقیدت اور واقفیت پیدا کرنے کے لئے عربی میں سیرت کا ایک مختصر رسالہ "بدء الاسلام" لکھا اور وہ کالج کے نصاب تعلیم میں داخل ہوا، اسی سلسلہ میں مولانا نے کالج میں میلاد کی مجلسوں کی بنیاد ڈالی، شروع شروع میں یہ جلسہ خود اپنے بنگلے پر کرتے تھے، خود سیرت نبوی ﷺ کے کسی پہلو پر تقریر کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ ان جلسوں سے دل چسپی بڑھنے لگی، تو 30 اکتوبر 1891 میں سیرت ومیلاد کا پہلا جلسہ عام نہایت شان وشوکت سے سالار منزل میں ہوا، اور کچھ عرصہ بعد اسٹریچی ہال میں ہونے لگا۔

انگریزی کے طالب علموں میں جہاں کی فضا ہی کچھ اور ہوتی ہے، مذہبی رنگ پیدا کرنا کتنا مشکل کام تھا، مگر مولانا نے کالج میں اس کام کو جس طرح انجام دیا وہ ان کی ذہانت اور بردباری کا مظہر ہے۔ اس طرح سے مولانا نے نہ صرف کالج کے اثرات کو قبول کیا بلکہ خود بھی کالج کے ماحول پر بہت سے اثرات مرتب کئے، جس میں طلبہ کو مذہب سے وابستہ کرنا اور ان میں دل چسپی پیدا کرنا علامہ شبلی کی زندگی کا اعزازی پہلو ہے۔

20.3 تصنیفات

علامہ شبلی کو قیام علی گڑھ میں اس بات کا ادراک ہو گیا تھا کہ اسلام کی خدمت کا صحیح راستہ جو اس زمانے کے لحاظ سے موزوں نظر آرہا تھا وہ تصنیف کا راستہ تھا کیونکہ یورپ کی چیرہ دستی کا جو رعب مسلمانوں پر چھا گیا تھا اور جس کے مقابلے میں ان کو نہ صرف اپنا حال بلکہ ماضی تک تاریک نظر آرہا تھا، اس کو دور کرنے اور اس کا تریاق ٹھیک اسی طرز میں تھا جس کو استعمال کر کے اہل مغرب نے مسلمانوں پر اپنا رعب قائم کیا تھا۔ اس وقت یورپ کے اہل قلم اور مصنفین کا کارنامہ تھا کہ مسلمانوں کو اپنی تاریخ پر جو ناز تھا اس کو مٹانے کے لئے اسلام، سلاطین اسلام، اور علوم اسلامیہ کی طرح طرح کی برائیاں لکھ کر لوگوں میں پھیلا رہے تھے، تاکہ مسلمانوں کی نئی پود ھ کو اپنی قوم سے نفرت ہونے لگے، اور ان کے قومی غرور کو ایسا صدمہ پہونچے کہ ان کے دماغ سے امت سے محبت واخوت ہمیشہ کے لئے مضمحل ہو جائیں، چنانچہ ان کی تدبیر کارگر ہو چلی تھی، اور خود مسلمانوں کو اپنی تاریخ سے گھن آنے لگی تھی، اور یورپ کی ترقیوں کو دیکھ کر ان کو

چکا چوندھ لگ رہی تھی، علامہ شبلی نے ان کی اس تدبیر کو سمجھا، اور اسی کے مقابلہ کے لئے اپنی قلم کو جنبش دی۔

اس سلسلہ میں مولانا نے اپنی پہلی تصنیف جس کا نام "مسلمانوں کی گزشتہ تعلیم" ہے 1887 میں لکھی، جب یہ مضمون عوام الناس کے ہاتھوں میں پہنچا تو خوب اس کی پذیرائی ہوئی اور ہر عام وخاص میں مقبول ہوا۔ اس میں علامہ نے مسلمانوں کے طریقہ تعلیم، اور اسلامی مدرسوں کے نام، خصوصیات وحالات بیان کئے ہیں۔ یہ ملک میں اپنی نوعیت کی پہلی چیز تھی۔

اس کے بعد اردو کی دوسری نئی طرز کی سوانح عمری "المامون" ہے، جو 1887 میں شائع ہوئی۔ یہ مولانا شبلی کی پہلی مستقل تصنیف ہے، جو ان کے نامور فرمانروایان اسلام کی پہلی کڑی ہے، اس کو تاریخ بنو عباس کا نچوڑ کہنا چاہیے، یہ تصنیف ایسی مقبول ہوئی کہ تین مہینے میں اس کا پہلا ایڈیشن ختم ہو گیا۔ اس کے بعد علامہ کی ایک اور نایاب تصنیف "سیرۃ النعمان" 1891 میں چھپی۔ یہ کتاب در حقیقت مولانا کے اسی ذوق وشوق کی دوسری شکل ہے، جو ان کو حضرت امام ابو حنیفہؒ اور فقہ حنفی سے ہمیشہ سے تھا۔ اس کے علاوہ انہوں نے اسکندریہ کے کتب خانہ پر ایک مضمون لکھا جس میں یورپی مصنفین کے اس الزام کی تردید کی جس میں یہ کہا گیا تھا کہ اسکندریہ کا مشہور کتب خانہ مسلمانوں نے جلا کر خاکستر کر دیا تھا، علامہ شبلی نے اس الزام کی تردید کی اور اپنے مضمون "کتب خانہ اسکندریہ" میں یہ ثابت کیا کہ مسلمانوں کی فتح سے پہلے ہی کتب خانہ برباد ہو چکا تھا۔

"الفاروق" علامہ شبلی کی ان نادر تصانیف میں سے جس سے علامہ کی علمی لیاقت وقابلیت کا پتہ چلتا ہے۔ علامہ نے اس کتاب میں خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ کی سیرت مبارکہ کے گوشے کھول کر بیان کیا ہے، خلیفہ کی مثالی شخصیت، انتظامی صلاحیت، اور دوسری تمام طرح کی خوبیوں کو اجاگر کیا ہے۔ حضرت عمر کے تعلق سے مستشرقین کے جو اعتراضات تھے ان کو بھی مولانا نے رد کیا ہے۔ اس تصنیف کے بعد مولانا کی شہرت کا آفتاب نصف النہار کو پہنچ چکا تھا۔ انگریز حکومت نے بھی ان کی پذیرائی میں 1894 میں انہیں شمس العلماء کے خطاب سے نوازا۔

علامہ شبلی کی تصنیفات میں سب سے اہم اور یگانہ روزگار کتاب "سیرۃ النبی" ہے، یہ اس ذات پاک کی سیرت ہے جس کی سوانح عمری ایسی لکھی جانی چاہیے جس سے صاحب سوانح کا پایہ اونچا نظر آئے، اسی جذبہ کے تحت علامہ شبلی نے سیرۃ النبی لکھنے کا ارادہ کیا گو یہ کام بہت مشکل تھا کیونکہ ہم مسلمانوں کے دلوں میں سرور کائنات ﷺ کی عقیدت اور مرتبہ اتنا بلند ہے کہ کوئی کتاب اس کی بلندی کو نہیں پہنچ سکتی، اس لئے سیرت کی کوئی کتاب مشکل سے ہی معیار پر اتر سکتی ہے۔ اس مشکل کے باوجود سیرت کی ضرورت کے لئے مسلمانوں کی طرف سے بار بار رہ رہ کر آوازیں بلند ہوتی تھیں اور علامہ شبلی ان کو سن کر چپ رہ جاتے تھے، لیکن جدید تعلیم جس تیزی کے ساتھ پھیل رہی تھی، مذہبی بے خبری بھی اسی قدر بڑھتی چلی جارہی تھی جس کی روک تھام کی بڑی ضرورت تھی، اس ضرورت کا احساس مولانا کو اس وقت ہوا جب مستشرقین کی کتابیں سیرت رسول ﷺ پر طرح طرح کی بدگمانیاں پھیلا رہی تھیں خاص کر علم جدید کے نوجوان طبقہ کو وہ بہت متاثر کر رہی تھیں چنانچہ علامہ نے اس ضرورت کو پورا کرنے کا اعلان 1912 میں کیا۔

اس کتاب کو علامہ نے بڑی تحقیق وتلاش وجستجو سے لکھی ہے، اس کے لئے مولانا نے قدیم مصادر کی جانب رجوع کیا، جس میں

تاریخ طبری، سیرت ابن ہشام، ابن کثیر، تفسیر فتح البیان، طبقات ابن سعد وغیرہ قابل ذکر ہیں، مولانا نے اپنی کتاب "سیرت النبی ﷺ" میں تحقیقی طریقہ کار اختیار کیا ہے، جس میں ذات محمد ﷺ کے متعلق جو غلط بیانیاں یا خدشات پھیل رہے تھے مولانا نے ان کا مسکت جواب دیا ہے، مثلا مرگولوس جو آکسفورڈ میں عربی کا پروفیسر تھا اس کی کتاب "لائف آف محمد" میں یہ دعوی کیا گیا ہے کہ عبد المطلب، مطلب کے غلام تھے، کعبہ آنحضرت ﷺ سے صرف 100 سال پہلے کی عمارت ہے، علامہ نے اس کا رد کیا ہے اور جن رواۃ پر موصوف پروفیسر نے یہ نتیجہ اخذ کیا تھا ان رواۃ کی نقد و جرح کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ روایات نا قابل اعتبار ہیں جن پر مرگولوس نے تکیہ کیا ہے۔ لیکن افسوس کہ مولانا اپنے سیرت کے مسودے کو مکمل نہ کر سکے اس سے پہلے ہی انہوں نے دار فانی سے دار اجل کی طرف لبیک کہہ دیا۔ لیکن اپنی وفات سے پہلے انہوں نے یہ وصیت کر دی تھی کہ یہ مسودے حمید الدین اور سید سلیمان کے سپرد کر دئے جائیں، ان دو کے سوا کسی اور کو ہرگز نہ دئے جائیں۔ اس سیرت کے مسودہ کو بعد میں ان کے شاگرد سید سلیمان ندوی نے علامہ کی خواہش کے مطابق مکمل کیا۔

ان کتابوں کے علاوہ مولانا کی دیگر اہم کتابیں "الغزالی"، علم الکلام، الکلام، سوانح مولانا روم، وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

20.4 مستشرقین کے متعلق علامہ شبلی کی آراء

مولانا شبلی کا دور مسلمانوں کی تنزلی کے دور سے متعلق ہے، اس دور میں یورپ کے مستشرقین نے مسلمانوں کی تصنیفات کو پڑھ کر اور ان کے علوم کو سیکھ کر اسلام اور مسلمانوں کے علوم، تمدن و تاریخ کو اپنے اعتراضات کا نشانہ بنایا، اور ان کے یہ اعتراضات بڑی تیزی کے ساتھ تعلیم یافتہ نوجوانوں میں سرایت کر رہے تھے۔ علامہ شبلی نے یورپ کے مصنفین کے سحر کو توڑنے کا عزم مصمم کیا۔

مولانا شبلی کا کام متعدد وجوہ سے خاص اہمیت رکھتا ہے، ان میں سب سے اہم تو یہ ہے کہ مولانا جن معترضین کا جواب دینے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے وہ ان پڑھ مشنریوں میں نہ تھے، اور نہ مناظرانہ یا الزامی جواب ان کے لئے کافی تھے، ان کے جواب دینے کے لئے ضرورت یہ تھی کہ ایک ایک کونہ سے نادر کتابوں کی تلاش اور ورق گردانی کی جائے، ان کے بتائے ہوئے حوالوں کی غلطی اور کمزوری بتائی جائے، اور اس کے بالمقابل اسلامی علوم وفنون اور تاریخ و تمدن کے شاندار واقعات اور اہم کارناموں کو ابنائے زمانہ کے سامنے لایا جائے، تاکہ اسلام کی تاریخ و تمدنی عظمت اور علمی جلالت سب کے سامنے آجائے، جس سے قوم کے افسردہ دلوں میں از سر نو تازگی اور امنگ بھی پیدا ہو، اور دشمنوں کو اپنے اعتراضات کی بے مایگی کا بھی اندازہ ہو۔ علامہ شبلی نے ان امور کو مطمح نظر رکھا، اس کی ابتداء انہوں نے مستشرقین کے علمی لیاقت سے کی تاکہ ان کی کتابوں پر اعتماد اور رشک کرنے والوں کو پتہ چل جائے کہ وہ کس نوعیت کا علم رکھتے ہیں۔

1. یورپ کی پیغمبر اسلام سے ابتدائی واقفیت

علامہ شبلی نے پیغمبر اسلام سے متعلق ان مغربی مصنفین کی معلومات کا احاطہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یورپ ایک مدت تک اسلام کے متعلق کچھ نہیں جانتا تھا، جب اس نے جاننا چاہا تو مدت دراز تک عجب حیرت انگیز مفتریانہ خیالات اور توہمات میں مبتلا رہا، مثلا عیسائیوں کے نزدیک ہر مسلمان مشرک وبت پرست تھا اور حسب ترتیب مسلمانوں کے تین خدا تھے، ماہوم یاماہون یامافومیڈ (یعنی محمدؐ) دوسرا اُپلین

اور تیسر اٹر ماگان، لیکن یہ تمام تر خیالات و دعوے محض بہتان اور افترا پر دازی پر منحصر تھے۔ بعد میں جب یورپ کا نشاۃ ثانیہ ہوا تو اس وقت سنے سنائے عامیانہ خیالات کے بجائے کسی قدر تاریخ اسلام اور سیرت پیغمبر ﷺ کی بنیاد عربی تصانیف کی بنیاد پر قائم کی گئی، اگرچہ موقع بہ موقع معلومات سابقہ کے استعمال سے بھی پرہیز نہیں کیا گیا۔ اس دور سے چونکہ یورپ نے مذہبی اشخاص کے شکنجے سے نجات پائی اور اس کے مذہبی اور سیاسی امور الگ ہو گئے، اس بناء پر اسلام کے متعلق مصنفین کی دو جماعتیں الگ ہو گئیں، پہلی جماعت میں عوام اور مذہبی اشخاص تھے جبکہ دوسری جماعت میں محقق اور غیر متعصب لوگ تھے۔

یہی وہ زمانہ تھا جب عربی زبان کی تاریخی تصنیفات کا ترجمہ یوروپی زبانوں میں ہو رہا تھا، اس سلسلہ میں سب سے پہلے ارپی نیوس، مار گولیتھ، ایڈورڈ پوکاک اور ہاٹنجر قابل ذکر ہیں، یہ عجیب بات ہے کہ اتفاقاً یا قصداً ان مستشرقین نے جن عربی تاریخوں کا ترجمہ کیا وہ اکثر ان مسیحی مصنفین کی تصنیفات تھیں جو قرون ماضیہ میں اسلامی ممالک کے باشندے تھے۔ جیسے سعید بن بطریق اوٹیکوس المتوفی 939ء جو اسکندریہ کا پیٹریارک تھا اور ابن العمید المکین المتوفی 1273ء جو سلاطین مصر کا ایک درباری تھا۔ ابن العمید المکین کی تاریخ، طبری اور ذیل طبری کا خلاصہ ہے، ارپی نیوس نے جو ہالینڈ کا ایک مستشرق تھا، لاطینی ترجمہ کے ساتھ لیڈن سے اس کا ایک ٹکڑا شائع کیا، جو ابتدائے رسالت سے دولت اتابکیہ تک کے واقعات پر مشتمل ہے، المکین کے نام سے اس کتاب کے حوالے یورپ کی ابتدائی اسلامی تصنیفات میں نہایت کثرت سے آتے ہیں۔

اٹھارہویں صدی کے اخیر تک یورپ کی سیاسی قوت، اسلامی ممالک میں پھیلنی شروع ہو گئی تھی جس نے "اورینٹلسٹ" کی ایک کثیر تعداد پیدا کر دی تھی، مستشرقین کی اس جماعت نے حکومت کے اشارے سے مشرقی زبانوں کے مدارس کھولے، مشرقی کتب خانوں کی بنیادیں ڈالیں، ایشیاٹک سوسائٹیاں قائم کیں، مشرقی تصنیفات کی طبع واشاعت کے سامان پیدا کئے اور ینٹل تصنیفات کا ترجمہ شروع کیا۔ اس کام میں ہالینڈ نے پہل کی اور اپنے مقبوضہ جزائر مشرقی میں 1778ء میں ایشیاٹک سوسائٹی قائم کی، اس کی تقلید دوسری سامراجی قوتوں نے بھی کی، انگریزوں نے بھی 1788ء میں بنگال ایشیاٹک سوسائٹی قائم کی، اس کے بعد 1795ء میں فرانس نے مشرقی زندہ زبانوں (عربی، فارسی، ترکی) کا دارالعلوم قائم کیا اور آخر کار ان مدارس اور سوسائٹیوں کی تقلید سے تمام ممالک یورپ میں اس قسم کی درس گاہیں اور انجمنیں جاری ہو گئیں، عام یونیورسٹیوں میں عربی زبان کے پروفیسروں اور کتب خانوں کا وجود لازمی سمجھا جانے لگا۔ مسلمانوں کے یہاں عربی زبان میں سیرت ومغازی کی جو کتابیں محفوظ تھیں، وہ ایک ایک کر کے باستثنائے چند اٹھارہویں صدی کے اواخر سے لے کر انیسویں صدی کے اختتام تک یورپ میں چھپ گئیں اور ان میں سے اکثر کا یوروپین زبانوں میں ترجمہ ہو گیا، ان اصل تاریخی تصنیفات اور ان کے تراجم کی اشاعت، ممالک اسلامیہ اور یورپ کے تعلقات، مذہبی منافرت کی کمی اور آزادانہ تحقیقات کی خواہش، ان تمام چیزوں نے یورپ میں مصنفین تاریخ اسلام اور سوانح نگاران پیغمبر عرب ﷺ کا ایک کثیر التعداد گروہ پیدا کر دیا۔

2. مستشرقین یورپ کے گروپ

مصنفین یورپ تین قسموں میں منقسم کئے جاسکتے ہیں: پہلا وہ گروپ جو عربی زبان اور اصل ماخذوں سے واقف نہیں، ان لوگوں کا

سرمایہ معلومات اوروں کی تصانیف اور تراجم ہیں، ان کا کام صرف یہ ہے کہ اس مشتبہ اور ناکامل مواد کو قیاس اور میلان طبع کے قالب میں ڈھال کر دکھائیں، تعجب ہوتا ہے کہ ان میں بعض (مثلاً گبن صاحب) ایسے صائب الرائے اور انصاف پرست ہیں کہ راکھ کے ڈھیر میں سے بھی سونے کے ذرے نکال سکتے ہیں لیکن ان کی تعداد بہت قلیل ہے۔

دوسرا گروپ ایسے لوگوں پر مشتمل ہے جو عربی زبان، علم ادب اور تاریخ فلسفہ اسلام کے بہت بڑے ماہر ہیں، لیکن مذہبی لٹریچر اور سیرت کے فن سے ناآشنا ہیں، ان لوگوں نے سیرت یا مذہب اسلام پر کوئی مستقل تصنیف نہیں لکھی، لیکن ضمنی موقعوں پر عربی دانی کے زعم میں اسلام یا شارع اسلام کے متعلق نہایت دلیری ے جو کچھ چاہتے ہیں لکھ جاتے ہیں، مثلاً جرمن کا مشہور فاضل سخاؤ جس نے طبقات ابن سعد شائع کی ہے، اس کی وسعت معلومات اور عربی دانی سے کون انکار کر سکتا ہے، بیرونی کی کتاب الہند کا دیباچہ اس نے اس تحقیق سے لکھا ہے رشک کے قابل ہے، لیکن اسی دیباچہ میں اسلامی امور کے متعلق ایسی باتیں لکھ جاتا جس کو پڑھ کر بھول جانا پڑتا ہے کہ یہ وہی محترم شخص ہے جس کو ابھی ہم نے دیکھا تھا، نولدیکی (جرمنی) نے قرآن مجید کا خاص مطالعہ کیا ہے، لیکن انسائیکلوپیڈیا (جلد 16) میں قرآن پر جو اس کا آرٹیکل ہے، جابجا نہ صرف اس کے تعصب، بلکہ اس کی جہالت کے راز پنہاں کی بھی پردہ دری کرتا ہے۔

تیسرا گروپ ایسے مستشرقین کا ہے جنہوں نے خاص اسلامی لٹریچر کا کافی مطالعہ کیا ہے، مثلاً پامر صاحب یا مارگولیتھ صاحب، ان سے ہم بہت کچھ امید کر سکتے تھے، لیکن باوجود عربی دانی، کثرت مطالعہ، تفحص کتب کے ان کا یہ حال ہے کہ دیکھتا سب کچھ ہوں لیکن سوجھتا کچھ بھی نہیں۔ مارگولیتھ نے مسند امام احمد ابن حنبل کی 6 ضخیم جلدوں کا ایک ایک حرف پڑھا ہے اور ہم دعوی سے کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں کسی مسلمان کو بھی اس وصف میں اس کی ہم سری کا دعوی نہیں ہو سکتا، لیکن پروفیسر موصوف نے آنحضرت ﷺ کی سوانح عمری پر جو کتاب لکھی ہے، دنیا کی تاریخ میں اس سے زیادہ کوئی کتاب، کذب وافتراء اور تاویل وتعصب کے لئے پیش نہیں کر سکتی، اس کا اگر کوئی کمال ہے تو یہ ہے کہ سادہ سے سادہ اور معمولی سے معمولی واقعہ کو جس میں برائی کا کوئی پہلو پیدا نہیں ہو سکتا صرف اپنی طباعی کے زور سے بد منظر بنا دیتا ہے۔ اسی طرح سے علامہ شبلی ڈاکٹر اسپرنگر، جرمنی کا مشہور عربی داں، کے تعلق سے لکھتے ہیں کہ موصوف کئی سال تک مدرسہ عالیہ کلکتہ کے پرنسپل رہے، لکھنؤ میں آکر شاہی کتب خانہ کی رپورٹ لکھی جو ہماری نظر سے گزری ہے، حافظ ابن حجر کی کتاب "کتاب الاصابہ فی احوال الصحابہ" اول اول ان ہی نے تصحیح کر کے کلکتہ میں شائع کرائی، لیکن جب آنحضرت ﷺ کی سوانح عمری پر ایک مستقل ضخیم کتاب 3 جلدوں میں لکھی تو ہم حیرت زدہ رہ گئے۔

3. مستشرقین کی غلط کاریوں کے اسباب

یوروپین مصنفین کی غلط کاریوں کی بڑی وجہ تو وہی ان کا مذہبی اور سیاسی تعصب ہے، لیکن علامہ شبلی کے نزدیک بعض وجوہ اور بھی ہیں جن کی بنا پر ہم ان کو معذور رکھ سکتے ہیں: پہلی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ان کا تمام تر سرمایہ استناد صرف سیرت و تاریخ کی کتابیں ہیں، مثلاً مغازی واقدی، سیرت ابن ہشام، سیرت محمد ابن اسحاق، تاریخ طبری وغیرہ اور یہ ظاہر ہے کہ کوئی غیر مسلم شخص اگر آنحضرت ﷺ کی سوانح عمری مرتب کرنا چاہے گا تو عام قیاس یہی رہبری کریگا کہ اس کو تصنیفات سیرت کی طرف رجوع کرنا چاہیے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ

سیرت کی تصنیفات میں سے ایک بھی نہیں جو استناد کے لحاظ سے بلند رتبہ ہو، بہر حال مصنفین سیرت سے قطع نظر، سیرت کی روایتیں زیادہ تر جن لوگوں سے مروی ہیں مثلا سیف، سری، ابن سلمہ، ابن نجیح عموما ضعیف الروایۃ ہیں، اس لئے عام اور معمولی واقعات میں ان کی شہادت کافی ہو سکتی ہے لیکن وہ واقعات جن پر مہتم بالشان مسائل کی بنیاد قائم ہے، ان کے لئے یہ سرمایہ قابل قبول نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ کی سوانح عمری کے یقینی واقعات وہ ہیں جو حدیث کی کتابوں میں بہ روایات صحیحہ منقول ہیں، یورپین مصنفین اس سرمایہ سے بالکل بے خبر ہیں اور ایک آدھ کوئی مثلا مار گولیتھ تو اولا وہ اس فن کا ماہر نہیں اور ہو بھی تو تعصب کی ایک چنگاری سیکڑوں خرمن معلومات کو جلانے کے لئے کافی ہے۔

دوسری بڑی وجہ یہ کہ یورپ کے اصول تنقیحِ شہادت اور ہمارے اصولِ تنقیح میں سخت اختلاف ہے، یورپ اس بات کو بالکل نہیں دیکھتا کہ راوی صادق ہے یا کاذب، اس کے اخلاقات وعادات کیا ہیں، حافظہ کیسا ہے؟ اس کے نزدیک یہ تحقیق و تدقیق نہ ممکن ہے، نہ ضروری ہے، وہ صرف یہ دیکھتا ہے کہ راوی کا بیان بجائے خود قرائن اور واقعات کے تناسب سے مطابقت رکھتا ہے یا نہیں، فرض کرو ایک جھوٹے سے جھوٹا راوی ایک واقعہ بیان کرتا ہے جو قرائنِ موجودہ اور گردوپیش کے واقعات کے لحاظ سے صحیح معلوم ہوتا ہے، بیان بالکل مسلسل ہے اور کہیں سے نہیں اکھڑتا تو یورپ کے مذاق کے موافق واقعہ کی صحت تسلیم کرلی جائے گی۔

بخلاف اس کے مسلمان مورخ اور خصوصا محدثین اس کی پروا نہیں کرتے کہ خود روایت کی کیا حالت ہے، بلکہ سب سے پہلے وہ یہ دیکھتے ہیں کہ "اسماء رجال" کے دفتر تحقیقات میں اس شخص کا نام ثقہ لوگوں کی فہرست میں درج ہے کہ نہیں، اگر نہیں ہے تو ان کے نزدیک اس کا بیان بالکل ناقابل اعتنا ہے، بخلاف اس کے اگر ثقہ راوی نے کوئی واقعہ بیان کیا تو گو قرائن اور قیاسات کے خلاف ہو اور گو بظاہر عقل کے مطابق بھی نہ ہو لیکن اس کی روایت قبول کرلی جائیگی۔ اس اختلاف اصول نے یوروپین تصنیفات پر بہت بڑا اثر پیدا کیا، مثلا اہل یورپ واقدی کے بیان پر سب سے زیادہ اعتماد کرتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ واقدی کا بیان نہایت مسلسل اور مربوط ہوتا ہے، جزئیات کی تمام کڑیاں باہم ملتی چلی جاتی ہیں، واقعات میں کہیں خلا نہیں ہوتا، جو چیزیں کسی واقعہ کو دلچسپ بنا سکتی ہیں سب موجود ہوتی ہیں۔ لیکن سچ یہ ہے کہ یہی باتیں اصلی راز کی پردہ دری کرتی ہیں، جو روایتیں سو برس سے زیادہ زمانہ تک محض زبانوں پر رہیں، اس میں قدر استقصائے جزئیات ممکن نہیں، یہ البتہ ہو سکتا ہے کہ جس طرح تاریخی افسانے لکھے جاتے ہیں چند واقعات کا ذخیرہ سامنے رکھ کر قیاس و قرائن اور معلومات عامہ کے ذریعہ سے اس سادہ خاکہ کو نقش و نگار سے کامل کر دیا جائے، لیکن یہ جرات صرف واقدی کر سکتا ہے، محدثین اس سے معذور ہیں۔ تاہم اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ ہر موقعہ پر محض راوی کا ثقہ ہونا کافی نہیں، ثقات بھی غلطی کر سکتے ہیں اور کرتے ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ درایت کے جو اصول محدثین نے قائم کئے ہیں اور بعض جگہ وہ خود بھول جاتے ہیں، ان کی نہایت سختی کے ساتھ پابندی کی جائے۔

4. یوروپین مصنفین کے اصول مشترکہ

علامہ شبلی کے نزدیک مستشرقین جب آنحضرت ﷺ کے اخلاق کے متعلق جو نکتہ چینیاں کرتے ہیں، یا ان کی کتابوں سے جو نکتہ چینیاں خود بخود ناظرین کے دل میں پیدا ہوتی ہیں، ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ: آنحضرت ﷺ کی زندگی مکہ معظمہ تک پیغمبرانہ زندگی

ہے، لیکن مدینہ میں جا کر جب زور و قوت حاصل ہوتی ہے تو دفعتاً پیغمبری بادشاہی سے بدل جاتی ہے اور اس کے جو لوازم ہیں یعنی لشکر کشی، قتل، انتقام، خوں ریزی، خودبخود پیدا ہو جاتے ہیں، اس کے علاوہ کثرت ازدواج اور عورتوں کی طرف میلان، مذہب کی اشاعت جبر و زور سے، لونڈی غلام بنانے کی اجازت اور اس پر عمل، دنیاداروں کی سی حکمت عملی اور بہانہ جائی۔ یہ وہ امور ہیں جن کو سامنے رکھ کر اہل یورپ پیغمبر اسلام اور اسلامی تعلیمات پر نقد و جرح کرتے ہیں۔

20.5 نظریہ تعلیم

مولانا سے پہلے علماء پر مدرسیت اتنی چھاگئی تھی کہ ان کی نظر درسی کتابوں اور ان کے شروح و حواشی تک محدود ہو کر رہ گئی تھی، زیر درس کتابوں کے علاوہ کسی نئی کتاب کا دیکھنا، کسی اور علم و فن سے استفادہ، قلمی کتابوں کی تلاش اور نوادر کتب کے مطالعہ کا شوق عموماً ناپید تھا، علامہ کو اللہ تعالی نے یہ ذوق فطرت عنایت فرمایا انہوں نے ہر علم و فن کی بکثرت کتابیں مطالعہ کیں، نوادر کتب بہ کثرت بہم پہنچائے، کتب خانے چھانے، دنیا کے کونے کونے سے مطبوعات منگوائے، ادب، محاظرات فتوح، تاریخ، فلسفہ، منطق، کلام کا بڑا سرمایہ جمع کیا اور اپنی تصنیفات و مضامین میں ان کے حوالے دئے، طلبہ اور علماء کو ان کے مطالعہ کی ترغیب دی اور اپنے شاگردوں اور ہم نشینوں میں اس کا ذوق پیدا کیا، اور پھر جب ان کو کامل یقین ہو گیا کہ مدرسے کے نصاب میں اصلاح کی ضرورت ہے تو باقاعدہ اپنا نظریہ تعلیم پیش کیا۔

1. ندوۃ العلماء میں شرکت

انیسویں صدی کے اواخر میں ملک بھر میں طوفان اٹھ رہے تھے، ان سے حساس مسلمانوں کے دل مضطرب تھے، مدارس و مکاتب کا پرانا سلسلہ ٹوٹ رہا تھا، انگریزی اسکول اور کالج میں مسلمان لڑکے کھنچ رہے تھے، حکومت کے اثر سے عیسائیت کا چرچہ تھا مشنریوں کے جال ہر جگہ پھیلے تھے، مسلمانوں اور عیسائیوں میں مناظروں کی گرم بازاری تھی، دونوں طرف سے رسالے لکھے جا رہے تھے، یورپ کے نئے خیالات سیلاب کی طرح امڈے چلے آرہے تھے، عام علماء زیادہ تر پڑھنے پڑھانے میں مصروف، کچھ معمولی معمولی چھوٹی چھوٹی باتوں میں الجھے تھے، اور خواص تقلید و عدم تقلید، قرأت فاتحہ، آمین بالجہر اور رفع یدین کے مسئلوں میں ایسے گتھے تھے کہ مناظرہ، مجادلہ اور مجادلہ مقاتلہ بن گیا تھا، خدا کے گھر لڑائی کے میدان بن گئے تھے، مدرسوں میں پرانا فرسودہ طریقۂ درس جاری تھا، جو زمانہ کے انقلاب سے بیکار اور نئے زمانہ کے لئے قوم کے نئے رہبر اور رہنما پیدا کرنے سے قاصر تھا۔

اس صورت حال میں حسن اتفاق سے چند مفکر ملت نے مدرسۂ فیض عام کانپور کے جلسۂ دستار بندی کے موقع پر 1892ء میں اس سنگین اور ہنگامہ خیز دور میں قوم کی طرف توجہ مبذول کی، اور پہلی بار علماء کی مجلس (ندوۃ العلماء) کے انعقاد کا تصور آیا، جس کا مقصد اس صورت حال سے نمٹنے کا حل تلاش کرنا تھا، اسی مدرسہ فیض عام کانپور کے آئندہ اجلاس 22.23.27 اپریل 1894ء میں علامہ شبلی نعمانی کو بھی شرکت کی درخواست موصول ہوئی جس کو انہوں نے قبول کر لیا۔ وہ ایک تاریخی اجلاس تھا جس میں فرقہ واریت سے پرے ہر طبقہ کے علماء اس میں شامل تھے، علماء حنفی کے علاوہ اہل حدیث میں سے مولوی ابراہیم آروی، مولوی محمد حسین بٹالوی، شیعہ مجتہدین میں مولوی غلام

الحسنین کنستوری شریک جلسہ تھے۔اس جلسہ علامہ شبلی نے ندوۃ العلماء کا دستور العمل پیش کیا، جس میں کچھ تجاویز پیش ہوئیں: پہلی تجویز یہ تھی کہ موجودہ طریقۂ تعلیم قابل اصلاح ہے۔ دوسری تجویز یہ تھی مدارس اسلامیہ کے مہتمم ہر سال ندوۃ العلماء کے اجلاس میں شریک ہوں یا اپنے کسی مدرس یا وکیل کو بھیجیں، تیسری تجویز یہ تھی جو مدارس اسلامیہ جابجا قائم ہیں ان کو کسی بڑے مدرسہ مثلا دیوبند وغیرہ جیسے سے الحاق کیا جائے۔ان تجاویز میں مدرسوں کا طریقہ تعلیم اور اس کی اصلاح نہایت اہمیت کا حامل ہے،اس کا دوسرا پہلو یہ بھی نکلتا ہے کہ موجودہ حالات کو مد نظر رکھ کر دیکھا جائے تو مدارس کے نصاب میں کچھ کوتاہیاں ہیں جن کو دور کرنا ضروری ہے۔

2. تبدیلِ نصاب کی کوشش

اکتوبر 1902ء میں ندوہ کا سالانہ جلسہ امرتسر میں ہوا، ندوہ کا یہ سب سے پہلا جلسہ تھا جس میں علامہ شبلی نے اپنے خیالات کو ایک نالہ، موزوں کی شکل میں پیش کیا، تبدیل نصاب کا مسودہ اور اس کی ترکیب بھی پیش کی، علامہ کے نزدیک، درجۂ متوسط سال سوم میں سے "ملا حسن"، "رسالہ میر زاہد"، "ملا جلال"، "قاضی مبارک"، "صدرا"، سب خارج کر دینا چاہئے، ان کے بجائے "شرح مطالع" کے بعض حصے، "حمد اللہ"، شرہدایۃ الحکمت از خیر آبادی، "رسائل ابن رشد مطبوعہ مصر"، "حماسہ"، "اعجاز القرآن باقلانی"، اور ہدایۃ معاملات (بشرط گنجائش) ہونا چاہئے۔ درجہ متوسط سال دوم میں سے "میبذی" (یہ سب سے زیادہ لائق کتاب ہے) "شرح عقائد نسفی"، "قصرتح الافلاک" خارج ہونی چاہئے، موطا امام محمد، سبعہ معلقہ، جلالین قائم رہنا چاہئے، اور "رسائل اربعہ امام غزالی"، "الفوز الاصغر لابن مسکویہ" مطبوعۂ بیروت پڑھانا چاہئے۔ درجہ متوسط سال اول میں مشکاۃ کی ضرورت نہیں، "مختصر المعانی" قطعا خارج کر دینا چاہئے، اور "حسن التوسل فی صناعۃ الرسل" مطبوعہ مصر اس کے بجائے رکھنا چاہئے، منتقی الابحر کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

درجہ ابتدائی سال سوم میں "تلخیص" اور 'دیوانِ علی' (جو محض موضوع ہے) بالکل خارج، مشکاۃ کی بھی ضرورت نہیں، حدیث کا فن مستقل اخیر میں رکھا جائیگا۔ درجہ ابتدائی سال دوم اور سال سوم سے 'شافیہ' 'کافیہ' 'شرح جامی' قطعا خارج، ان کی جگہ اس درجہ میں ہدایۃ النحو لانا چاہئے اور "مفصل زمخشری" کا اضافہ کرنا چاہئے، نیز کلیلہ و دمنہ از ابن المقفع مطبوعہ بمبئی کو بھی داخل نصاب کرنا چاہئے۔

علامہ شبلی کی خواہش تھی کہ روایتی نصاب میں جو خامیاں وقت کے ساتھ پیدا ہو گئیں تھیں ان کو دور کیا جائے، منطق اور کلام کی جو کتابیں تھیں ان کی جگہ ایسے مضمون شامل کرنا چاہئے جو ماڈرن زمانے کے حساب سے موزوں اور مناسب ہوں اسی طرح سے نحو وصرف پر زیادہ وقت لگانے کے بجائے ان کی جگہ عربی ادب پر زور دینا چاہئے۔ لیکن ان کی یہ خواہش مکمل طور پر روبہ عمل میں نہ لائی جاسکی یہاں تک کہ ان کو دارلعلوم ندوۃ العلماء کی معتمدی پیش کی گئی۔

3. دارالعلوم ندوۃ العلماء کی معتمدی 1905ء-1913ء

علامہ شبلی کا نام ندوہ کے معتمد کی حیثیت سے سب سے پہلے مارچ 1903ء کو بمقام شاہجہاں پور مولانا غلام محمد صاحب نے جلسۂ انتظامیہ میں پیش کیا اور ارکان مجلس نے بالاتفاق منظور کر لیا اور طے ہوا کہ مولانا شبلی سے درخواست کی جائے کہ وہ لکھنو آکر قیام کریں مگر وہ ان دنوں نہ آسکے، لیکن بعد میں حیدرآباد سے استعفی دے کر وہ لکھنو آ گئے اور گولہ گنج میں اس عمارت میں جو "خاتون منزل" کے نام سے

جاتی تھی، قیام کیا اور سب سے پہلا کام بحیثیت معتمدی کے نصاب کا اجراء کیا۔

4. جدید نصاب کا اجرا

دارالعلوم ندوۃالعلما کے قیام کا اصلی مقصد پرانے نصاب کی جگہ ایک نیا نصاب نافذ کرنا تھا جو روایتی تعلیم کے ساتھ ساتھ جدید ضرورتوں پر بھی پورا اترے، اور ایسے افراد کی ایک جماعت تیار کرنا تھا جو جدید چیلنجز کا مقابلہ کر سکے، انہی مقاصد کے پیش نظر علامہ شبلی نے بحیثیت معتمد سب سے پہلے نصاب میں جو غیر ضروری یا کم اہم مضامین پڑھائے جاتے تھے ان کو درس سے نکال کر ان کی جگہ کچھ نئے مضامین کو نصاب میں شامل کیا، مثلا ادب اور فن بلاغت کے ساتھ زیادہ اعتنا کیا گیا، فلسفہ جدیدہ میں دروس الادلیہ رکھی گئی جس میں سائنسی بحثیں ہیں، اسرار شریعت میں حجۃ اللہ البالغہ کو نصاب میں شامل کیا گیا، انگریزی زبان ضروری قرار دی گئی، ہندی اور سنسکرت کا درجہ بھی قائم کیا گیا جس کا مقصد ہندوستانی تہذیب و تمدن سیکھ کر اس کی صحیح ترجمانی اور آریوں کے بیجا اعتراضات کا رد کرنا تھا۔

الغرض علامہ شبلی جو نصاب چاہتے تھے، مجموعی طور پر اس میں عربی ادب، فن بلاغت اور تنقید کے علاوہ علوم اسلامیہ: تفسیر، علوم القرآن، عقائد و فلسفہ، اور اسرار شریعت سے متعلق بعض نئی کتابیں تھیں، جدید علوم میں انگریزی اور جدید فلسفہ و سائنس کی کتابیں۔ وہ جدید تعلیم کی تحصیل مسلمانوں کے لئے ضروری تو خیال کرتے تھے مگر اس میں ایسا انہماک پسند نہیں کرتے تھے، جو طلبہ کو دینی تعلیم سے غافل اور اپنی تاریخ و تہذیب سے بیگانہ کر دے، اس لئے علامہ کے تصور میں صرف ایسے کتب دینیات کی ضرورت ہے جس میں اسکول سے کالج تک کے قابل تین طرح کی کتابیں ہوں: عقائد، فقہ، اور تاریخ اسلام۔

اسکول کلاسوں میں صرف فقہ، تاریخ اسلام اور سادہ عقائد کی تعلیم ہو، کالج کی کلاسوں میں امام غزالی، ابن رشد اور شاہ ولی اللہ کی چند مختص تصنیفات خود عربی زبان میں پڑھائی جائیں، مزید بر آں ان کی رائے یہ بھی تھی کہ دینیات کے نتائج امتحانات کو انگریزی تعلیم کے نتائج کی طرح لازمی قرار دیا جائے اور دو چار طلبہ کو وظائف دے کر ڈگری حاصل کرنے کے بعد اعلی درجہ کی تعلیم دی جائے۔

اس تفصیل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ علامہ شبلی نعمانی دین و دنیا کی خلیج پاٹنا اور قدیم و جدید کا ڈانڈا ملانا چاہتے تھے، کیونکہ ان کے نزدیک موجودہ دور میں نہ محض قدیم تعلیم سے مسلمانوں کے مسائل اور ضرورتوں کا حل ہے اور نہ صرف تعلیم جدید ہی ان کے دکھ و درد کی دوا ہے، دونوں کے مجموعے اور آمیزش میں ہی ان کے مسائل اور پریشانوں کا حل ہے۔

20.6 دارالمصنفین

دارلمصنفین ایک علمی و تحقیقی ادارہ ہے جو بھارت کے صوبہ اترپردیش کے مشرقی ضلع اعظم گڑھ میں واقع ہے، اس ادارے کا قیام علامہ شبلی نعمانی کا دیرینہ خواب تھا، جس کے قیام کی تجویز سب سے پہلے 1910ء میں پیش کی گئی تھی، علامہ شبلی کے نزدیک قومی و مذہبی ضروریات میں جس قدر ایک قومی مدرسہ، ایک قومی کالج، ایک قومی یونیورسٹی کی ضرورت ہے، اسی قدر ایک کتب خانہ اعظم کی بھی ضرورت ہے، اگر مسلمانوں کے مذہب، مسلمانوں کے علوم، مسلمانوں کی قومی تاریخ کو زندہ رکھنا ہے، تو ضروری ہے کہ ایک ایسا کتب خانہ

تیار کیا جائے، ایک ایسی اکیڈمی بنائی جائے جس میں علوم مذہبی کے متعلق نادر اور بیش بہا تصانیف موجود ہوں، جس میں مسلمانوں کے خاص ایجاد کردہ علوم وفنون کا کافی سرمایہ ہو، جس میں ہر فن کے متعلق وہ تمام کتابیں موجود ہوں جو اس فن کے دورِ ترقی کے مدارج ہیں، جس میں قدماء کے عہد کی یادگاریں ہوں، اور ان سب باتوں کے ساتھ کتب خانہ کسی کا ذاتی نہ ہو بلکہ وقف عام ہو تاکہ تمام ہندوستان کے مسلمان اور بالخصوص مصنفین اور اہل قلم اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔

اس ادارے کے قیام کے لئے علامہ شبلی نے رات دن ایک کر دیا لوگوں سے وظائف سے کی مانگ کی خود جتنی سکت اور حیثیت تھی اس ادارے میں صرف کر دی، اس کے لئے اپنے آبائی جائداد سے زمین وقف کی، دارالمصنفین کی تعمیر کا کام بھی شروع ہو گیا تھا، لیکن ابھی وقف نامہ ہی زیر تحریر تھا کہ 18 نومبر 1914ء کو اس ادارے کی تکمیل کی حسرت لئے ہوئے ملت کا یہ نیر تاباں غروب ہو گیا، لیکن ان کے لائق شاگردوں کے ہاتھوں سے یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچا۔

فی الحال دارالمصنفین میں دارالتصنیف، دارالاشاعت، دارالطباعت اور شعبہ 'رسالہ معارف' دارالکتب جیسے شعبے ہیں، دارالمصنفین میں عربی، فارسی، انگریزی، اور اردو کی بہت سی نادر کتابوں کا مجموعہ ہے، ان میں احیاء العلوم، فتاوی عالمگیری، شرح نہج البلاغہ، کتاب المیزان، یہ کتابیں عربی زبان میں ہیں۔ فارسی زبان کی نادر کتابوں میں اکبر نامہ، مونس الارواح، کلیات کلیم، تاریخ فرشتہ، قصص العجائب، تزک جہانگیری، مدارج النبوۃ قابل ذکر ہیں۔

20.7 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- علامہ شبلی نعمانی ایک یگانہ روزگار محقق اور مصنف، ایک بے مثال سوانح نگار، ایک عظیم فلسفی اور مفکر، ایک مایہ ناز ماہر تعلیم اور معلم ہونے کے ساتھ ایک ایسے عالم دین تھے، جن کی فکر و نظر آج بھی حاملین علوم نبوت کے لئے مشعل راہ کا کام کر رہی ہے۔
- علامہ کی زندگی کا سب سے عظیم کارنامہ مدارس کے نصاب تعلیم کی اصلاح تھی، اسی اصلاح اور ان کی گوناگوں شخصیت کا نتیجہ تھا کہ امت کو علامہ سید سلیمان ندوی، عبد السلام ندوی، مسعود عالم ندوی اور ابوالحسن علی ندوی جیسے ممتاز عالم دین میسر ہوئے، ان کا تجویز کردہ نصاب اگر باقی رہتا تو افراد کی ایسی جماعت تیار ہو جاتی جو امت کے لئے مشعل راہ کا کام کرتی، لیکن بد قسمتی سے قدامت پرست گروپ نے ان کی اصلاحات کی مخالفت کی۔
- علامہ شبلی کا دوسرا اہم کام مستشرقین کے جال کو توڑنا تھا، مصنفین یورپ جس قدر تاریخ کو غلط انداز میں پیش کر کے عالم اسلام کی ممتاز شخصیتوں پر بہتان ترازی اور تنقید کا نشانہ بنائے ہوئے تھے، علامہ نے ان تمام باطل پروپیگنڈے کی قلعی کھول دی، ان کی بہتان ترازیوں کا پردہ فاش کیا، سیرۃ النبی، الفاروق، النعمان جیسی سوانحی تاریخ لکھ کر اسلام، پیغمبر اسلام اور دیگر عمودی شخصیات کا دفاع کیا۔

20.8 نمونہ امتحانی سوالات

20.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. علامہ شبلی نعمانی کے والد کا کیا نام تھا؟

(a). محمد الیاس (b). شیخ حبیب اللہ (c). احمد الیاس (d). الیاس اختر

2. مندرجہ ذیل میں سے کون سی جگہ علامہ شبلی کی جائے پیدائش تھی؟

(a). بندول (b). آگرہ (c). لکھنؤ (d). مئو

3. علامہ شبلی نعمانی نے علم حدیث کس حاصل کیا؟

(a). مولانا احمد علی (b). مولانا فاروق چریا کوٹی (c). فیض الحسن (d). ارشاد حسین

4. علامہ شبلی نے اپنے والد کے اصرار پر کونسا پیشہ اختیار کیا؟

(a). بینک کاری (b). معلم (c). کلرک (d). وکالت

5. مندرجہ ذیل میں سے کون سی کتاب علامہ شبلی کی نہیں ہے؟

(a). المامون (b). الفاروق (c). احیاعلوم الدین (d). الکلام

6. مولانا کے کس شاگرد نے ان کی سیرۃ النبی کی تکمیل کی تھی؟

(a). سید سلیمان ندوی (b). مسعود ندوی (c). عبد السلام ندوی (d). سب غلط

7. علامہ شبلی کس سن میں دارالعلوم ندوۃ العلما کے معتمد بنے؟

(a). 1905ء (b). 1906ء (c). 1904ء (d). سب غلط

8. شبلی نعمانی کس سن میں علی گڑھ سے وابستہ ہوئے؟

(a). 1883ء (b). 1880ء (c). 1881ء (d). 1885ء

9. مولانا شبلی نے ابتدائی تعلیم سے حاصل کی؟

(a). عبد الحق خیر آبادی (b). مولانا فاروق چریا کوٹی (c). ارشاد حسین (d). فیض الحسن

10. علامہ شبلی نے کس سن میں علی گڑھ سے علیحد گی اختیار کی؟

(a). 1997ء (b). 1998ء (c). 1999ء (d). 1996ء

20.8.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. علامہ شبلی کی ابتدائی تعلیم پر مختصر نوٹ تحریر کریں۔
2. قیام علی گڑھ میں مولانا پر کالج کے اثرات قلم بند کریں۔
3. علامہ شبلی کے نزدیک مستشرقین کے اصول مشترکہ کیا ہیں؟
4. علامہ کی تصانیف پر مختصر اروشنی ڈالیں۔
5. علامہ شبلی کے نزدیک انگریزی کی تعلیم کیوں ضروری ہے؟

20.8.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. مستشرقین سے متعلق علامہ شبلی کی خدمات واضح کریں۔
2. مولانا شبلی کا نظریہ تعلیم کیا تھا وہ کیوں روایت اور جدیدت کو ساتھ رکھنا چاہتے تھے؟
3. دارالمصنفین کے مقصد قیام اور اس کی اہمیت پر ایک جامع نوٹ تحریر کریں۔

20.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. حیات شبلی	:	مولانا سید سلیمانی ندویؒ
2. سیرۃ النبی ﷺ	:	مولانا شبلی نعمانیؒ
3. علامہ شبلی نعمانی (معنویت کی بازیافت)	:	ڈاکٹر شباب الدین
4. علامہ شبلی نعمانی بحیثیت سوانح نگار	:	ڈاکٹر صفیہ بی

اکائی 21:   اشرف علی تھانوی

اکائی کے اجزا:

21.0 تمہید

21.1 مقاصد

21.2 مولانا اشرف علی تھانوی

21.2.1 حسب ونسب

21.2.2 تعلیم وتربیت

21.2.3 صالح معاشرہ کا قیام:

21.2.4 خواتین کی تعلیم:

21.2.5 سیاست سے متعلق افکار:

21.2.6 مولانا اشرف علی تھانوی اور تصوف:

21.2.7 اجتہاد اور تقلید سے متعلق مولانا اشرف علی تھانوی کا نقطہ نظر:

21.3 اکتسابی نتائج

21.4 نمونہ امتحانی سوالات

21.4.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

21.4.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

21.4.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

21.5 تجویز کردہ اکتسابی مواد

21.0 تمہید

بیسویں صدی کے عظیم مصنف و مصلح کی حیثیت مولانا اشرف علی تھانوی کی رہی ہے، آپ کی زندگی کی جہتیں مختلف تھیں، آپ

ایک معلم بھی تھے، اور ایک واعظ و خطیب بھی، ایک مصنف بھی تھے تو ایک مرشد و مصلح بھی، آپ مسلم سماج کی کمزوریوں اور برائیوں سے بھرپور واقف بھی تھے تو ایک حکیم اور دانا کی طرح ان برائیوں کے خاتمہ اور ازالہ کے طریقوں سے واقف بھی تھے اور، ہر مسئلہ سے متعلق آپ کی ایک فکر تھی اور ایک واضح نظریہ تھا، جس پر آپ نے اپنی مختلف تحریروں میں روشنی ڈالی ہے اور اس کے نکات سے گفتگو کی ہے۔ اگر آپ کی فکر جہتوں اور نوعیتوں کی درجہ بندی کریں تو درج ذیل اہم عناوین سامنے آتے ہیں:

1- تعلیم و تربیت، 2- تصوف، 3- سیاست، 4- تقلید و اجتہاد، 5- شعر و شاعری

ان اہم عناوین کے مختلف ذیلی عناوین ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ہر مسئلہ پر مجتہدانہ رائے رکھتے تھے اور بغیر کسی تردد کے آپ اس پر اپنی تحریر و تقریر میں اظہار فرماتے تھے۔ آپ کے شاگردوں اور مریدوں نے آپ کی فکری اور اصلاحی کوششوں کو دنیا کے مختلف ملکوں اور علاقوں تک وسعت دی۔

21.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد جدید دور کے ایک اہم مفکر و مصلح مولانا اشرف علی تھانوی کے افکار و نظریات اور اصلاحات طلبا و طالبات کو متعارف کرانا ہے، جنہوں نے برصغیر ہند کو اپنی فکر اور اصلاح کا مرکز بنایا، درس و تدریس، وعظ و خطابت اور بیعت وارشاد کے ذریعہ سماج میں پھیلی ہوئی برائیوں اور بدعات و خرافات کی اصلاح کی کوششیں کیں اور اس کے دوررس اثرات مرتب ہوئے۔ اس اکائی کے مطالعہ کے بعد طلبا و طالبات نہ صرف مولانا اشرف علی تھانوی کی شخصیت سے واقف ہوں گے بلکہ آپ کی فکری واصلاحی کوششوں سے بھی متعارف ہوں گے۔

21.2 مولانا اشرف علی تھانوی

21.2.1 حسب و نسب

مولانا اشرف علی تھانوی ضلع مظفر نگر اتر پردیش۔ یوپی کے ایک قصبہ تھانہ بھون میں 1280ھ مطابق 9 ستمبر 1863 عیسوی کو پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم و تربیت گھر پر ہوئی، یوپی کے شہر میرٹھ میں فارسی کی تعلیم حاصل کی اور قرآن کریم کا حفظ مکمل کیا، پھر تھانہ بھون آکر فتح محمد صاحب سے عربی کی کتابیں پڑھیں، اس کے بعد دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور وہیں سے 1301 ہجری میں فضیلت کی سند حاصل کی۔ نیز اپنی ظاہری اور باطنی اصلاح کے لئے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے بیعت کی اور خلافت سے سرفراز ہوئے، پھر مدرسہ فیض عام کانپور سے وابستہ ہوئے اور درس و تدریس میں مشغول ہو گئے 14 سال درس و تدریس میں مشغول رہے، اس کے بعد اپنے وطن تھانہ بھون واپس آگئے اور وہیں تصنیف و تالیف اور بیعت وارشاد میں مشغول ہو گئے اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے خانقاہ کو نئے سرے سے آباد کیا اور مدرسہ اشرفیہ کے نام سے ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی۔ آپ سے جن لوگوں نے اپنی باطنی اصلاح کے لئے آپ کی طرف رجوع کی وہ اس وقت کے مختلف میدانوں کی نامور شخصیات تھیں جن میں علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا عبدالماجد دریابادی،

مولاناعبد الباری ندوی، مولانا قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم، مفتی محمد شفیع، اور مولانا ابرار الحق ہر دوئی وغیرہ قابل ذکر ہیں، ان حضرات کے علاوہ ہزاروں لوگ آپ سے بیعت ہوئے اور اپنی اصلاح کی۔

آپ ایک عظیم مصنف تھے، آپ کی تصنیفات کی تعداد سینکڑوں میں ہیں جو مختلف موضوعات سے متعلق ہیں۔ جن میں سے چند کتابوں کے نام یہ ہیں: بیان القرآن، اشرف الجواب، بوادرالنوادر، اصلاح الرسوم، اغلاط العوام، احکام اسلام عقل کی نظر میں۔

عوام کی اصلاح وتربیت کے لئے آپ نے وعظ وارشاد کا سلسلہ بھی جاری کیا، چنانچہ آپ کے مواعظ اور ملفوظات کی تعداد سو جلدوں کے قریب ہیں۔

آپ کی وفات 16 رجب 1362 ہجری مطابق 20 جولائی 1943 کو ہوئی آپ کی نماز جنازہ مولانا ظفر احمد عثمانی نے پڑھائی، آپ تھانہ بھون کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔

21.2.2 تعلیم وتربیت

مولانا اشرف علی تھانوی کا نقطہ نظر یہ ہے کہ تعلیم وتربیت کا مقصد انسان کو آدمی بنانا ہے، اگر تعلیم وتربیت انسان کو آدمی نہیں بنا پاتا ہے تو پھر تعلیم وتربیت اپنے مقصد کو حاصل کرنے میں ناکام ہے

شبیر علی تھانوی نے الافاضات الیومیہ میں مولانا اشرف علی تھانوی کا یہ قول نقل کیا ہے:

"بزرگ بننا آسان ہے، مگر انسان بننا بڑا مشکل، میرے یہاں آدمیت کی تعلیم ہوتی ہے"۔

اسی طرح مولانا کا یہ قول بھی انتہائی اہم ہے کہ شاہ صاحب بننا آسان ہے، ملک التجار بننا آسان ہے، بزرگ بننا آسان ہے، قطب بننا آسان مگر انسان بننا مشکل۔

مولانا اشرف علی تھانوی نے تعلیم آدمیت کی وضاحت بھی کی ہے، آپ نے فرمایا: تعلیم آدمیت سے مراد اصلاح احوال ہے۔ نیز آدمیت کا خلاصہ آپ نے ان الفاظ میں کی ہے کہ "آدمیت کا حاصل یہ ہے کہ اپنے سے دوسروں کو اذیت نہ پہنچے"۔

21.2.3 صالح معاشرہ کا قیام:

مولانا اشرف علی تھانوی کا نقطہ نظر یہ تھا کہ آدمیت کی تشکیل کے بعد ضروری ہے کہ صالح معاشرہ قیام ہو، چنانچہ انہوں نے معاشرہ کی اصلاح کے لئے بھرپور کوششیں کیں اور معاشرہ پڑی رسوم ورواج اور بدعات وخرافات کی دبیز چادروں کو ہٹا کر معاشرہ کی تجدید کا کام کیا، اور اس میدان میں کامیابی نے آپ کے قدم چومے، چنانچہ آپ خود فرماتے تھے:

مجدد ملت تو خیر کیا، لیکن مجدد معاشرت میں ضرور ہوں۔

صالح معاشرہ کے قیام کے لئے آپ نے تین کام کئے:

لوگوں کے شعور کو بیدار کرنے کے لئے ایک طریقہ پند وموعظت کا اختیار کیا، اور مواعظ کے لئے حلقے قائم کئے، آپ کے مواعظ

اس کثرت سے ہوتے کہ آپ کے مواعظ کو کتابی شکل میں ادارہ تالیفات اشرف، خطبات حکیم الامت کے نام سے ستائیس جلدوں میں شائع کیا ہے۔ مفتی محمد تقی عثمانی نے آپ کے منتشر ملفوظات اور بیانات کو اصلاح امت کے نام سے المعارف کراچی سے دو جلدوں میں شائع کیا ہے۔

اسی طرح اشرف السوانح حصہ سوم کا ستر ہواں باب کا عنوان ہی اصلاح معاشرت ہے، پند و نصائح کے علاوہ آپ نے بیعت وارشاد کا سلسلہ بھی شروع کیا اور مختلف لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر کے تزکیہ باطن کیا اور پھر آپ کے مجاز و خلفاء اور مریدین نے اصلاح معاشرہ کے اس سلسلہ کو دنیا کے مختلف خطوں تک دراز کیا۔ نیز آپ نے اغلاط العوام، بہشتی زیور اور دیگر ناموں سے متعدد کتابیں تصنیف کیں۔

مولانا اشرف علی تھانوی کا معمول یہ تھا کہ درس و تدرس سے زیادہ توجہ تہذیب اخلاق پر دیتے تھے۔ مولانا فرماتے ہیں:

"مجھ کو علم کے پڑھانے لکھانے کا اتنا زیادہ اہتمام نہیں ہے، جس قدر تہذیب اخلاق و دیانت کا، کیونکہ لکھنے پڑھنے کا اہتمام تو ہر جگہ ہوتا ہے، لیکن اخلاق کی طرف کسی کا خیال بھی نہیں"۔

آگے فرماتے ہیں:

"کسی سے کوئی حرکت خلاف تہذیب سرزد ہو اس کا اس لئے اچھی طرح تدارک کیا جاتا ہے کہ اس میں اوروں کو تکلیف ہوتی ہے"۔

مولانا اشرف علی تھانوی تعلیم و تربیت میں انسانی نفسیات و احساسات کا بھی پورا خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ ڈاکٹر محمد میاں صدیقی لکھتے ہیں: مولانا تھانوی نے لوگوں کی تعلیم و تربیت اور ذہنی و فکری اصلاح کا جو طریقہ اپنایا وہ عام ڈگر سے ہٹ کر تھا، ان کا طریقہ کار انسانی جبلت و فطرت اور نفسیات کے عین مطابق تھا۔

طالب علم کے حصول تعلیم اور اس میں کامیاب ہونے کے لئے تین ہدایات آپ نے طلبا کو دی ہیں:

آپ فرماتے تھے کہ بس تم تین باتوں کا التزام کرلو، پھر میں ٹھیکہ لیتا ہوں اور ذمہ دار ہوتا ہوں کہ تمہیں استعداد علمی حاصل ہو جائے گی: اول یہ کہ جو سبق پڑھنا ہو، اس کا مطالعہ ضرور کرلیا جائے، اور مطالعہ کا مشکل کوئی کام نہیں، کیونکہ مطالعہ کا مقصود صرف یہ ہے معلومات اور مجہولات متمیز ہو جائیں، بس اس سے زیادہ کاوش نہ کرے، دوم پھر سبق کو استاد سے اچھی طرح سمجھ کر پڑھ لے، بلا سمجھے آگے نہ چلے، اگر اس وقت استاد کی طبیعت حاضر نہیں، تو کسی دوسرے کسی وقت سمجھ لے، سوم اس کے بعد ایک بار خود بھی مطلب کی تقریر کرے، بس ان تینوں التزامات کے بعد پھر بے فکر رہے، چاہے یاد رہے یا نہ رہے، ان شاءاللہ استعداد ضرور پیدا ہو جائے گی، یہ تینوں باتیں تو درجہ وجوب میں ہیں اور ایک بات درجہ استحباب میں ہے، وہ یہ ہے کہ کچھ آموختہ بھی روزانہ دہرا لیا کرے۔

مولانا اشرف علی تھانوی انگریزی زبان کی تعلیم کے مخالف نہ تھے، البتہ مولانا کا خیال اور مشاہدہ یہ تھا کہ انگریزی زبان کی تعلیم

کے بعد لوگوں پر انگریزی تہذیب کا اثر غالب ہو جاتا ہے، اور لوگ دین کے فرائض سے بھی غافل ہو جاتے ہیں چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

آج کل تعلیم جدید کے متعلق علما پر اعتراضات کیا جاتا ہے کہ یہ تعلیم جدید سے روکتے ہیں، حالانکہ میں کہتا ہوں کہ اگر تعلیم جدید کے یہ آثار نہ ہوتے جو علی العموم اس وقت اس پر مرتب ہو رہے ہیں، تو علما ہر گز اس سے منع نہ کرتے۔

ایک مجلس میں آپ نے ارشاد فرمایا: انگریزی تعلیم سے مسلمانوں کے عقائد متاثر ہو رہے ہیں، جس سے ان کے ایمان کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔

البتہ جب مولانا کو بھی انگریزی تعلیم کی افادیت کا اندازہ ہوا، تو آپ نے انگریزی تعلیم کے حصول کے لئے تین شرائط کا ذکر کیا:

1. اول اپنے مذہب کی تعلیم حاصل کرو، کسی عالم کے مشورہ سے کورس مقرر کرو۔
2. دوسرے علما کی صحبت میں آمد و رفت کو۔
3. تیسرے غیر جنس کی کتابوں سے احتراز کرو اور علما حقانی کی کتابیں مطالعہ میں رکھو۔

21.2.4 خواتین کی تعلیم:

مولانا اشرف علی تھانوی عورتوں کی تعلیم کے حق میں تھے، آپ فرماتے ہیں: میں عورتوں کی تعلیم کا مخالف نہیں مگر اس تعلیم کا ضرور مخالف ہوں جو یہ لوگ عورتوں کو دیتے ہیں۔

چنانچہ آپ نے عورتوں کی تعلیم کے لئے بہشتی زیور لکھا جس میں زندگی کے ان تمام شعبوں سے متعلق احکام و مسائل لکھے، جن کا جاننا عورتوں کے لئے بے حد ضروری ہے، احکام و مسائل کے علاوہ اس کتاب میں اسلامی تاریخ، امور خانہ داری اور حفظان صحت پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ کتاب کے شروع میں خوش خط لکھنے کے قواعد کے ساتھ خطوط نویسی کے آداب بھی لکھے۔

البتہ مولانا اشرف علی تھانوی مغربی تہذیب کے تعلیم و تعلم کو مرد و عورتوں کے لئے یکساں طور پر مضر سمجھتے تھے، اسی طرح اخلاق باختہ لٹریچر اور ناول کو بھی مرد و عورت کے لئے نقصان دہ قرار دیتے تھے۔

اسی طرح مولانا اشرف علی تھانوی عورتوں کی تعلیم و ترقی کے لئے پردہ کو رکاوٹ کے بجائے مددگار اور معاون قرار دیتے تھے، آپ فرماتے ہیں:

تعلیم یافتہ ہونے یا غیر تعلیم یافتہ ہونے میں پردہ یا بے پردگی کو کوئی دخل نہیں، بلکہ اس میں بڑا دخل توجہ کو ہے، اگر کسی قوم کو عورتوں کی تعلیم پر توجہ ہو تو وہ پردے میں بھی تعلیم دے سکتے ہیں، ورنہ بے پردگی میں بھی کچھ نہیں ہو سکتا، بلکہ غور کیا جائے تو پردہ میں تعلیم زیادہ ہو سکتی ہے، کیونکہ تعلیم کے لئے یکسوئی اور اجتماع خیال کی ضرورت ہے، اور وہ گوشہ تنہائی میں زیادہ حاصل ہوتی ہے۔

21.2.5 سیاست سے متعلق افکار:

اسلام نے جس طرح زندگی کے تمام شعبوں سے متعلق ہدایات دی ہیں اور اصول مقرر کیے ہیں۔ سیاست سے متعلق بھی اصول

مقرر کیے ہیں اور بعض معاملات سے متعلق تو تفصیلی ہدایت دی ہیں۔ سیاست اور شریعت کے تعلق سے مولانا اشرف علی تھانوی کا نقطہ نظریہ تھا کہ شریعت اور سیاست کے درمیان تلازم ہے، دونوں کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا ہے، آپ فرماتے ہیں:

جس طرح طریقت کو شریعت سے الگ نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح شریعت اور سیاست کو جدا نہیں کیا جاسکتا۔

مولانا اشرف علی تھانوی کا نقطہ نظریہ تھا کہ اللہ تعالی کے احکام کو نافذ کرنے میں حکومت معاون ہوتی ہے۔

آپ فرماتے ہیں: "حکومت کو فروغ دین سہل ہے"۔

البتہ آپ کا نقطہ نظریہ بھی تھا کہ حکومت اسلام کا مقصد نہیں ہے، بلکہ حکومت دین کے احکام کے نفاذ کا وسیلہ ہے، مولانا فرماتے ہیں: دیانات مقصود بالذات ہے اور سیاست وجہاد مقصود اصلی نہیں ہے۔

21.2.6 مولانا اشرف علی تھانوی اور تصوف:

تصوف سے متعلق مولانا اشرف علی تھانوی کا نقطہ نظریہ ہے کہ تصوف شریعت کا پانچواں جزہے، آپ فرماتے ہیں:

„شریعت،، کے پانچ اجزاء ہیں، پانچواں جز تصوف ہے، جسے شریعت میں اصلاح نفس کہتے ہیں، آج کل لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ تصوف کے لیے بیوی، بچوں اور دوسری دنیاوی امور کو چھوڑنا پڑتا ہے، یہ بالکل غلط ہے، یہ جاہل صوفیوں کا مسئلہ ہے، جو تصوف کی حقیقت کو نہیں جانتے۔

تصوف کے سلسلے میں آپ کے اس قول سے بھی آپ کے نقطہ نظر کی وضاحت ہوتی ہے، فرماتے ہیں:

حقیقت تصوف کی صرف علم بالعمل ہے اور عمل وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمایا ہے اور جو سالک کے اختیار میں ہے، اس کے علاوہ سب چیزیں زائد ہیں۔

ایک جگہ آپ فرماتے ہیں: تصوف کوئی نئی چیز نہیں ہے، بلکہ یہی نماز روزہ تصوف ہے، اور یہی اعمال مقصود ہیں، مجاہدہ کی ضرورت صرف نماز روزہ کو نماز روزہ بنانے کے لئے ہے۔ تصوف کا خلاصہ صرف علم مع العمل ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی کی تحریروں سے صاف پتہ چلتا ہے کہ تصوف مولانا کے نزدیک شریعت پر عمل ہی کا نام ہے۔

تصوف کے مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں:

تصوف کا مقصد نفس کی اصلاح اور دل کی صفائی ہے، لیکن بعد میں تصوف میں باہر سے اتنی چیزیں آگئی ہیں کہ تصوف کا مقصد پس پردہ چلا گیا ہے۔

تصوف کے مقاصد پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے مولانا فرماتے ہیں:

اصل مقصد حق تعالی کو راضی کرنا ہے، جس کا ذریعہ ہے شریعت کے حکموں پر پورے طور سے چلنا، ان حکموں سے بعضے متعلق ظاہر کے ہیں، جیسے نماز، روزہ، حج، زکوۃ......... اور بعض متعلق باطن کے ہیں، جیسے خدا سے محبت رکھنا، خدا سے ڈرنا، خدا کو یاد رکھنا، دنیا سے

محبت نہ ہونا، خدا کی مشیت پر راضی رہنا، حرص نہ کرنا، عبادت میں دل کا حاضر رکھنا، دین کے کاموں کو اخلاص سے کرنا، کسی کو حقیر نہ سمجھنا، خود پسندی نہ کرنا، غصہ کو ضبط کرنا، وغیرہ اس اخلاق کو سلوک کہتے ہیں۔

مولانا کی باتوں سے سمجھ میں آتا ہے کہ ان کے نزدیک تصوف ان کیفیات کو پیدا کرنے کا نام ہے، جن کو قرآن نے تزکیہ سے تعبیر کیا ہے اور احادیث میں احسان، زہد اور رقاق جیسے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

صوفیا کے یہاں سلوک کی راہے کرنے اور باطن کی اصلاح کے بیعت کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ بیعت کا مطلب ہے عہد وپیاں یعنی باطن کی اصلاح کا طالب کسی مرشد کے ہاتھ بیعت کرتا ہے اور عہد وپیان کرتا ہے کہ وہ فرائض کی ادئیگی کی پوری کوشش کرے گا اور حرام چیزوں سے اجتناب کرے گا، یہی بیعت کی اصل اور روح ہے۔

کتب احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرام بھی اس طرح کی بیعت کیا کرتے تھے چنانچہ بخاری شریف میں ہے حضرت جریر بن عبداللہ بجلی فرماتے ہیں: میں نے نماز کے قائم کرنے، زکاۃ کے ادا کرنے اور ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرنے پر حضرت محمد ﷺ سے بیعت کی۔

مولانا اشرف علی تھانوی کا بھی نقطہ نظر یہ ہے کہ تصوف میں بیعت ضروری ہے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ یہ یقین صحیح ہے کہ بیعت طریقت کی ضرورت عام نہیں ہے، لیکن اس میں دھوکہ ہوتا ہے کہ باوجود اس خاص حالت کہ پھر بھی نفس میں بعض امراض خفیہ ہوتے ہیں کہ وہ بدون تنبیہ شیخ محقق عارف کے سمجھ میں نہیں آتا، اس لئے تعلق شیخ ہی سے ضروری ہوتا ہے۔

ایک جگہ بیعت کی ضرورت کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

نفس میں کچھ امراض ہوتے ہیں، ان کا علاج کتابوں میں لکھاہے، لیکن پھر بھی طبیب کی ضرورت ہوتی ہے، اسی درجہ نفسانی امراض کے معالجہ میں شیخ یعنی معلم کی ضرورت ہوتی ہے۔

بیعت کے لئے یہ ضروری ہے کی سلوک کا طالب کسی مرشد ایسے مرشد کا انتخاب کرے جو کامل ہو۔

مولانا نے مرشد کامل کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

تو پہچان اس کی یہ ہے کہ وہ شریعت کا ضروری علم رکھتا ہو، کسی شیخ کامل کی تربیت کے خلاف پر اصرار نہ کرتا ہو، سنت کا پابند ہو، اپنے متعلقین پر شفقت کرتا ہو، احتساب میں کمی نہ کرتا ہو، جس میں یہ سب باتیں جمع ہوں وہ کامل ہے۔

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کے نزدیک بیعت شیخ کامل کے ہاتھوں پر ہی کی جاسکتی ہے، اور شیخ کامل کے لئے دین کے ضروری احکام سے واقف ہو اور اپنے مریدوں کا احساب بھی کرتا ہو اور غلط باتوں پر تنبیہ بھی کرتا ہو۔

21.2.7 اجتہاد اور تقلید سے متعلق مولانا اشرف علی تھانوی کا نقطہ نظر:

اسلام ایک آفاقی اور عالمگیر مذہب ہے، جو رہتی دنیا تک پوری دنیا کے مسائل کو حل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ قرآن وحدیث کے نصوص محدود ہیں جبکہ روز بروز پیدا ہونے والے مسائل غیر محدود، اس لئے اجتہاد کا جاری رہنا اور ہر نو پید مسائل کو حل کرنے کے لئے اجتہاد کرنا ایک ضروری امر ہے۔ البتہ ان اصول و قواعد کی اتباع کرنا جو سلف صالحین اور ائمہ کرام سے منقول ہے، یہ بھی ضروری ہے، تاکہ انسان نفس کی خواہشات اور سہولت پسندی سے محفوظ رہتے ہوئے احکام کی پابندی کرے۔

چنانچہ مولانا اشرف علی تھانوی نے اجتہاد اور تقلید دونوں پر ہی گفتگو کی ہے، اور اعتدال کا راستہ اپنایا ہے

چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

اجتہاد سے جس طرح حکم کا استنباط جائز ہے، اسی طرح اجتہاد سے حدیث کو معلل سمجھ کر مقتضائے علت پر عمل کرنا، جس کا حاصل احکام وصفیہ کا تعین ہے، مثل احکام تکلیفیہ کے یا احد الوجوہ پر محمول کرنا یا مطلق کو مقید کر لینا اور ظاہر الفاظ پر عمل نہ کرنا حدیث کی مخالفت یا ترک نہیں ہے، اس لئے ایسا اجتہاد بھی جائز ہے، اور ایسے اجتہاد کی تقلید بھی جائز ہے

مولانا اشرف علی تھانوی کے اس اقتباس سے درج ذیل باتیں معلوم ہوئیں:

1. قرآن وحدیث کے نصوص میں اجتہاد اور غور وفکر کر کے حکم معلوم کرنا اور حکم کا استنباط کرنا جائز ہے۔
2. اجتہاد اور غور وفکر کر کے علت نکالنا اور اس علت کے مطابق حکم معلوم کر کے اس پر عمل کرنا جائز ہے۔
3. اور اس علت کے مطابق فرض، واجب، سنت حرام یا مکروہ کا حکم لگانا یا کسی حدیث کا حکم مطلق ہے تو اس کو مقید کرنا یا علت کی وجہ سے نصوص قرآن وحدیث کے ظاہری معنی پر عمل نہ کرنا یہ سب جائز ہیں، اسی طرح اس کی تقلید کرنا بھی جائز ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی نے اپنی کتاب الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد میں مختلف احادیث سے دلائل بھی ذکر کئے ہیں اور اپنے نقطہ نظر کو ثابت کیا ہے۔

21.3 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- دور جدید کے ایک عظیم مفکر و مصلح کے حالات زندگی اور مختلف میدانوں میں ان کی خدمات سے واقف ہوئے۔
- تعلیم سے متعلق مولانا اشرف علی تھانوی کے نظریات سے آپ واقف ہوئے، کہ تعلیم کا مقصد آدمی بنانا ہے کہ اس سے کسی کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچے، اور نیک اور صالح معاشرہ کا قیام ہو سکے۔ نیز معلم کو چاہئے کہ دوران تعلیم طالب علم کے نفسیات کا خیال رکھے، اور آپ اس بات سے بھی واقف ہوئے کہ مولانا عورتوں کی تعلیم کے مخالف نہیں ہیں، اور نہ پردہ کو تعلیم کے لئے رکاوٹ سمجھتے ہیں، بلکہ مولانا کا خیال یہ ہے کہ پردہ تعلیم کے لئے معاون ہے، کیوں کہ پردہ سے یکسوئی حاصل ہوتی ہے۔

- اپ مزید اس بات سے بھی واقف ہوئے کہ مولانا اشرف علی تھانوی کا نقطہ نظر یہ ہے کہ سیاست دین سے الگ کوئی چیز ہیں ہے، بلکہ دین کا ایک حصہ ہے، نیز مولانا کا خیال یہ بھی ہے کہ حکمرانوں کے لئے دین کا فروغ اور اس کی اشاعت سہل ہے
- اسی طرح آپ اس سے بھی واقف ہوئے کہ مولانا اشرف علی تھانوی کے نزدیک تصوف شریعت کا ایک حصہ ہے۔ اور مولانا کے نزدیک تصوف کا مقصد نفس کی اصلاح اور دل کی صفائی ہے۔

21.4 نمونہ امتحانی سوالات

21.4.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. مولانا اشرف علی تھاوی کی سن پیدائش کیا ہے؟

1880.(a) 1905.(b) 1863.(c) 1977.(d)

2. اشرف الجواب کے مصف کا نام بتائیے۔

(a). ابو الاعلی مودودی (b). سر سید (c). ابو الکلام آزاد (d). اشرف علی تھانوی

3. مولانا اشرف علی تھانوی خواتین کی تعلیم کے مخالف تھے۔

(a). درست ہے (b). غلط ہے

4. "حکومت کو فروغ دین سہل ہے" یہ کس کا قول ہے؟

(a). سید قطب (b). جمال الدین افغانی (c). حسین احمد مدنی (d). اشرف علی تھانوی

5. مولانا اشرف علی تھانوی کن کے خلیفہ تھے؟

(a). قاسم نانوتوی (b). رشید احمد گنگوہی (c). امداد اللہ مہاجر مکی (d). یعقوب نانوتوی

6. مولانا اشرف علی تھانوی نے کس مدرسہ میں تدریس کے فرائض انجام دیئے؟

(a). مدرسہ فیض عام کانپور (b). مدار العلوم دیوبند (c) . دار العلوم ندوۃ العلما (d). مدرسہ امینیہ دہلی

7. مولانا اشرف علی تھانوی کے نزدیک تعلیم کا مقصد کیا ہے؟

(a). مہذب شہری بنانا (b). انسان کو آدمی بنانا ہے (c). حکومت کے اہل بنانا (d). ان میں سے کوئی نہیں

8. مولانا اشرف علی تھانوی تعلیم کے لیے پردہ کو رکاوٹ سمجھتے تھے؟

(a). صحیح (b). غلط

9. مولانا اشرف علی تھانوی کی تاریخ وفات بتائیے؟

(a).1970 (b).1943 کو ہوئی (c).2005 (d).1920

10.10. مولانا اشرف علی تھانوی کے نزدیک شریعت کا پانچواں جز کیا ہے؟

(a). سیاست (b). معیشت (c). تصوف (d). عبادت

21.4.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. مولانا اشرف علی تھانوی کی زندگی پر ایک نوٹ لکھیے۔
2. صالح معاشرہ کے قیام سے آپ کیا سمجھتے ہیں، وضاحت کیجیے۔
3. خواتین کی تعلیم سے متعلق مولانا اشرف علی تھانوی کا نظریہ بیان کیجیے۔
4. سیاست سے متعلق مولانا اشرف علی تھانوی کا نظریہ بیان کیجیے۔
5. تصوف سے متعلق مولانا اشرف علی تھانوی کے نقطہ نظر کی وضاحت کیجیے۔

21.4.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. مولانا اشرف علی تھانوی کی حیات و خدمات پر ایک مضمون لکھیے۔
2. تعلیم سے متعلق مولانا اشرف علی تھانوی کے فکر و نظر سے بحث کیجیے۔
3. تصوف اور سیاست سے متعلق مولانا اشرف علی تھانوی کے نقطہ نظر پر ایک مضمون لکھیے۔

21.5 تجویز کردہ اکتسابی مواد

4.	اشرف السوانح	: عزیز الحسن مجذوب اور مولوی عبد الحق
5.	بیس بڑے مسلمان	: مرتبہ مولانا عبد الرشید ارشد
6.	حکیم الامت نقوش و تاثرات	: مولانا عبد الماجد دریابادی
7.	ڈاکٹر محمد اقبال اور مولانا اشرف علی تھانوی افکار کا تقابلی مطالعہ	: ایم فل اقبالیات مقالہ نگار محمد یونس مینو
8.	الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد	: مولانا اشرف علی تھانوی